اشرف السوانح

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کی مستند سوانح حیات

از - خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوب

بی اے (علیگ)

مکتبہ تالیفاتِ اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر یوپی

قال صلی الله علیه وسلم

اذا آخی الرجل الرجل فلیسأله عن اسمه واسم ابیه وممن هو فانه اوصل للمودة

رواه الترمذی

چون حدیث موصوف دال است بر فضیلت معرفت احوال مومن محبوب در استحکام تعلقات قلوب، و جماعتے از صلحاء وقت منصبغ بودند به محبت حضرت حکیم الامت مجدد الملت قطب الارشاد شیخ المشائخ مرشد العالم مولانا شاه محمد اشرف علی صاحب تھانوی حنفی چشتی صابری امدادی سلمه الله علام الغیوب، بنا بر مصلحت مذکوره رساله ملقب بلقب تاریخی سیرت اشرف زمانه ۱۳۵۴ھ

مسمی به

اشرف السوانح

حصهٔ اول

که مضاف ترکیبش مشیر ست بمضاف الیه او

بقلم احقر عزیز الحسن و فقیر عبد الحق فرج الله عنهما الکروب و اماط عنهما العیوب و غفر لهما الذنوب

برعایت اختصار در سنه ۱۳۵۴ھ نگاشته شد

باہتمام سید نور الحسن تھانوی

ناشر مکتبه تالیفات اشرفیه تھانه بھون ضلع مظفر نگر یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشرف السوانح ـ جلد اوّل

تالیف

خسروِ بارگاہِ اشرفیہ (خان بہادر) حضرت خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوبؒ
بی، اے (علیگ) سابق ڈپٹی کلکٹر، انسپکٹر آف اسکولز۔ (یو، پی)

یکے از اکابر خلفاء

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

طباعت بار چہارم ــــــــ رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ
مطبوعہ ــــــــ شیروانی آفسیٹ پرنٹرز ۔ دہلی ۶
باہتمام ــــــــ سید نور الحسن تھانوی
ناشر ــــــــ مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر
قیمت ــــــــ Rs 100.00

ملنے کے پتے

۱۔ اشرفی کتب خانہ ۱۷/۱ بخشی بازار الہ آباد (یو، پی)۔
۲۔ کتب خانہ الفرقان ۳۱ ۔ نیا گاؤں مغربی نظیر آباد۔ لکھنؤ یو، پی۔
۳۔ کتب خانہ عزیزیہ اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶۔
۴۔ عظیم بک ڈپو، دیوبند ۔ ضلع سہارنپور۔
۵۔ مکتبہ فیض اشرف جلال آباد۔ ضلع مظفر نگر۔
۶۔ مکتبہ اشرفیہ ہردوئی۔
۷۔ کتب خانہ امداد الغرباء محلہ مفتی سہارنپور۔

فہرست مضامین اشرف السوانح حصۂ اوّل

اطلاع۔ متذکرۂ بالا فہرست تو اشرف السوانح حصۂ اول کے مضامین کی ہے اور حصۂ دوم وسوم میں انشاء اللہ تعالیٰ منقولہ ذیل مضامین ہوں گے

فہرست مضامین اشرف السوانح حصۂ دوم وحصۂ سوم

فہرستہائے متعلقہ ہر سہ حصۂ اشرف السوانح

نوٹ ۔ یہ امر بھی قابل اطلاع ہے کہ حصۂ اول کے آخر کا مضمون "شرف بیعت و استفاضۂ باطنی" یعنی کتاب کے باب ہیزدہم ۱۳ کا مضمون اور حصۂ دوم کے شروع کا مضمون "ارشاد و افاضۂ باطنی" یعنی کتاب کے باب چہاردہم ۱۴ کا مضمون خاص طور سے نہایت مہتم بالشان مضامین ہیں۔ اور اس اطلاع کے عنوان تعبیری سے ان دونوں بابوں کا جو کہ باہم متناسب و متجاذب اور متناسق و متلاسق ہیں اتصال بلافصل بھی معلوم ہو گیا فقط

احقر مؤلف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

کشفِ حقیقتِ اشرف السوانح

بعد حمد وصلوٰۃ احقر **اشرف علی** عفی عنہ عرض رسا ہے کہ اس سوانح پر میرا کچھ لکھنا اسلئے تو نازیبا ہے کہ وہ میری طرف منسوب ہے لیکن بعض تنبیہات ضروریہ کی مصلحت لکھنے کو مقتضی ہوئی اس لئے تکلف کو ترک کر کے اس کے متعلق امور ذیل معروض ہیں۔

نمبر ۱- اس کی تحریر میں ایک تو بے احتیاطی ہے کہ زندہ شخص کے متعلق ہے جو اکثر اہل طریق کے معمول کے خلاف ہے جس کی حکمت اس حدیث میں مذکور ہے ابن مسعود رضؓ قال من کان مُستنًا فلیستن بمن قد مات فَاِنَّ الحَیَّ لا یؤمنُ علیہِ الفتنۃ (جمع الفوائد عن رزین وجہ الاستدلال کون الاستنان ھو الغرض من ھذا الکتابۃ فی غالب الاوقات) اور اکثر اس لئے کہا گیا کہ بعض اکابر نے خود بھی اپنے سوانح لکھے ہیں جیسے جلال الدین سیوطی رحؒ وعبد الوہاب شعرانی رحؒ کما بلغنی عن بعض الثقات۔

نمبر ۲- اور ایک احتیاط ہے کہ روایات میں افراط وتفریط کا احتمال بہت کم ہوجاتا ہے جس کا وقوع اکثر خوش اعتقادوں کے غلو سے ہوجاتا ہے (اور اسی بنار پر میں نے تتمہ سابعہ تنبیہات وصیت کے ضمیمہ عاشرہ مندرجہ النور ذیحجہ سنہ ۱۳۵۱ھ میں بتاکید منع کیا ہے کہ میری سوانح عمری نہ لکھی جائے) سو اس افراط وتفریط کا احتمال کم ہوجاتا ہے کیونکہ صاحب واقعہ اس کی تنقید کرسکتا ہے اور اس مصلحت کے اہم ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ باقی مفسدہ مذکورہ حدیث کا انسداد اس جملہ کے استحضار سے ہوسکتا ہے کہ یہ حالات اس وقت تک کے ہیں آئندہ کی خبر حق تعالیٰ کو ہے مستقبل پر ماضی سے احتجاج کافی نہیں کما قال تعالیٰ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا + والغیب عند اللہ وھو اعلم بمن اتقیٰ والعبرۃ بالخواتیم۔ حق تعالیٰ سے استقامت کی دعا کی التجا ہے اور قبول دعا کی بھی رجا ہے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز ع باکریماں کارہا دشوار نیست۔ نیز مصلحت مذکورہ اس وقت ہے کہ کتابت کی غرض اقتدا ہو جیسا حدیث کے الفاظ بتلا رہے ہیں اور اگر غرض محض محبین کی زیادت معرفت اور اس کے واسطہ سے زیادت محبت ہو جیسا دوسری حدیث میں ہے جو کہ لوح کی عبارت میں بھی مذکور ہے وہ حدیث یہ ہے قال صلی اللہ علیہ وسلم اذا اٰخیٰ الرجلُ الرجلَ فلیسألہ عن اسمہ واسم ابیہ وممن ھو فانہ اوصل للمودۃ رواہ الترمذی تو اس صورت میں یہ لکھنا حدیث متن کے تو خلاف نہیں اور حدیث لوح کے موافق ہے پھر کوئی وجہ ہی شبہ کی نہیں۔ یا اگر کسی جزو

میں اقتداء ہی کا قصد ہو تب بھی استنان بالحی میں جو کہ منہی عنہ ہے دائم کی قید لگانے سے (جیسا کہ خود حدیث میں احتمال افتتان وتغیر سے اس نہی کا معلل ہونا اس تقیید کو مقتضی ہے) اور اس اقتداء مقصود میں قبل التغیر کی قید لگانے سے جس عزم ضابط اور ناظرین کا امر اختیاری ہے یہ مانع مرتفع ہو جائے گا۔ نیز اسکا ایک معتدبہ حصہ لکھا ہوا دیکھنے پر ایک حکمت یہ بھی مشاہدہ میں آئی کہ واقعات خاصہ کے ضمن میں بہت سے مسائل فن کی تدوین ہو گئی جس سے یہ مجموعہ بعینہا مولانا رحمہ کے اس شعر کا ایک خوشنما مصداق بن گیا ؎

خوشتر آن باشد کہ سرِ دلبراں　　　گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

اور اُن کی تدوین گو مستقلاً ومقصوداً بھی ہو سکتی تھی اور ہوئی بھی ہے لیکن واقعات چونکہ اُن کے لئے بمنزلہ شواہد کے ہو گئے۔ اسلئے اس طرز سے وہ اوضح واوقع فی النفس ہو گئے۔ آخر کوئی تو وجہ ہے کہ قرآن مجید میں عبر وحکم کے ساتھ قصصِ بھی ذکر فرمائے گئے ہیں۔

نمبر ۳۔ واقعات کے معنون میں اُمید ہے کہ مبالغہ یا غلو نہیں کیونکہ مؤلف مجھ سے تحقیق بھی کرتے رہے اور لکھکر دکھلاتے بھی رہے البتہ عنوان میں کوئی ایہام مدح یا تزکیہ کا ہو جانا محبت سے بعید نہیں جو باوجودیکہ دل سے مجکو عقلاً بھی پسند نہیں اور جذبات حیاء سے طبعاً بھی گوارا نہیں لیکن میں نے اُن کی دلشکنی کے خیال سے بدلا نہیں مگر اسی کے ساتھ ہی اپنے عیوب کے استحضار سے معنون کو تو ٹھیک اس شعر کا مصداق سمجھتا ہوں ؎

طاؤس را بہ نقش ونگارے کہ ہست خلق　　　تحسیں کنند واو خجل از پائے زشت خویش

اور عنوان کو بدون احتیاج کسی استحضار کے اس شعر کا مصداق سمجھتا ہوں ؎

منش کردہ ام رستمِ پہلواں　　　وگرنہ یلے بود در سیستاں

نمبر ۴۔ بعض واقعات کے بعض اجزاء بوجہ تقادم عہد وعدم اہتمام استحضار واستحفاظ مجکو بھی تیقن کے درجہ میں محفوظ نہ تھے مگر غالب گمان پر حاصل اور اصل مقصود کو محفوظ رکھتے ہوئے تسامح کیا گیا۔

نمبر ۵۔ جس جگہ کسی کے نام کی تصریح مدحاً یا قدحاً بظن غالب صاحب واقعہ کی ناگواری کو محتمل تھی نام نہیں لکھا گیا البتہ خود خطائی الظن سے بچنا مشکل تھا ایسے موقع پر صاحب واقعہ سے معافی کی درخواست ہے اسی طرح اگر اتفاقاً التزام میں کوتاہی ہو گئی ہو۔

مقام تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر) خانقاہ امدادیہ۔ شہر محرم الحرام ۱۳۵۴ھ ہجری

اے اشرف خوبان زنا ز بانسے مدور نما
مستغنیا بالمخاطب قلت

تمہید

در احاطہ بستہ ام کلید کرم کن
مستنیر انی المخاطب قلتہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّيۡ عَلٰى رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ

سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ

امّا بعد سلف و خلف کا ہمیشہ سے مقتداؤں کے سوانح کے ضبط کا معمول چلا آیا ہے اور اس میں ظاہری و باطنی فوائد بیان کئے گئے ہیں۔ ان ہی فوائد کی مصلحت سے ایک کثیر جماعتِ احباب مخلصین کی تجویز تھی کہ حضرت اقدس حکیم الامۃ مجدد الملۃ محی السنۃ قطب الارشاد مرشد العالم امام الطریق شیخ المشائخ حجۃ اللہ فی الارض مولانا و مقتدانا شاہ محمد **اشرف علی** صاحب تھانوی حنفی چشتی صابری امدادی مدظلہم العالی کے سوانح بھی ضبط کئے جائیں لیکن ایک تو کسی کا اس مہتم بالشان کام کیلئے فارغ نہ ہونا۔ دوسرے اس کام کا فی نفسہ صعوبت سے خالی نہ ہونا تیسرے خود حضرت صاحب سوانح کی ممانعت جس کو اپنی وصایا کے اندر دو مختلف عبارتوں میں قلمبند بھی فرمایا ہے جن کی نقل سوانح ہذا کے باب وصایا میں ملاحظہ سے گذرے گی۔ یہ سب قوی موانع اس تجویز کی تنفیذ کے مجمع تھے اس لئے اب تک اس کی نوبت نہ آئی تھی نہ کسی کی ہمت ہوتی تھی۔

اتفاق سے حضرت ممدوح کے ایک مخلص خادم مکرمی جناب مولوی حکیم عبد الحق خانصاحب فتحپوری کے ذہن میں حضرت ممدوح کی تالیفات کی مفصل فہرست مرتب کرنے کا داعیہ پیدا ہوا جس کی تکمیل میں اُنھوں نے مالی و جانی ہر طرح کی مشقت برداشت فرمائی (وہ فہرست بھی اس مجموعہ میں اپنے موقع پر درج کی گئی ہے) حسب عادت اہل علم کہ مؤلفات کے ساتھ مؤلف کا ضروری حال بھی بعنوان ترجمۃ المصنف نقل کیا کرتے ہیں حکیم صاحب کو بھی اسکی ضرورت محسوس ہوئی اور اس خدمت کیلئے اس ناکارہ کو انتخاب فرمایا لیکن ؎

چونکہ حدِ خود ندیدم تن زدم   لاجرم از عذر سر دامن زدم

مگر اُنھوں نے اس عذر کو قبول نہیں فرمایا اس لئے باوجود اپنی عدم اہلیت کے ؎

چونکہ قولِ آں ایاز پاک دید   در نگاہ و دیدہ و دل می خلید
نقض امر از کسر ذُر دشوار تر   لاجرم بستم بامرِ او کمر

اب یہ داعی تو نہایت قوی جوش آگیا لیکن موانع کی حیلولۃ کا مسئلہ فیصلہ طلب رہا سو مانع اول کا حل تو یہ ہوا کہ احقر

اپنی خاص ضرورتوں سے ایک طویل رخصت لی تھی اسلئے کسی قدر فراغ کا زمانہ بے تکلف میسر ہو گیا۔ دوسرے مانع کا حل یہ ہوا کہ مادہ تو ایک معتد بہ مقدار میں حضرت صاحب سوانح کی تحریرات و تقریرات سے جمع کر لیا گیا جس میں حکیم صاحب موصوف نے بھی بہت کچھ اعانت فرمائی اور صورت میں خود حضرت صاحب سوانح کے مشوروں سے مدد حاصل کرتا رہا۔ اور تیسرے مانع کا حل خود حضرت صاحب سوانح کی تحریر معنون بہ کشفِ حقیقت اشرف السوانح میں مذکور ہے جو قبل تمہید ہذا ہدیۂ ناظرین کیجا چکی ہے جس کا حاصل ممانعت کا خاص علل سے معلّل ہونا اور اُن علل کا مرتفع ہو جانا ہے چنانچہ خود ممانعت کی اُن دونوں عبارتوں میں جنکا اوپر حوالہ دیا گیا ہے ادنیٰ تامل کرنے سے یہ معلّل ہونا واضح ہوتا ہے اور اسی سے ایک عبارت میں علی الاطلاق ممانعت اور دوسری عبارت میں ایک قید کے ساتھ اجازت کے ظاہری تعارض کا توہّم بھی دفع ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اطلاق ظاہری عدم احتیاط کی حالت میں ہے اور اجازت احتیاط کی حالت میں پس تعارض نہ رہا۔ غرض جب داعی قوی تھا اور موانع مرتفع ہو گئے پھر کیا عذر رہا۔ لہذا بنامِ خدا قلم لیکر کام شروع کر دیا ہر چند کہ توافق عادتِ اہل علم متعلّق ضبط ترجمۂ مؤلفِ مع المؤلفات کی مصلحت اختصار ترجمہ سے حاصل ہو سکتی تھی اور یہی ارادہ بھی تھا لیکن جب ایک محب اپنے محبوب کا ذکر شروع کرے اہل محبت جانتے ہیں کہ وہ اختصار پر قادر نہیں ہو سکتا پھر بھی جس تطویل پر احقر مضطر تھا اُس کا اسلئے وقوع نہیں ہوا کہ خود حضرت صاحبِ سوانح برابر عبارات و معانی کو حذف کراتے رہے اسلئے غالباً یہ مجموعہ معتدل ہو گیا۔ اس مجموعہ سوانح کا نام حضرت صاحب سوانح کے اسم شریف کی مناسبت سے اشرف السوانح اور لقب تاریخی سیرت اشرف ۱۳۵۴ھ زمانہ تجویز کیا گیا ہے اور چھبیس ۲۶ ابواب قائم کئے گئے ہیں۔

آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ میں ایک عامی شخص ہوں اور تصنیف کا سلیقہ نہیں رکھتا لہذا ناظرین اصل مقصود یعنی حضرت صاحب سوانح کے حالات طیبات پر نظر رکھیں میری عبارت کے حسن و قبح کو نہ دیکھیں اور اپنا نصب العین اس شعر کو بنائیں ؎

نہ بہ نقش بستہ مشوشم نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم | نفسے بیاد تو میزنم چہ عبارت و چہ معانیم

میرا ابھی مطمح نظر یہی تھا ورنہ مجھ جیسے نا اہل کو ایسے مہتم بالشان موضوع پر قلم اُٹھانیکی جرأت ہی نہ ہو سکتی تھی کیونکہ یہ منصب اہل علم کا تھا اسی لئے کوشش بلیغ بھی کرنی پڑی تعب بھی بہت اُٹھانا پڑا اور پھر بھی ع حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اب دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ احقر کی ظاہری و باطنی فروگزاشتوں کو معاف فرما کر اس سوانح کو مقبول و نافع فرمائے اور حضرت صاحب سوانح کو بعافیت و خیر و برکت ہمیشہ سلامت با کرامت رکھے اور سب مسلمانوں کو آپ کی ذات بابرکات سے مستفیض و منتفع فرماتا رہے آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

احقر الزمن عزیز الحسن عفا عنہ اللہ ذو المنن وحفظہ عن جمیع الشرور والفتن ما ظہر منہا و ما بطن

۲۱- محرم الحرام ۱۳۵۴ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نہ گنجد در بیاں وصفِ کمالش کنم طبع آزمائی باخیالش

باب اوّل

"نام نامی ولقب گرامی"

نام نامی **اشرف علی** ہے یہ نام حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اُس زمانہ کے مقبولِ عام اور مشہورِ انام اہلِ خدمت مجذوب تھے قبل ولادت حضرت والا بلکہ قبل استقرار حمل ہی بطور پیشین گوئی تجویز فرما دیا تھا جس کا مفصّل واقعہ انشاء اللہ تعالیٰ ولادت باسعادت کے باب میں بیان کیا جائے گا۔ اس نام میں بھی اتفاقی شرف پیدا ہو گیا کہ یہ نام ایک صحابی کا بھی تھا (کذا فی الاصابہ) یہ نام تو ابتدائً ننہال کی طرف سے تجویز کیا گیا تھا کیونکہ حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب مجذوب رہنے ننہال ہی میں تشریف لا کر یہ نام تجویز فرمایا تھا۔ اور ددھیال سے **عبد الغنی** تجویز کیا گیا۔ لیکن بمصداق

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کا تجویز فرمایا ہوا نام مبارک مشہور ہوا۔ دادھیالی نام عبد الغنی مشہور نہ ہوا۔ البتہ اس کا بھی استعمال خود حضرت والا نے اپنے رسالہ الخطوب المذیبہ میں ایک ایسے موقع پر کیا ہے جہاں فرضی نام سے کام لینا مصلحت تھا (اسی طرح حضرت والا کے چھوٹے بھائی صاحب کا ننہالی نام حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رکھا ہوا تو اکبر علی تھا اور دادھیالی نام مظہر)

لقبِ گرامی **حکیم الامت** ہے جو ایک عرصۂ دراز سے حق تعالیٰ نے قلوب خواص وعوام میں القاء فرما دیا ہے اور جو بلاد وامصار میں عام طور پر شائع وذائع ہے۔ جہاں تک حضرت والا کو یاد ہے سب سے پہلے جناب مولوی مرزا محمد بیگ صاحب مرحوم مالک مطبع مجتبائی المطابع دہلی نے یہ لقب حضرت والا کے پتہ میں تحریر فرمایا تھا اسکے بعد خود بخود نہ معلوم کس طرح منجانب اللہ زبان زد خاص وعام ہو گیا جس طرح مشہور ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کیلئے مولانا عبد الحکیم صاحب سیالکوٹی نے سب سے پہلے مجدد الف ثانی کا لقب استعمال فرمایا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے عام طور پر یہی لقب مشہور فرما دیا۔ واللّٰہ یختص برحمتہ من یشاء واللّٰہ ذو الفضل العظیم۔

سجع - جناب مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مفتی دار العلوم دیوبند کا فرمودہ ہے -

از گروہِ اولیاء اشرف علی

یہ سجع مفتی صاحب نے اُسوقت تصنیف فرمایا تھا جب حضرت والا کو بزمانہ طالب علمی ہی استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز سابق مدرس اول دار العلوم دیوبند نے (جو حضرت والا کے اُستاد خاص تھے) فتوٰی نویسی کا کام جناب مفتی صاحب موصوف کے ابتدائی افتاء کے زمانہ میں سپرد فرمایا تھا اور مہر پر کندہ کرانے کیلئے سجع کی ضرورت واقع ہوئی تھی - یہ سجع بھی بفضلہ تعالیٰ ایک فال نیک ثابت ہوا کیونکہ سجع ذومعنیین ہوا کرتا ہے جن میں سے ایک معنی تو مقصود ہوتے ہیں اور دوسرے معنی غیر مقصود مگر اس مقصود میں اشارہ ہوتا ہے غیر مقصود کی طرف چنانچہ حضرت والا کے مذکورۂ بالا سجع کے معنی مقصود تو یہ ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ گروہ اولیاء میں سب سے اشرف ہیں اور معنی مشار الیہ یہ ہیں کہ صاحب سجع یعنی حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم العالی گروہ اولیاء میں سے ہیں

بابِ دوم

"شرف نسب"

حضرت والا کی دادھیال فاروقی اور نانہال علوی ہے اگر کسی کو مزید تاریخی تحقیق کا شوق ہو تو رسالہ ہذا کا باب صایا ملاحظہ فرمایا جائے - والد ماجد کا اسم مبارک "عبد الحق" تھا - آپ قصبۂ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر کے ایک مقتدر رئیس اور صاحب نقد و جائداد تھے - فارسی میں بہت اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے اور بہت اچھے انشاپرداز تھے اور گو باقاعدہ قاری نہ تھے لیکن مخارج بہت صحیح تھے اور گو حافظ نہ تھے لیکن ناظرہ ایسا رواں تھا کہ بعض اوقات حافظوں کو بھی لقمہ دیدیا کرتے تھے - میرٹھ کی ایک بڑی ریاست کے مختار عام تھے اور باجازت رئیس کمسریٹ کے ٹھیکے بھی لے لیا کرتے تھے جن میں خدا تعالیٰ نے اتنی برکت عطا فرمائی کہ ہزاروں روپئے کی آمدنی ہوئی جس سے بہت سی نئی جائداد بھی خرید لی اور خرچ کے مواقع پر بہت فراخ حوصلگی کے ساتھ روپیہ بھی صرف فرماتے رہے -

حضرت والا اپنے والد ماجد کے جو حالات بیان فرمایا کرتے تھیں کہ کس طرح بفراست خداداد بچپن ہی سے حضرت والا کو تعلیم عربی کیلئے اور حضرت والا کے چھوٹے بھائی جناب منشی اکبر علی صاحب مرحوم کو (جو بریلی میونسپلٹی کے سکریٹری کے معزز عہدہ پر بمشاہرہ پانچ سو روپیہ ملازم تھے) تعلیم انگریزی کیلئے منتخب فرمالیا اور کس حسن تدبیر سے ترتیب مفروضی اور کس خوش اسلوبی سے امور دنیوی و کار منصبی کو انجام دیتے رہے وہ سب ممدوح کے کمال عقل و دانش پر دال ہیں

نیز حضرت والا کے جد اعلیٰ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عقل و فراست تو مسلمات عالم میں سے ہے۔

غرض عقل کی دولت تو حضرت والا کو دادھیال سے ملی اور عشق کی دولت نانہال سے پہونچی جو پیرزادوں کا ایک مشہور خاندان ہے جس کے مورث اعلیٰ حضرت شاہ شیخ عبدالرزاق صاحب جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ تھے جنکی ممتاز بزرگی اسی سے ظاہر ہے کہ حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مستند بزرگ نے اپنی کتاب "اخبار الاخیار" میں جسمیں اکابر اولیاء اللہ کے حالات درج ہیں بہت تعریف کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

نیز حضرت والا کی والدہ صاحبہ محترمہ بھی ایک باخدا اور صاحب نسبت بی بی تھیں جیسا کہ حضرت والا نے اپنے خاندان کے معمر بزرگوں سے سنا ہے نیز اُن کی عقل و فراست اور فہم و بصیرت کی تصدیق حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب مجذوب رہ نے بھی فرمائی جسکا ذکر ولادت کے عنوان میں آئیگا۔ اور حضرت والا کی نانہال کے جد اعلیٰ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی (جن پر اکثر سلاسل طریقت منتہی ہوتے ہیں) شان علمی و عشقی مسلم الثبوت ہے غرض حضرت والا کی جامعیتِ عقل و عشق یا بالفاظ دیگر جامعیت شریعت و طریقت جو آج روز روشن کیطرح ظاہر و باہر اور مشہور روزگار ہے اور جس کی بناء پر حضرت والا پر بالکل یہ شعر صادق آتا ہے ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

درجۂ استعداد فطری میں دادھیال اور نانہال ہی سے موروث ہے جسپر بیساختہ یہ شعر ذہن میں آتا ہے۔

زیکسو بوئے گل و زیک طرف پیغام یار آمد من آں دیوانہ ام کز ہر دو سوئے من بہار آمد

اس طرح حضرت والا ماشاء اللہ تعالیٰ اپنے خاندان کے خلف الصدق اور شان فاروقی و شان علوی دونوں کے جامع اور مظہر اتم ہیں۔ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ ذو الفضل العظیم۔

کیوں نہ ہو عادت اللہ ہمیشہ سے یہی جاری ہے کہ جسکو مرجع خلائق بنانا اور منصب ارشاد پر متمکن فرمانا منظور ہوتا ہے اُسکو اعزاز خاندانی اور شرافت نسبی سے بھی ممتاز فرمایا جاتا ہے تاکہ بڑے سے بڑے طبقہ کے لوگ بھی اُسکے اتباع سے عار و استنکاف نہ کریں گو مطلق قبول عند اللہ کیلئے شرافت نسب کی بالکل حاجت نہیں بقولہ تعالیٰ فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساءلون وبقولہ تعالیٰ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم

متمول خاندان میں پیدا ہونے کا بھی یہی اثر ہے یعنی بڑے طبقہ کے لوگوں کو بھی اتباع سے عار نہ ہونا علاوہ بریں خود بھی ایسے شخص پر کسی کی وجاہت ظاہری کا بیجا اثر نہیں ہونے پاتا اور وہ نہایت آزادی کے ساتھ ہر شخص کی اصلاح کر سکتا ہے چنانچہ حضرت والا نہایت استغنا کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ امیر سے اور کسی بڑے سے بڑے رئیس کا بھی محض اُس کی ریاست اور وجاہت ظاہری کی بناء پر مطلق اثر نہیں ہوتا کیونکہ یہ خیال

ہوتا ہے کہ یہی کیا رئیس ہیں ہم بھی خدا کے فضل سے گھر کے کھاتے پیتے ہیں ہم بھی کوئی مفلس زادہ نہیں چنانچہ الحمد للہ میں نے بحمدہٖ نہایت فراغت کے ساتھ زندگی بسر کی ہے اور ہزاروں روپئے اپنے ہاتھوں خرچ کئے ہیں اسلئے اب کوئی حسرت مال و متاع کے متعلق ایسی باقی نہیں رہی جسکی وجہ سے کسی مالدار کی طرف نظر احتیاج ہو کیونکہ جب سب چیزوں سے جی بھر جاتا ہے تو اسکا طبعی خاصہ ہے کہ حرص و طمع باقی نہیں رہتی۔ انتہی کلامہ"

چنانچہ حضرت والا کی مشہور زمانہ اور یکتائے روزگار شانِ استغناء کا یہ بھی ایک سبب ظاہری ہے گو اسکا اصل منشاء شدت تعلق مع اللہ ہے ورنہ محض مال و متاع والے تو بہت سے حرص و طمع میں گرفتار دیکھے جاتے ہیں۔

غرض چونکہ حق تعالی کو یہ منظور تھا کہ حضرت والا کو اصلاح و ارشاد کا منصب عالی عطا فرمائیں اسلئے ایک طرف تو عقل وافر اور عشق کامل اور دوسری جانب شرافت نسبی اور جاہ و ثروت خاندانی دونوں قسم کی دولتوں اور امتیازات سے مشرف فرمایا ع یار ما ایں دارد و آں نیز ہم۔

ننہال کی شان عشقی کے ضمن میں حضرت والا کے ناناصاحب پیرجی نجابت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ذکر اس جگہ بے موقع نہ ہوگا۔ آپ اعلیٰ فارسی دانی و شاعری و انشاء پردازی و لطیفہ گوئی و حاضر جوابی و بذلہ سنجی کی صفات سے موصوف تھے اور ریاست کنجپورہ میں بعہدۂ وکیل ریاست ممتاز تھے۔ آپ صاحب الاحوال والمواجید مولانا شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی کے ایک خلیفۂ خاص سے بیعت تھے۔ اور حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ سے جو اپنے زمانہ میں افضل المجاذیب تھے بہت عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ اور باہم بہت گہرے اور خصوصی تعلقات تھے۔ حضرت حافظ صاحبؒ کی آپ پر باوجود مجذوب ہونے کے خاص نظر تربیت تھی چنانچہ ابتدائے سلوک میں جب پیرجی صاحب پر آثار ذکر و شغل کا غلبہ ہوا تو تعلقات اہل و عیال و اکتساب معاش سے لاپروائی برتنے لگے۔ نانی صاحبہ کی شکایت پر مجذوب صاحب ممدوح نے اُس کیفیت کو اپنی توجہ سے بضرورت سلب فرمالیا جس سے پیرجی صاحب کو اُسوقت اسدرجہ قلق ہوا کہ باوجود انتہائی عقیدت کے اُنکی شان میں سخت سخت الفاظ مثلاً قزاق ڈاکو وغیرہ استعمال کرنے لگے لیکن حافظ صاحب نے کچھ پرواہ نہ کی اور اپنا کام کرکے چلدیئے۔ پیرجی صاحب کو بھی بعد کو سکون ہوگیا اور کسب معاش میں مشغول ہوگئے۔

جب پیرجی صاحب کے انتقال کا وقت آیا تو حافظ صاحب دفعۃً پھر آموجود ہوئے اور سیدھے بستر مرگ کے پاس پہونچکر فرمایا نجابت علی میری طرف دیکھو اُنکا نظر اُٹھا کر دیکھنا تھا کہ پھر وہی کیفیت مسلوبہ عود کر آئی اور پیرجی صاحب نہایت ہشاش بشاش دنیا سے رخصت ہوئے۔

حضرت کے حقیقی ماموں پیرجی امداد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی بڑے زبردست صاحبِ حال و قال بزرگ تھے اُنکا سوز و گداز عشق حقیقی انتہا کو پہنچا ہوا تھا جس سے مغلوب ہو کر بعض ایسے امور کا صدور

ہو جاتا تھا جو عوام کے مصالح کے مناسب نہ تھے خود حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اُن کے کلمات سے ایک آگ سی نکلتی ہوئی محسوس ہوتی تھی اور حضرت حافظ شیرازی رح کا یہ شعر اُنپر صادق آتا تھا ؎

غلامِ آں کلماتم کہ آتش افروزد ۔ نہ آبِ سرو زند در سخن بر آتش تیز

اسکی تصدیق اُن کی اُس مناجات منظوم سے بخوبی ہوتی ہے جو حضرت والا نے اپنے رسالہ" امواج طلب" میں ملخصاً نقل فرمائی ہے۔

انپر بھی حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب مجذوب کی نظر توجہ ہوئی تھی۔ شروع میں بالکل وارستہ مزاج تھے۔ تلاش معاش سے تنگ آکر بربناء آزاد مزاجی ایک دن مجذوب صاحب سے عرض کیا کہ یا تو مجھے دنیا ہی کا بنا دیجئے یا دین ہی کا یہ بین بین حالت میں نہیں چاہتا مجذوب صاحب نے جوش میں آکر فرمایا جا جا حیدرآباد جا تجھے نواب بلا رہا ہے۔ یہ سنکر پیر جی صاحب کو بڑا قلق ہوا کہ ارے معلوم ہوتا ہے مجھے دنیا ہی ملی "لاحول ولاقوۃ" یہ میں نے کیا حماقت کی مجھے دنیا کا نام ہی نہ لینا چاہئے تھا بس دین ہی طلب کرتا۔ مگر خیر اب تو جو ہونا تھا ہو چکا میری قسمت۔

وہ اس قول کے یہ معنی سمجھے کہ نواب صاحب حیدرآباد کے علاقہ میں روزگار ملے گا چنانچہ وہاں تلاش ملازمت میں پہونچے اور کچھ دن بعد نوکری بھی مل گئی مگر چونکہ فطری طور پر عشق حقیقی کا سودا سر میں سمایا ہوا تھا اور ابتدا ہی سے قلب میں سوز و گداز تھا اس لئے بحالت ملازمت برابر تلاش شیخ میں رہے چنانچہ جتنے درویش حیدرآباد میں تھے سب سے ملے مگر اُن میں سے اکثر تو اس لئے ناپسند آئے کہ وہ حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کو برا سمجھتے تھے اور پیر جی صاحب مولانا کے بیحد معتقد تھے بس اس ادا کے عاشق تھے کہ دیکھئے اپنی جان اور آبرو سب خدا کی راہ میں فدا کر دی۔ اور بعض میں ترک دنیا کی شان نہ پائی جو پیر جی صاحب کا خاص مذاق تھا۔ بالآخر میرزا سردار بیگ صاحب کی خدمت میں پہونچے جو پہلے بڑے امراء میں سے تھے اور نواب مشہور تھے پھر ترک ریاست کر کے درویشی اختیار کر لی تھی۔ بڑے مجاہد اور بڑے تارک تھے انکی جانب قلب کو بہت کشش ہوئی مگر احتیاطاً حضرت حافظ صاحب مجذوب کے صاحبزادے پیر احمد صاحب کو خط لکھا کہ یہاں چند درویش ہیں حافظ صاحب سے پوچھکر مجھے اطلاع دیجئے کہ اُن میں سے میں کس کی طرف رجوع کروں؟

حافظ صاحب سے جب پوچھا گیا تو زبانی کوئی جواب نہ دیا لیکن یہ کیا کہ اپنا کمبل جس کو اوڑھے ہوئے تھے اُتار کر جلا دیا اور الگ خاموش جا بیٹھے۔ جب پیر جی صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اس کے بعد جب میرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے از خود

بسلسلہ گفتگو فرمایا کہ جس طرح تعلیم قالی ہوتی ہے حالی بھی ہوتی ہے۔ اور طوطی کا قصہ جو مثنوی شریف میں مذکور ہے بیان فرمایا کہ اس نے اپنے آپ کو مثل مردہ بنالیا جس میں دوسری طوطی کو اشارہ تھا کہ اگر وہ بھی اسی طرح اپنے آپ کو مردہ بنالے تو رہا ہو جائے۔

مرزا صاحب سے اس قصہ کو سننا تھا کہ فوراً پیر جی صاحب کا ذہن مجذوب صاحب کے کمبل جلادینے کی طرف منتقل ہو گیا اور اس کا یہ مطلب سمجھ میں آیا کہ یہ میرے لئے عملی تعلیم اس امر کی تھی کہ کسی ایسے بزرگ سے بیعت کرو جو سب تعلقات کو سوختہ کر چکا ہو اور اس شان کے بزرگ وہاں میرزا صاحب ہی تھے۔ بس یہ مطلب ذہن میں آتے ہی میرزا صاحب کے عشق کی آگ پیر جی صاحب کے دل میں بھڑک اُٹھی اور بعد اصرار و انکار بسیار میرزا صاحب کے سلسلہ میں داخل ہو گئے۔

گو یہ مضمون طویل ہوتا چلا جارہا ہے لیکن احقر کی رائے ناقص میں "شرف نسب" کے عنوان کے تحت میں اگر خاندان کے بعض خاص خاص بزرگوں کے مہتم بالشان حالات و واقعات بھی نہ نقل کئے جائیں تو شرف نسب کے متعلق کافی بصیرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ حضرت والا کے پردادا محمد فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک خاص واقعہ اور حضرت والا کے جد اعلیٰ حضرت سلطان شہاب الدین علی معروف بہ فرخ شاہ کابلی کا مختصر حال لکھنا بھی مناسب سمجھتا ہوں۔

پردادا صاحب تو کیرانہ اور شاملی کے درمیان جہاں پختہ سڑک ہے شہید ہوئے اور وہیں پر پیر سمار الدین صاحب کے مزار کے پاس دفن کئے گئے۔ اور شروع میں بہت عرصہ تک انکا عرس بھی ہوتا رہا۔ کسی بارات میں تشریف لیجارہے تھے کہ ڈاکوؤں نے آکر بارات پر حملہ کیا ان کے پاس کمان تھی اور تیر تھے۔ انھوں نے اُن ڈاکوؤں پر دلیرانہ تیر برسانا شروع کئے۔ چونکہ ڈاکوؤں کی تعداد کثیر تھی اور ادھر سے بے سروسامانی تھی یہ مقابلہ میں شہید ہو گئے اور اس حدیث شریف کے مصداق ہو گئے من قتل دون مالہ فھو شہید و من قتل دون دمہ فھو شہید و من قُتِلَ دُونَ اھلہ فھو شہیدٌ و مَن قُتِلَ دون مظلمتہ فھو شہید (کلھا فی جمع الفوائد)

شہادت کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔ شب کے وقت اپنے گھر مثل زندہ کے تشریف لائے اور اپنے گھر والوں کو مٹھائی لاکر دی اور فرمایا کہ اگر تم کسی سے ظاہر نہ کروگی تو اسی طرح روز آیا کریں گے لیکن ان کے گھر کے لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ گھر والے جب بچوں کو مٹھائی کھاتے دیکھیں گے تو معلوم نہیں کیا شبہہ کریں اس لئے ظاہر کر دیا اور پھر آپ تشریف نہیں لائے۔ یہ واقعہ خاندان میں مشہور ہے ۱۲

حضرت والا کے جد اعلیٰ فرخ شاہ کابلی کا حال تتمات تنبیہاتِ وصیت سے مع حوالہ نقل کیا جاتا ہے۔

نمبر ۱ منقول از ضمیمۂ تتمۂ سادسہ تنبیہات وصیت بابت منتصف اخیر ۱۳۳۶ھ مطبوعہ الامداد ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ

مضمون ثالث (ط) شیوخ تھانہ بھون حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحہ و حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری رحہ و حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحہ یہ سب سلطان شہاب الدین الملقب بہ فرخ شاہ کابلی کی اولاد سے ہیں جن کی نسبت زبدۃ المقامات میں ہے۔

"مردے از اجلۂ امراء و اعاظم وزراء سلاطین کابل بودہ نخستیں نزیل ہندوستان اوست کہ از غزنین و کابل بدیار ہند آمد گویند وے باوصاف خجستہ موصوف بود۔ و بترویج اسلام و توہین عبدۂ اصنام معروف

نمبر ۲ - (منقول از تتمۂ سابعہ تنبیہات وصیت بابت منتصف ۱۳۳۷ھ مندرجۂ رسالہ النور بابت غالباً ماہ جمادی الاخریٰ یا رجب ۱۳۳۷ھ ہجری کا ہے)

مضمون ثالث بحوالۂ رسالہ السلسلۃ الذہبیہ

یہ سلطان شہاب الدین علی منجملہ اولیاء کاملین سے ہیں ان کا لقب فرخ شاہ ہے جو سلوک صوفیہ سے پہلے والی کابل رہے ہیں اور سلطنت غزنویہ کے زوال کے بعد آپ ہی کابل سے خروج کر کے کئی بار فوج کثیر کے ساتھ واسطے ترویج اسلام و جہاد کفار اور توہین اصنام کے ہندوستان میں تشریف لائے اور پھر بامراد بہت سامال غنیمت لیکر مراجعت فرما ہوئے - آخر الامر عنایت الٰہی سے ان کی توجہ سلوک طریقۂ عالیہ چشتیہ کی طرف مصروف ہوئی اور اس طریقۂ عالیہ کے بزرگوں سے مستفید ہو کر کمال کے درجہ کو پہونچے - ایک عالم آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوا۔

ترک سلطنت اور قبول فقر کے بعد کوہستان کابل میں آپ نے سکونت اختیار کی اور مدۃ العمر وہیں رہ کر فیض رسانی خلق میں مشغول ہوئے اور وصال کے بعد وہیں دفن ہوئے - آج تک وہ موضع درۂ فرخ شاہ مشہور ہے اور قبر مبارک زیارت گاہِ خاص و عام ہے ۔ انتہیٰ

حضرت والا کے ددھیالی اور ننہالی اجداد قریبہ و بعیدہ کے حالات و واقعات مذکورہ باب ہذا سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرت والا کیا بلحاظ ظاہر اور کیا بلحاظ باطن شاہی خاندان سے نسبت رکھتے ہیں جو درویشی و بادشاہی کا جامع رہا ہے - چنانچہ بمصداق الولد سر لابیہ حضرت والا کے اندر بفضلہ تعالیٰ دونوں شانیں ایک طرف تو بصورت شان فقر و عبدیت و فنا و تواضع اور دوسری طرف

بصورت شان جلال و سیاست وتدبّر واستغنا بدرجۂ کمال نمایاں ہیں بمصداق اشعار حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ

اے درُرخ تو پیدا انوار پادشاہی — در فکرت تو پنہاں صد حکمتِ الٰہی

کلکِ تو بارک اللہ در ملک و دیں کشادہ — صد چشمہ آبِ حیواں از قطرۂ سیاہی

اور حضرت والا کی اس جامعیّت کو دیکھکر بے ساختہ یہ شعر یاد آتا ہے ؎

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں — کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

غرض حضرت والا بفضلہ تعالےٰ علاوہ کمالات ذاتی کے شریف النسب اور عالی خاندان بھی ہیں - فالحمد للہ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء -

انتباہ ضروری - احقر نے جو اس عنوان کے ذیل میں یہ عرض کیا ہے کہ حضرت والا کو دادھیال سے دولت عقل اور ننھیال سے دولت عشق میراث میں ملی ہے اس سے مراد استعداد فطری بالقوۃ ہے جو محض درجۂ استعداد میں کوئی چیز نہیں جب تک کہ درجۂ فعلیت میں نہ آئے اور وہ درجۂ فعلیت میں آتی ہے روحانی مربّی کے فیض سے جس سے جمیع اقسام کی استعدادات صالحہ کا ظہور او رتقدیہ ہوتا ہے - لیکن چونکہ استعداد فطری بھی ایک ایسی نعمت عظمیٰ اور موہبت خداوندی ہے جو آئندہ حاصل ہونے والے جمیع کمالات و فضائل کے لئے بمنزلۂ اساس وبنیاد کے ہے اور جس کے بغیر روحانی مربّی کی تعلیم وتربیت بھی چنداں مؤثر نہیں ہوتی بمصداق ؎

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست — در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

اس لئے اس استعداد فطری کا بھی ذکر بضمن شرافت نسب ضروری تھا -

باب سوم

"وطن مالوف"

حضرت والا کا وطن مالوف قصبہ تھانہ بھون ہے جو ضلع مظفر نگر میں واقع ہے اس کا اصل نام "تھانہ بھیم" تھا کیونکہ وہ کسی زمانہ میں راجہ بھیم کا تھانہ تھا - کثرت استعمال سے تھانہ بھون ہوگیا جب یہاں مسلمان آکر آباد ہوئے تو شرفائے قصبہ کے بعض اجداد نے اپنے ایک فرزند "فتح محمد" کے نام پر اس کا نام محمد پور رکھا جو کاغذات شاہی میں بھی پایا جاتا ہے لیکن عام طور پر پرانا نام یعنی تھانہ بھون ہی مشہور رہا

غدر سے بہت پہلے اس قصبہ کی آبادی اڑتالیس ہزار کی تھی پھر غدر کے قریب چھتیس ہزار کی رہ گئی اور اب تو صرف چھ سات ہزار ہی کی ہے۔ محرم ۱۲۷۴ھ میں یہاں غدر کا اثر پہونچا تھا جس کا حضرت والا نے مادہ تاریخ خوب نکالا یعنی خرابی تھانہ۔

یہ قصبہ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کا ایک مشہور و معروف مردم خیز تاریخی قصبہ ہے جہاں ہمیشہ مسلمان شرفاء بالخصوص شیوخ فاروقی النسل صاحب اقتدار اور صاحب قوۃ و شوکت اور صاحب جائداد رہے ہیں اور گو اب افلاس غالب ہے لیکن ذی اقتدار ہستیاں بفضلہ تعالےٰ اب بھی موجود ہیں۔ نیز یہاں مختلف فنون کے اہل کمال بھی گذرے ہیں جن کے کارناموں کے افسانے کتابوں میں اور زبانوں پر اب تک ہیں۔

زمانہ شاہی میں بڑے بڑے منصب دار اور جاگیر دار بھی تھے۔ یہاں کے عقلاء خاص طور سے مشہور رہے ہیں چنانچہ ایک انگریز نے جو افسر بندوبست تھا اپنی رپورٹ میں مختلف قصبات کے باشندگان کے متعلق اظہار رائے کرتے ہوئے تھانہ بھون کے باشندوں کو "عاقلان تھانہ" کا لقب دیا تھا مجھے جہاں تک علم ہے جیسے اس گرد و نواح میں مسلمان شرفا کے بڑے بڑے قصبے ہیں۔ مثلاً دیوبند گنگوہ کیرانہ جھنجھانہ کاندھلہ پانی پت وغیرہ ویسے ہندوستان میں اور کہیں نہیں پائے جاتے۔ اور جتنی دینداری اور جتنا علم دین کا چرچا ان اطراف میں ہے اتنا اور کہیں نہیں دیکھا گیا۔ اور جس کثرت سے بڑے بڑے علماء و فضلاء و مشائخ اس حصۂ ملک میں گذرے ہیں اور موجود ہیں اُتنے اور کہیں نہیں چنانچہ قنوج کے شیخ معشوق علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ایک دیندار بزرگ اور نہایت عاقل و مردم شناس رئیس تھے اُنھوں نے حضرت والا سے ایک بار فرمایا تھا کہ ان اطراف کے لوگ ہماری طرف کے لوگوں سے ہر بات میں بڑھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ یہاں کا عالم وہاں کے عالم سے اچھا یہاں کا جاہل وہاں کے جاہل سے اچھا حتیٰ کہ یہاں کا کافر وہاں کے کافر سے اچھا اھ گویا کہ حضرت حافظ رح کا یہ شعر صادق آتا ہے

بازار چہ گاہ گاہے بر سر نہد کلاہے   مرغان قاف دانند آئین پادشاہی

حضرت والا کی دادھیال اور نانہال دونوں تھانہ بھون ہی کی ہیں۔ نانہال کے اجداد پہلے جھنجھانہ رہتے تھے پھر حضرت والا کے نانا صاحب کے والد ماجد نے تھانہ بھون میں آکر سکونت اختیار کر لی۔ دادھیال کے اجداد میں سے مولانا صدر جہاں معاصر قاضی محمد نصر اللہ خاں کا ذکر عہد اکبر شاہ اعظم میں کاغذات سے ثابت ہے۔ ان کے اجداد قریہ تھانیسر ضلع کرنال سے نقل سکونت کر کے تشریف

لائے اور تھانہ بھون میں غزنین و کابل سے منتقل ہو کر آئے اور انکا سلسلہ فرخ شاہ کابلی تک پہونچتا ہے۔ جن کا حال باب سابق میں گذر چکا ہے۔

باب چہارم

"ولادت باسعادت"

حضرت والا کی ولادت باسعادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کو چہار شنبہ کے دن بوقت صبح صادق واقع ہوئی حسن اتفاق سے امسال دوران تحریر سوانح ہذا میں بھی ۵ ربیع الثانی چہار شنبہ ہی کے دن واقع ہوئی ہے اور تاریخ مذکور میں سن شریف کے ۶۳ سال بحمد اللہ پورے ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت صاحب سوانح کو غیر معمولی طویل عمر با نہمہ فیوض و برکات ظاہری و باطنی بصحت و عافیت دائمی عطا فرمائے اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ پر سایۂ عاطفت کو تادیر سلامت باکرامت رکھے آمین ثم آمین۔

کسی نے مادۂ تاریخ "کرم عظیم" ۱۲۸۰ خوب نکالا ہے جو بالکل مطابق واقع کے ہے کیونکہ حضرت حکیم الامت کی ذات بابرکات کا امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے لئے اللہ تعالیٰ کا کرم عظیم ہونا اظہر من الشمس ہے۔ حضرت والا کی ولادت باسعادت ننہال کے اس مکان میں ہوئی جو محلہ خیل میں ہے اور جو اب پیرجی شوکت علی صاحب مرحوم کی اولاد کے حصہ میں ہے۔ حضرت والا کی ولادت باسعادت کا واقعہ نہایت عجیب و غریب ہے جو خاندان میں اسی وقت سے مشہور چلا آرہا ہے اور جس کو خود حضرت والا نے اپنے بزرگوں اور حاضرین واقعہ سے سن کر قلمبند بھی فرمالیا ہے (ملاحظہ ہو مقدمۂ حسام عبرت) وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت والا کے والد ماجد کو مرض خارشت ہو گیا تھا اور اس قدر شدید تھا کہ کسی دوا سے فائدہ نہ ہوتا تھا۔ کسی ڈاکٹر نے کہا کہ اس مرض کی ایک دوا اکسیر ہے مگر وہ قاطع النسل ہے چونکہ والد صاحب مرض سے بہت تنگ آگئے تھے اس لئے انھوں نے اس دوا کا استعمال یہ کہکر کرلیا کہ بلا سے اولاد نہ ہو بقاء نوعی سے بقاء شخصی مقدم ہے۔ والدہ صاحبہ کو جب یہ معلوم ہوا تو بہت پریشان ہوئیں کیونکہ اس وقت تک کوئی نرینہ اولاد زندہ نہیں رہتی تھی شدہ شدہ یہ خبر نانی صاحبہ کو بھی پہونچگئی ان کو بھی بڑی پریشانی ہوئی انھوں نے حضرت حافظ غلام مرتضیٰ

صاحب مجذوب پانی پتی رح سے (یہ اتفاق سے ناناصاحب کے تعلقات سابقہ کی وجہ سے تشریف لائے ہوئے تھے) شکایت کی کہ حضرت میری اس لڑکی کے لڑکے زندہ نہیں رہتے۔ حافظ صاحب نے بطریق معما فرمایا کہ عمر وعلی کی کشاکشی میں مرجاتے ہیں اب کی بار علی کے سپرد کردینا زندہ رہے گا۔ اس مجذوبانہ معما کو کوئی نہ سمجھا لیکن والدہ صاحبہ نے اپنی فہم خداداد اور نور فراست سے اس کو حل کیا اور فرمایا کہ حافظ صاحب کا یہ مطلب ہے کہ لڑکوں کے باپ فاروقی ہیں اور ماں علوی اور اب تک جو نام رکھے گئے وہ باپ کے نام پر رکھے گئے یعنی فضل حق وغیرہ ابکی بار جو لڑکا ہو اُس کا نام ننہال کے ناموں کے مطابق رکھا جائے۔ جس کے آخر میں علی ہو۔ حافظ صاحب رح یہ سن کر ہنسے اور فرمایا کہ واقعی میرا یہی مطلب ہے یہ لڑکی بڑی عقلمند معلوم ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اسکے دو لڑکے ہونگے اور زندہ رہیں گے ایک کا نام اشرف علی خاں رکھنا دوسرے کا اکبر علی خاں۔ نام لیتے وقت خاں اپنی طرف سے جوش میں آکر بڑھا دیا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا وہ پٹھان ہوں گے؟ فرمایا نہیں اشرف علی اور اکبر علی نام رکھنا۔ یہ بھی فرمایا کہ دونوں صاحب نصیب ہوں گے۔ یہ بھی فرمایا کہ ایک میرا ہوگا وہ مولوی ہوگا اور حافظ ہوگا اور دوسرا دنیا دار ہوگا۔ چنانچہ یہ سب پیشینگوئیاں حرف بحرف راست نکلیں۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ یہ جو میں کبھی اکھڑی اکھڑی باتیں کرنے لگتا ہوں اُن ہی مجذوب صاحب کی روحانی توجہ کا اثر ہے جن کی دعا سے میں پیدا ہوا ہوں کیونکہ طبیعت مجذوبوں کی طرح آزاد ہے اُلجھی ہوئی باتوں کی متحمل نہیں۔ حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب مجذوب رح کی اس روحانی توجہ کے متعلق حضرت والا کے زمانۂ طالبعلمی کا ایک خواب بھی اصدق الرویا ہے خود حضرت والا ہی کا ارقام فرمایا ہوا نقل کردینے کو جی چاہتا ہے وھو ہذا

"میں نے زمانۂ تحصیل مدرسۂ عالیہ دیوبند میں ایک بزرگ کو دیکھا مجھ سے پوچھتے ہیں تمھاری کیا عمر ہے اور تم کو سال کب شروع ہوگا میں نے عمر بتلائی اور کہا کہ ۵ ربیع الثانی کو نیا سال شروع ہوگا۔ وہ بزرگ فرمانے لگے کہ سال شروع ہونے سے پہلے دو روزے رکھ لینا برکت ہوگی میں نے اُسپر عمل کیا اور کئی سال تک وہ عمل کرتا رہا پھر کچھ کسل ہوگیا۔ ایک بار اس زمانہ میں بھی وہ عمل کیا تھا مگر غالباً ایک روزہ رکھا تھا۔ میں نے اس خواب کو اپنے عزیزوں میں سے ایک بزرگ سے بیان کیا اُنھوں نے مجھ سے حلیہ پوچھا میں نے بیان کیا سنکر فرمایا کہ یہ حافظ غلام مرتضیٰ صاحب قدس سرہٗ تھے۔ یہ ایک مجذوب مگر پاکیزہ بزرگ تھے جن کی مدح شیوخ طریقت بلکہ خود حضرت مرشدی حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ نے بھی فرمائی ہے الخ۔ انتہیٰ

حضرت والا کے عجیب وغریب واقعۂ ولادت مذکورہ باب ہذا سے حضرت والا کا مصداق ارشاد خداوندی واصطنعتک لنفسی کا نمونہ ہونا ظاہر وباہر ہے اور حضرت والا کے جو دیگر سوانح حیات ہیں وہ سب گویا اسی کی تفصیلات وتصدیقات ہیں۔

باب پنجم

"طفولیت"

چونکہ حضرت والا کے چھوٹے بھائی صاحب حضرت والا کے تولد کے تقریباً چودہ ماہ بعد ہی پیدا ہوگئے تھے اور دودھ دو بچوں کے لئے کافی نہ ہوتا تھا اس لئے حضرت والا کے لئے ایک انا یعنی دودھ پلائی مقرر کی گئی تھیں۔ وہ ضلع میرٹھ کے کسی دیہات کی تھیں۔ اور قوم کی قصابنی تھیں۔ چنانچہ حضرت والا مزاح میں اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے قصابنی کا دودھ پیا ہے اس لئے بھی میرے مزاج میں حدت ہے مگر الحمدللہ شدت نہیں میرا دل اسقدر نرم ہے کہ مجھ سے کسی کی ذرا سی بھی تکلیف نہیں دیکھی جاتی اگر کسی کو ادنیٰ تکلیف میں بھی دیکھ لیتا ہوں تو بس دل پگھل جاتا ہے اور پانی پانی ہو جاتا ہے۔ حضرت والا نے بہت چاہا کہ اپنی مرضعہ کی اولاد وغیرہ کا پتہ چلائیں تاکہ اُنکے ساتھ سلوک کیا جائے لیکن کچھ پتہ نہ چل سکا۔ اس خیال کا منشاء طبعی تعلق اور اتباعِ سنت دونوں ہیں۔ حضرت والا کی عمر ابھی غالباً پانچ سال ہی کی تھی کہ والدہ مشفقہ کا سایۂ عاطفت سر سے اُٹھ گیا۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے اپنی والدہ صاحبہ کی صورت شکل تو پورے طور سے یاد ہی نہیں لیکن جب خیال کرتا ہوں تو اتنا یاد آتا ہے کہ ایک چارپائی پر پائینتی کی طرف بیٹھی ہیں بس یہ ہیئت ذہن میں باقی رہ گئی ہے اور کچھ یاد نہیں رہا کیونکہ میں بہت ہی چھوٹا تھا چار پانچ برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ والدہ صاحبہ کے انتقال کے بعد والد صاحب نے بڑی محبت اور شفقت سے ہم دونوں بھائیوں کو اپنے ہاتھوں پرورش کیا۔ ناشتہ میں روغنی روٹی کو خوب گھی سے چُرچُر کر اور لقمے بنا بنا کر اپنے ہاتھ سے کھلایا کرتے تھے۔ ایسی محبت سے پالا کہ والدہ صاحبہ کے رنج کو بھی بھلا دیا۔ والدہ سے بھی زیادہ محبت فرماتے تھے گو والد صاحب میں تیزی بہت تھی مگر ہم دونوں بھائیوں پر بہت کم خفا ہوتے تھے اور ہمیشہ ہم لوگوں کو بڑے ناز ونعم میں رکھا۔ بالخصوص میرے ساتھ تو بہت ہی نرمی کا برتاؤ فرماتے

تھے۔ حتیٰ کہ تائی صاحبہ نے اُن سے کہا بھی کہ یہ کیا بات ہے کہ تم شوخی پر چھوٹے ہی کو مارتے ہو۔ بڑے کو بہت کم مارتے دیکھا ہے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ بھابی صاحبہ اول تو یہ چھوٹا ہی بڑے کو شرارت سکھاتا ہے دوسرے بڑا اپنا سبق یاد کر لیتا ہے اس لئے مجھے اس سے زیادہ محبت ہے اور چھوٹا نہیں یاد کرتا۔ غرض میں بہت کم پٹتا تھا اور اُستادوں کے ہاتھ سے بھی میں بہت کم پٹا ہوں قریب بالکل ہی نہ پٹنے کے کیونکہ سبق یاد کر لیتا تھا اور ادب کے ساتھ رہتا تھا۔ جب کبھی ہم والد صاحب کی خفگی وغیرہ پر روٹھ جاتے تو کھانا نہ کھاتے والد صاحب سبب پوچھتے تو کہہ دیتے کہ بھوک نہیں ہے فوراً صندوقچہ منگوا کر ایک ایک روپیہ نکال کر دیتے اور فرماتے کہ لو اب بھوک لگ آوے گی چنانچہ ہم خوش ہو جاتے اور کھانے بیٹھ جاتے۔ تراویح میں ختم قرآن کی جو مٹھائی مسجدوں میں تقسیم ہوتی اُس میں کبھی شریک نہ ہونے دیتے بلکہ اُس روز خود بازار سے مٹھائی منگوا کر اُس سے زیادہ کھلا دیتے اور کہتے کہ مسجدوں میں مٹھائی لینے کے لئے جانا بے غیرتی کی بات ہے۔ اس خوبی کے ساتھ ہم لوگوں کو حرص سے بچاتے اور غیرت سکھاتے۔ ایک بار زمانہ طالب علمی میں میری زبان سے حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند کے متعلق کسی سلسلۂ گفتگو میں یہ نکل گیا کہ مولانا پڑھے ہوئے نہیں۔ واقعی مولانا نے ظاہری علم نہیں پڑھا تھا گو بڑے مدبر اور صاحب نسبت بزرگ تھے یہ سنکر والد صاحب کو غصہ آگیا اور بہت ڈانٹا کہ بزرگوں کی شان میں کہیں ایسے الفاظ کہا کرتے ہیں بقدر خفا ہوئے کہ مارنے کو اُٹھے گو مارا نہیں غرض ہم لوگوں کے اخلاق کی بہت ہی نگہداشت رکھتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی محبت اور شفقت بھی بیحد فرماتے تھے۔ اھ۔ حضرت والا کی ذہانت بچپن کی شوخیوں میں بھی نمایاں تھی نئی نئی جدتیں سوجھتی تھیں۔

خود فرماتے تھے کہ ایک دفعہ مجھے کیا شرارت سوجھی کہ برسات کا زمانہ تھا مگر ایسا کہ کبھی برس گیا کبھی کھل گیا مگر چارپائیاں باہر بچھتی تھیں جب برسنے لگا چارپائیاں اندر کر لیں جب کھل گیا باہر بچھا لیں والدہ صاحبہ کا تو انتقال ہو چکا تھا بس والد صاحب اور ہم دونوں بھائی ہی مکان میں رہتے تھے تینوں کی چارپائیاں ملی ہوئی بچھتی تھیں۔ ایک دن میں نے چپکے سے تینوں چارپائیوں کے پائے رسی سے آپس میں خوب کس کے باندھ دیئے اب رات کو جو مینھ برسنا شروع ہوا تو والد صاحب جدھر سے بھی گھسیٹتے ہیں تینوں کی تینوں چارپائیاں ایک ساتھ گھسٹتی چلی آتی ہیں۔ رسیاں کھولتے ہیں تو کھلتی نہیں کیونکہ خوب کس کے باندھی گئی تھیں کاٹنا چاہا تو چاقو نہیں ملتا غرض بڑی پریشانی ہوئی اور بڑی مشکل سے پائے کھل سکے اور چارپائیاں اندر لیجائی جا سکیں اس میں اتنی دیر لگی کہ خوب بھیگ گئے۔ والد صاحب

بڑے خفا ہوئے کہ یہ کیا نامعقول حرکت تھی اھ ۔ یہ تو بالکل ہی بچپن کا واقعہ ہے ۔ اور ایک واقعہ حفظ کلام مجید کے بعد کا یاد آیا ۔ ایک نابینا حافظ تھے جنکو کلام مجید بہت پختہ یاد تھا اور اس کا اُن کو ناز بھی تھا اُن کو حضرت والا قبل بلوغ نوافل میں کلام مجید سنایا کرتے تھے ۔ ایک بار رمضان شریف میں دن کو اُن سے کلام مجید کا دور کر رہے تھے ۔ حضرت والا نے دور کے وقت اُن کو متنبہ کر دیا کہ حافظ جی میں آج تم کو دھوکا دونگا اور یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ فلاں آیت میں دھوکا دونگا حافظ جی نے کہا کہ میاں جاؤ بھی تم مجھے کیا دھوکا دے سکتے ہو بڑے بڑے حافظ تو مجھے دھوکا دے ہی نہ سکے ۔ حضرت والا جب سنانے کھڑے ہوئے اور اس آیت پر پہونچے انما انت منذرٌ ولکل قومٍ ھاد تو بہت ترتیل کے ساتھ پڑھا جیسا کہ رکوع کرنے کے قریب حضرت والا کا معمول ہے اُس کے بعد اُس سے آگے جب اللہ یعلم آخر پڑھنے لگے تو لفظ اللہ کو اس طرح بڑھا کر پڑھا کہ جیسے رکوع میں جا رہے ہوں اور تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنے والے ہوں بس حافظ جی یہ سمجھکر کہ رکوع میں جا رہے ہیں فوراً رکوع میں چلے گئے ادھر حضرت والا نے آگے قرات شروع کر دی یعلم ما تحمل الخ اب اُدھر حافظ جی تو رکوع میں پہونچے اور ادھر قرات شروع ہوگئی فوراً ہی حافظ جی سیدھے ہو کر کھڑے ہوئے اسپر حضرت والا کو بے اختیار ہنسی آگئی اور قہقہہ مار کر ہنس پڑے اور ہنسی سے اسقدر مغلوب ہوئے کہ نماز توڑ کر الگ ہو گئے حضرت والا کے والد ماجد بھی علٰحدہ پلنگ پر بیٹھے قرآن شریف سن رہے تھے اُنھوں نے سبب پوچھا ۔ جب حضرت والا نے واقعہ بیان کیا تو باوجود متانت انھیں بھی ہنسی آگئی ۔ حضرت والا کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ نماز میں قہقہہ سے نابالغ کا وضو نہیں ٹوٹتا صرف نماز فاسد ہوتی ہے ۔ لہذا پھر نماز کی نیت باندھنے لگے تو والد ماجد نے روکا کہ ابھی نہیں پہلے خوب ہنس لو ورنہ پھر ہنسی آئیگی اور نماز فاسد ہوگی ۔ بڑے ہی دانشمند تھے ۔ جب حضرت والا خوب ہنس لئے تب مکرر نماز کی نیت باندھی اور جتنا اُس روز قرآن سنانا تھا اُس کو پورا کیا ۔

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اللہ تعالٰے کے فضل سے بچپن ہی سے میں جہاں کہیں رہا اعزہ اقربا اپنے بیگانے سب کا محبوب ہی رہا حالانکہ میں بچپن میں بہت شوخیاں کیا کرتا تھا مگر آج کل کے لڑکوں کی سی گندی شرارتیں نہ ہوتی تھیں اس لئے سب کو بجائے ناگوار ہونے کے بھلی معلوم ہوتی تھیں ۔ دیوالی کے زمانہ میں میرٹھ چھاؤنی کے بازار میں سڑک پر دو رویہ چراغ جلائے جاتے تھے دونوں طرف ہم دونوں بھائی چلنا شروع کرتے اور رومال کو حرکت دے کر سب کو ایک طرف سے بجھاتے چلے جاتے مگر کوئی بُرا نہ مانتا ۔ ہندوؤں کو بھی ناگوار نہ ہوتا ۔ حضرت والا کو نماز کا

بچپن ہی سے اسقدر شوق تھا کہ بعض کھیلوں میں بھی نماز ہی کی نقل اُتارتے مثلاً سب ساتھیوں کے جوتے جمع کئے اور اُن کی صفیں بنائیں اور ایک جوتا صفوں کے آگے رکھ دیا اور خوش ہوئے کہ جوتے بھی نماز پڑھ رہے ہیں۔ وعظ کا بھی بچپن ہی سے شوق تھا۔ اور اس کی بھی نقل اُتارا کرتے چنانچہ جب کبھی بازار کی طرف کسی چھوٹے موٹے سودے کے لئے بھیجے جاتے تو جو مسجد راستے میں پڑتی اُس میں چلے جاتے اور سیدھے ممبر پہ جا چڑھتے اور کھڑے ہو کر کچھ خطبہ کی طرح پڑھ پڑھا کر وہاں سے چلے آتے۔ چونکہ وہ نماز کا وقت نہ ہوتا تھا اس لئے مسجد میں تنہائی بھی ہوتی تھی۔ اس صورت میں کوئی دیکھنے والا تو ہوتا نہ تھا جس سے شرم آتی خوب آزادی کے ساتھ خطبہ پڑھنے کے شوق کو پورا کرتے گویا وعظ گوئی اور خطبہ خوانی کا حضرت والا کو بچپن ہی سے شوق تھا۔ خدا کی شان ہونے والی بات۔ غرض حضرت والا کو دین کی باتوں کا لڑکپن ہی سے شوق تھا یہانتک کہ بہت چھوٹی عمر میں بھی جبکہ عربی کی محض ابتدائی کتابیں پڑھتے تھے اور صرف ۱۲-۱۳ برس ہی کی عمر تھی پچھلی رات تہجد کو اُٹھتے اور نوافل و وظائف پڑھتے تائی صاحبہ بڑی محبت فرماتی تھیں وہ منع بھی فرماتیں کہ بیٹے ابھی تیری عمر ہی کیا ہے اور بہت کڑھتیں خاص طور سے جب سردی کے زمانہ میں حضرت والا کو اس چھوٹی سی عمر میں پچھلی رات اُٹھکر وضو کرتے اور تہجد پڑھتے دیکھتیں تو اُن کا بہت جی کڑھتا اور بیچاری محبت کے مارے جب تک حضرت والا تہجد اور وظیفہ سے فارغ نہ ہو جاتے برابر بیٹھی جاگا کرتیں۔ حضرت فرمایا کرتے ہیں کہ مجھ کو دین کا شوق جس کی ایک فرع تہجد بھی ہے میرے ابتدائی اُستاد حضرت مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت سے پیدا ہوا تھا جو ایک بہت ہی بابرکت اور صاحب نسبت اور صاحب اجازت بزرگ تھے۔ حضرت والا اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ نہ کھیلتے تھے کیونکہ اُن کے بُرے افعال کا حضرت والا کو علم تھا۔ بس اپنی ہمشیرہ کے ساتھ گھر کے اندر ہی کھیلا کرتے۔ حضرت والا کا یہ علیحدہ رہنا لڑکوں کو بہت ناگوار تھا۔ یہاں تک کہ جاقو لئے لئے پھرتے تھے کہ کہیں ملیں تو ماریں۔ مکتب میں ملازم کے ساتھ آتے جاتے جب کسی طرح لڑکے فساد سے باز نہ آئے۔ مجبوراً اسکی تھانہ میں رپورٹ کی گئی۔ تھانہ دار نے حضرت والا کو اور سب لڑکوں کو بلا کر حضرت والا ہی کے ہاتھ سے بید لیکر جو چاقو لئے ہوئے تھے لڑکوں کو خوب مارا پیٹا۔ اس کے بعد پھر کسی کی ہمت نہ پڑی اور اندیشہ رفع ہو گیا۔

حضرت والا بچپن میں کسی کا ننگا پیٹ نہیں دیکھ سکتے تھے دیکھتے ہی بس فوراً قے ہو جاتی تھی یہ حضرت والا نے اپنے خاندان کے بزرگوں سے سنا۔ چونکہ لڑکوں کو یہ معلوم تھا اس لئے حضرت والا کو تنگ کیا کرتے اور پیٹ کھول کھول کر دکھاتے اور حضرت والا قے کرتے کرتے پریشان ہو جاتے۔ اس لطافت مزاج کا

اسنا اثر تو ابتک ہے کہ حضرت والا کی ذکاوحس بے حد بڑھی ہوئی ہے - اُس کمرہ میں نیند نہیں آتی جس میں کوئی تیز خوشبو کی چیز رکھی ہو مثلاً امرود وغیرہ اور بدبو کا تو ذکر ہی کیا ہے - الٰہ آباد کے سفر میں سنے خود دیکھا کہ جب تک امرودوں کا ٹوکرا کمرہ سے جدا نہ کرا دیا گیا حضرت والا کو نیند ہی نہ آئی اور وہاں یہ بھی ہوا کہ بہت فاصلہ پر خام تمباکوی خوردنی کسی دوکان پر زیادہ مقدار میں رکھی ہوئی تھی اُس کی بُو کو دور ہی سے محسوس فرمالیا۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ وہاں سے فاصلہ پر واقعی تمباکو کی دوکان تھی - حال ہی میں ایک صاحب نے حلوا بھیجا اُس کا برتن بدنما تھا اُس میں سے چکھا تو حلوا بدمزہ سا معلوم ہوا خیال ہوا کہ کسی کو دیدیں گے لیکن جب اُس کو ایک خوشنما شیشہ کے مرتبان میں رکھ لیا اور پھر کھایا تو معلوم ہوا کہ در اصل خوش ذائقہ تھا لیکن بدنما برتن میں بُری طرح رکھا ہوا دیکھکر اُسوقت طبیعت نے قبول نہیں کیا تھا۔

کسی کا جھوٹا کھانا یا پانی استعمال نہیں فرما سکتے گھن آتی ہے - یہانتک کہ کبھی اپنے بزرگوں کے سامنے کا بچا ہوا کھانا پانی بھی تبرکاً استعمال نہیں کر سکے - البتہ اپنے ساتھ برتن میں کسی کو شریک کر لینا طبیعت کو ناگوار نہیں ہوتا۔ شب کو اگر ڈاک وغیرہ کا کام باقی رہ جاتا ہے تو نیند نہیں آتی یہاں تک کہ سفر میں بارہا ایسا ہوا کہ آدھی آدھی رات تک وعظ فرما کر آئے ہیں اور پھر ڈاک لیکر بیٹھ گئے اور جب تک زیادہ حصہ اُس کا ختم نہیں کر لیا سوئے نہیں اور فرمایا کہ اگر میں سونا بھی چاہوں تو سو نہیں سکتا۔ جب تک کہ ڈاک کو اتنا نہ نمٹا دوں کہ وہ قابو میں آجائے - سفر میں کئی کئی دن کی ڈاک جمع ہو کر اکٹھی ملتی تھی اور اکثر رات کو دیر دیر تک کام کرتے رہتے تھے - بعض اوقات عشا کے بعد سے صبح کی اذان تک ڈاک لکھنے میں مشغول رہے - غرض حضرت والا کی لطافت و نزاکت مزاج کے واقعات روزمرہ کثرت سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور یہ تو بار رہا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اُلجھی ہوئی تقریر یا کوئی بے اصول کام کرے جس کا حضرت والا سے تعلق ہو تو اُسی وقت تبخیر ہو کر درد سر ہونے لگتا ہے حالانکہ ماشاءاللہ دماغ اس قدر قوی ہے کہ بلا تکان دن دن بھر اور سوتے وقت تک دماغی کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ کسی وقت فارغ نہیں رہتے - فرمایا کرتے ہیں کہ بچپن ہی سے میرا دماغ اس کا عادی ہے کہ اگر کوئی معمولی سے معمولی بات بھی ہو مگر ترتیب کے ساتھ نہ بیان کی جائے تو میری سمجھ ہی میں نہیں آتی - نہ خود اُلجھی ہوئی تقریر کروں نہ دوسرے کی اُلجھی ہوئی تقریر سمجھوں کیونکہ بچپن ہی سے میرا دماغ ایک خاص ترتیب کا عادی ہو رہا ہے - خلاصہ یہ ہے کہ حضرت والا کی لطیف المزاجی بس ایک درجہ میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی لطیف المزاجی کے مشابہ ہے جیسا کہ روزمرہ مشاہدہ میں آتا رہتا ہے - اس بارہ میں خود حضرت والا جناب بڑی پیرانی صاحبہ مدظلہا کا قول نقل

فرمایا کرتے ہیں کہ "آپ تو کسی بادشاہ کے یہاں پیدا ہوئے ہوتے"

حضرت والا نے ایک خواب بالکل اپنے بچپن کا کہ اس سے پہلے کوئی خواب ہی دیکھنا یاد نہیں اس طرح بیان فرمایا۔ کہ میرٹھ کے جس مکان میں ہم لوگ رہتے تھے اسمیں دو درجہ کی دہلیز ہے بڑے درجہ میں ایک پنجرہ رکھا ہوا دیکھا جس میں دو خوبصورت کبوتر ہیں پھر یہ دیکھا کہ شام ہو گئی اور وہاں اندھیرا ہو گیا۔ اُن کبوتروں نے مجھ سے کہا کہ اندھیرا ہو گیا ہے ہمارے پنجرہ میں روشنی کردو۔ میں نے کہا تم خود ہی کرلو۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنی چونچیں رگڑیں اور رگڑتے ہی خوب تیز روشنی ہو گئی اور تمام پنجرہ روشن ہو گیا۔ جب ایک مدت کے بعد ماموں واحد علی صاحب مرحوم سے میں نے یہ خواب بیان کیا تو اُنھوں نے یہ تعبیر دی کہ وہ دو کبوتر روح اور نفس تھے کیونکہ صوفیۂ کرام اپنی اصطلاح میں روح کو نر اور نفس کو مادہ کہتے ہیں۔ تو روح اور نفس نے تم سے یہ درخواست کی کہ تم مجاہدہ کرکے ہم کو نورانی کرو تم نے جو یہ کہا کہ تم خود ہی روشنی کرلو اور اُنھوں نے اپنی اپنی چونچ رگڑ کر روشنی کرلی اسکا یہ مطلب تھا کہ تم ریاضت و مجاہدہ نہ کرو گے انشاء اللہ تعالیٰ بلا ریاضت و مجاہدہ ہی حق تعالیٰ تمہاری روح اور تمہارے نفس کو نور عرفاں سے منور فرمادیں گے۔ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ اس تعبیر کا خیر ایک جزو تو صحیح نکلا کہ ریاضت و مجاہدہ مجھ سے کچھ نہ ہوا لیکن ابھی نور تو پیدا ہوا نہیں اللہ تعالےٰ نور بھی پیدا فرمادے۔

حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت میاں جی نور محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے خاص خلفاء میں سے تھے اور حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے پیر بھائی تھے حضرت والا کے متعلق لڑکپن ہی میں جبکہ حضرت والا مکتب میں پڑھتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ میرے بعد یہ لڑکا میری جگہ ہوگا۔ چنانچہ بفضلہ تعالےٰ ایسا ہی ظہور پذیر ہوا کہ بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اس قصبہ میں اب حضرت والا ہی کی ذات گرامی علوم ظاہری و باطنی کی جامع ہے۔ مولانا ممدوح کو حضرت والا سے خاص تعلق تھا۔ یہاں تک کہ بعد وفات بھی حضرت والا سے عالم رؤیا میں فرمایا کہ ہمکو تو تمہاری طرف اب بھی ویسی ہی توجہ ہے جیسی حیات میں تھی۔ حضرت والا مولانا کی حیات میں نوعمر ہی تھے ایک بار حضرت والا کے والد ماجد نے جن سے مولانا کو کچھ برادرانہ شکر رنجی اور مقدمہ بازی ہو گئی تھی کچھ پان ہدیۃً بھیجنے چاہے تو حضرت والا سے فرمایا کہ تم لیجاؤ تو شاید لیلیں ورنہ نہ لیں گے چنانچہ مولانا نے محض حضرت والا کی خاطر باوجود دل نہ چاہنے کے قبول فرمالئے۔

حضرت اقدس جناب مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایکبار

حضرت والا کے متعلق اپنے ایک خادم سے فرمایا تھا کہ مجھے تو اُن سے اُس وقت سے محبت ہے جب وہ مجھ کو جانتے بھی نہ تھے ۔ غرض حضرت والا بچپن ہی سے بزرگان دین کے محبوب اور منظور نظر تھے اور ابتدائی عمر ہی سے آثار سعادت و مقبولیت عند اللہ کا ظہور ہونے لگا تھا۔

آثار نیک میں سے ایک امر بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت والا کی نانی صاحبہ نے جن کے پاس بچپن میں رہے ہیں خود حضرت والا سے بیان کیا کہ لڑکپن میں اکثر دیکھا گیا کہ جب حضرت والا کو کہیں سفر کرنے کا اتفاق ہوا تو اُس روز ابر ضرور ہو گیا اور بہت راحت کے ساتھ سفر طے ہوا۔

باب ششم

"تحصیل علوم"

حضرت والا نے قرآن شریف زیادہ تر حافظ حسین علی صاحب مرحوم سے حفظ کیا جو دہلی کے باشندہ تھے مگر میرٹھ میں سکونت اختیار کر لی تھی - شروع کے چند پارے آخون جی صاحب سے پڑھے تھے جو کھتولی ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے پھر حافظ حسین علی صاحب سے تکمیل کی - بالکل ابتدائی فارسی میرٹھ میں مختلف اُستادوں سے پڑھی تھی لیکن وہاں کے اُستادوں کے اب نام بھی یاد نہیں رہے پھر تھانہ بھون میں فارسی کی متوسطات حضرت مولانا فتح محمد صاحب رحمہ سے پڑھیں اور انتہائی کتب ابوالفضل تک اپنے ماموں واجد علی صاحب سے پڑھیں جو ادب فارسی کے اُستاد کامل تھے۔ پھر تحصیل عربی کے لئے دیوبند تشریف لے گئے وہاں بقیہ کتب فارسی مولانا منفعت علی صاحب دیوبندی سے پڑھیں یعنی پنج رقعہ - قصائد عرفی اور سکندر نامہ - حضرت والا کو فارسی میں دستگاہ کامل حاصل ہے تحریر و تقریر نظم و نثر سب پر قدرت ہے - طالب علمی کے زمانہ میں جبکہ مرض خارشت کی وجہ سے مدرسہ سے چھٹی لیکر وطن تشریف لے آئے تھے - بطور مشغلہ مثنوی زیر و بم فارسی میں تصنیف فرمائی اور اُسوقت صرف اٹھارہ برس کی عمر تھی - چنانچہ اُس کی تمہید اس طرح شروع فرماتے ہیں - ہمی گوید گرفتار در دو نالہ نادان ہشدہ سالہ آلخ - عربی کی پوری تکمیل دیوبند ہی میں فرمائی اور صرف ۱۹ یا ۲۰ سال ہی کی عمر میں بفضلہ تعالےٰ فارغ التحصیل ہو گئے تھے - مدرسۂ دیوبند میں تقریباً پانچ سال بسلسلہ طالبعلمی رہنا ہوا - آخر ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ میں وہاں داخل ہوئے اور شروع ۱۳۰۱ھ میں فارغ التحصیل ہو گئے

عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے وطن تھانہ بھون میں حضرت مولانا فتح محمد صاحب رح سے پڑھیں اور دیوبند پہونچکر مشکوٰۃ شریف مختصر معانی نور الانوار اور ملا حسن شروع کی تھیں۔ حضرت والا کے والد ماجد نے حضرت والا کو عربی پڑھانے کے لئے اُسی وقت سے منتخب کر رکھا تھا جبکہ پاجامہ بھی نہیں پہنتے تھے یعنی بالکل ہی بچپن سے اسی طرح چھوٹے بھائی صاحب مرحوم کو اُسی وقت سے انگریزی کے لئے تجویز کر لیا تھا۔ آثار سے دونوں کی مناسبت معلوم کر لی ہوگی۔ بڑے دانشمند تھے اور گو دنیا میں مشغول تھے مگر نماز روزہ تلاوت وغیرہ کے بہت پابند تھے۔ انھوں نے نہایت شوق کے ساتھ حضرت والا کو عربی کی تعلیم دلائی۔ ایک بار تائی صاحبہ نے فرمایا کہ بھائی تم نے چھوٹے کو تو انگریزی پڑھائی ہے وہ تو خیر کما کھائے گا۔ بڑا عربی پڑھ رہا ہے وہ کہاں سے کھائے گا اُس کی گذر اوقات کی کیا صورت ہوگی کیونکہ جائداد وارثوں میں تقسیم ہو کر قابل گذارے کے نہ رہے گی۔ یہ بات والد صاحب کو بہت ناگوار ہوئی اور باوجود اس کے کہ تائی صاحبہ کا بہت ادب اور لحاظ فرماتے تھے لیکن یہ سنکر جوش آگیا۔ اور کہنے لگے کہ "بھابی صاحبہ تم کہتی ہو کہ یہ عربی پڑھکر کھائے گا کہاں سے خدا کی قسم جس کو تم کمانے والا سمجھتی ہو ایسے ایسے اس کی جوتیوں سے لگے لگے پھریں گے اور یہ اُن کی جانب رُخ بھی نہ کرے گا تم نے یہ کہکر مجھے سخت تکلیف دی اور سخت رنج پہونچایا"۔ اس کو نقل کر کے حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اگر یہ بات کوئی درویش کہتا تو آج یہ اُس کی بڑی کرامت سمجھی جاتی لیکن والد صاحب تو بیچارے ایک دنیادار شخص سمجھے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اخلاص اور یقین کی برکت سے ایسا ہی کر دیا۔ میرے تو دل سے دعائیں نکلا کرتی ہیں کہ اللہ تعالےٰ اُن کی گور کو ٹھنڈی رکھے میرے ساتھ بڑا احسان کیا انھیں کی بدولت یہ چار حرف سیکھ لئے ہیں جو کام آرہے ہیں ورنہ ہم بھی نہ معلوم کس رنگ میں ہوتے اور گو مجھے کچھ آیا گیا نہیں لیکن اسپر بھی مجھے دیکھ دیکھکر بھائی کو بارہا یہ حسرت ہوئی کہ مجھکو بھی والد صاحب نے عربی ہی کیوں نہ پڑھائی اور الحمد للہ مجھے کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوا کہ مجھکو انگریزی کیوں نہ پڑھائی واقعہ مذکورہ سے اندازہ فرما لیا جائے کہ حضرت والا کے والد ماجد نے کس شوق اور خلوص سے حضرت والا کو عربی کی تعلیم دلائی تھی اور اللہ تعالیٰ پر کس درجہ وثوق اور حسن ظن تھا اسی حسن ظن اور صدق نیت کی برکت تھی کہ حق تعالےٰ نے اُن کی پیشینگوئی کو حرف بحرف صحیح کر کے دکھلا دیا۔ فالحمد للہ حمداً کثیراً

اس جگہ دو خواب جو حضرت والا نے طالب علمی کے زمانہ میں دیکھے تھے مختصراً بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تفصیل کے لئے باب "شرف بیعت و استفاضۂ باطنی" کا عنوان "ترک ملازمت کے بعد کا دور جدید ملاحظہ ہو" ایک خواب کا تو خلاصہ یہ ہے کہ حضرت والا کو

ایک انگریز نے اور ایک دنیاوی حاکم نے دو متفرق تحریریں لکھکر دیں اور دونوں میں یہ لکھا تھا کہ ہم نے تمکو عزت دی۔ ایک پر تو چاروں طرف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی مُہر لگی ہوئی تھی اور وہ صاف پڑھی جاتی تھی دوسری مُہر کے حروف پڑھے نہ جاتے تھے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ تعبیر دی تھی کہ "تمھیں انشاء اللہ تعالےٰ دین اور دنیا دونوں کی عزت نصیب ہوگی" دوسرا خواب یہ دیکھا کہ "ایک تالاب جس میں سے فوارہ کی طرح چاندی اُبل رہی ہے حضرت والا کے پیچھے پیچھے چلا آرہا ہے" اُس کی مولانا نے یہ تعبیر دی تھی کہ انشاء اللہ تعالیٰ دنیا تمھارے پیچھے پیچھے لگی پھرےگی اور تم اُس کی طرف رُخ بھی نہ کروگے۔ حضرت والا کے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ یہ لڑکا بہت خوش قسمت معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کی ہر تقریب کے موقع پر مجھے اللہ تعالےٰ نے اتنا دیا کہ میں نے خوب دل کھول کر خرچ کیا۔ چنانچہ حضرت والا کی شادی پر اُنھوں نے علاوہ پیسوں کے روپیہ بھی بکھیرے تھے جس کی بڑی شہرت ہوئی تھی اور بڑے پیمانہ پر اہل قصبہ کی دعوت کی تھی۔ نیز حضرت والا جتنا خرچ مانگتے وہ بیدریغ دیتے اور چھوٹے بھائی منشی اکبر علی صاحب مرحوم کو حساب سے دیتے اور پھر اُن سے حساب بھی لیتے۔ اسپر بھائی صاحب نے شکایت کی تو فرمایا کہ بھائی مجھے اُسپر رحم آتا ہے وہ جو کچھ مجھ سے لیتا ہے میری زندگی ہی تک ہے میرے بعد یاد رکھو وہ میرے مال و متاع سے بالکل علیحدہ رہے گا۔ چنانچہ واقعی حضرت والا نے مشتبہ مال بالکل نہیں لیا اور بقیہ زمینداری کے بجائے کچھ نقد لیکر جس میں کچھ مکان بنانے میں خرچ ہوا کچھ حج ثانی میں خرچ ہوا۔ زمینداری سے بھی دست بردار ہوگئے۔ والد ماجد کچھ طالب علمی ہی کے زمانہ سے حضرت والا کا رنگ طبیعت پہچان گئے تھے۔ بڑے دانشمند اور صاحب فراست تھے۔ حضرت والا بہت سے مسائل جواز و عدم جواز اپنے والد صاحب سے بھی بادب عرض کرتے رہتے تھے چنانچہ ایک بار جائداد رہن رکھنے کے متعلق لکھا کہ یہ ناجائز ہے اسپر والد صاحب نے ایک ملنے والے ہندو سے کسی قدر شکایت کے لہجہ میں کہا کہ ہم نے اپنے ایک لڑکے کو عربی پڑھوائی ہے وہ ہمیں ہر بات پر ٹوکتا ہے کہ یہ بات خلاف شرع ہے وہ بات ناجائز ہے ہمیں رائے دیتا ہے کہ رہن رکھنا چھوڑ دو یہ سُن کر اُس ہندو نے کہا کہ منشی جی یہ تو بڑے خوش ہونے کی بات ہے معلوم ہوتا ہی کہ آپ کا بیٹا بڑا لائق ہے آپ کا بڑا خیر خواہ ہے اگر آپ اُس کو نجوم پڑھاتے تو وہ آپ کو مہورت کی باتیں بتاتا قانون پڑھاتے تو قانون بتاتا طب پڑھاتے تو نافع و مضر چیزیں بتلاتا آپ نے اُس کو دین پڑھایا ہے تو وہ لامحالا دین کی باتیں ہی بتائےگا شکر کرو بڑا لائق ہے بڑا خیر خواہ ہے آخرت کے عذاب سے بچانا چاہتا ہے آپ کو تو اس بات پر بہت خوش ہونا چاہئے کہ جو کچھ

میں اُس کے پڑھانے میں خرچ کر رہا ہوں وہ ٹھکانے لگ رہا ہے اھ طالب علمی کے زمانہ میں حضرت والا کسی سے ملتے جلتے نہ تھے ۔ یا تو پڑھنے میں لگے رہتے یا اگر کسی وقت فرصت ہوتی تو اپنے اُستاد خاص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح مدرس اول کی خدمت میں جا بیٹھتے ۔ ایک دن مولانا تو کہیں تشریف لیگئے تھے اور حضرت والا کو فرصت تھی تو بجائے اس کے کہ فضولیات میں وقت صرف کردیں اپنے دوسرے اُستاد مولانا سید احمد صاحب رح کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ مولانا نے دریافت فرمایا کیسے آئے حضرت والا نے غایت سادگی سے صحیح بات عرض کردی کہ آج حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح باہر تشریف لیگئے ہیں اسلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا ہوں دیوبند میں بعضے دور کے اعزہ بھی تھے مگر اُن سے بھی حضرت والا ملتے تھے شروع شروع میں بعض اعزہ نے اصرار کیا کہ کھانا گھر کا پکا ہوا ہمارے گھر آکر کھالیا کرو کیوں تکلیف اُٹھاتے ہو حضرت والا نے بلا والد صاحب کی اجازت کے بطور خود ایسا کرنا ہرگز گوارا نہ کیا لیکن جب والد صاحب کو لکھا تو اُنھوں نے ڈانٹ لکھکر بھیجی کہ تم وہاں رشتہ داریاں جتانے کیلئے گئے ہو یا طالب علمی کرنے ؟ خبردار جو کسی عزیز کے پاس آئے گئے چنانچہ پھر حضرت والا نے ملنا جلنا بھی چھوڑ دیا اور برابر اسی طرز سے طالب علمی کا پورا زمانہ گذار دیا ۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ الحمدللہ میں یہاں جیسا بے داغ گیا تھا ویسا ہی پانچ برس رہ کر بے داغ لوٹ آیا ۔ جب فارغ التحصیل ہوگیا اُسوقت آزادی کے ساتھ اپنے سب اعزہ سے جاکر ملا اور پھر اُن کی دعوتیں بھی قبول کیں اس سے قبل کسی سے میل جول پیدا نہ کیا نہ اعزہ سے نہ طلبا سے نہ اہل قصبہ سے ۔ اگر کوئی میل جول بڑھانا چاہتا تو اُسکے ساتھ بے رخی سے پیش آتا یہاں تک کہ لوگ عموماً دماغ دار سمجھتے تھے حالانکہ یہ بات نہ تھی ۔ دراصل مجھ کو اپنا وقت فضول ضائع کرنے سے نفرت تھی اھ حضرت والا کی یہ ایک بہت ہی نمایاں خصوصیت ہے کہ وقت کو ضائع نہیں فرماتے اور یہ وہ خصوصیت ہے جو ابتداء عمر سے لیکر اسوقت تک بدستور موجود ہے اور یہی وہ صفت ہے جس نے حضرت والا کو اتنی جلدی فارغ التحصیل کردیا اور ہمیشہ بری صحبت سے محفوظ رکھا اور اس قدر کثیر التصانیف بنایا کہ اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں بہت کم افراد ایسے گذرے ہیں ۔ حضرت والا کا انضباط اوقات نہایت حیرت انگیز ہے بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مشین ہے جو ہر وقت چل رہی ہے کسی وقت بیکار نہیں ظاہر ہے جو ایسا کثیر المشاغل ہو اُسکو بلا انضباط اوقات چارہ نہیں ۔ اور انضباط اوقات جب ہی ہو سکتا ہے جب اخلاق و مروت سے مغلوب نہ ہو اور ہر کام کو اپنے وقت اور موقع پر کرے اور تو اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت والا کے اُستاد تھے ایک بار مہمان ہوئے ۔ حضرت والا نے

راحت کے سب ضروری انتظامات کر کے جب تصنیف کا وقت آیا تو بہ ادب عرض کر دیا کہ حضرت میں اسوقت کچھ لکھا کرتا ہوں - اگر حضرت اجازت دیں تو کچھ دیر لکھ کر بعد کو حاضر ہو جاؤں - فرمایا ضرور لکھو - میری وجہ سے اپنا حرج ہرگز نہ کرو گو اُس روز حضرت والا کا دل لکھنے میں لگا نہیں لیکن ناغہ نہ ہونے دیا تاکہ بے برکتی نہ ہو تھوڑا سا لکھ کر پھر حاضر خدمت ہو گئے - حضرت والا کی ذہانت و ذکاوت اور حافظہ سب طالب علموں میں مشہور تھا - طالب علمی کے زمانہ میں ایک دفعہ طلبہ کی آموں کی دعوت تھی جس میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحہ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحہ بھی شریک تھے - جب آم تھوڑے سے رہ گئے تو مولانا محمد یعقوب صاحب رحہ نے انداز سے معلوم کر لیا کہ اب سب طلبہ آپس میں گٹھلی چھلکا چلانا چاہتے ہیں تو مولانا قصداً صحن سے اٹھ کر درس گاہ میں تشریف لے گئے - پھر خوب گٹھلی چھلکا چلا جس میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحہ بھی از راہ غایت تواضع و بے تکلفی شریک رہے - جب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحہ درسگاہ میں تشریف لیجانے لگے تو حضرت والا بھی موقع کو غنیمت سمجھکر ساتھ ہوئے پھر جب طالب علم زیادہ شرارتیں کرنے لگے تو حضرت مولانا دروازہ پر تشریف لائے اتنا رعب تھا کہ پھر ایک بھی طالب علم نظر نہ آیا سب بھاگ گئے اور ادھر اُدھر چھپ گئے - پھر مولانا مکان تشریف لے آئے اور حضرت والا بھی مولانا کے ہمراہ لوٹ آئے اور اپنے حجرہ میں پہونچگئے بعد کو طلبہ نے بہت چاہا کہ حضرت والا پر بھی رس یا پانی ڈالیں مگر حضرت والا نے حجرہ کے کیواڑ بند کر لئے - اسی سے حضرت والا کے مذاق یکسوئی کا اندازہ فرمالیا جائے - غرض حضرت والا نے طالب علمی کے زمانہ میں بھی کبھی اپنا وقت فضولیات یا بُری صحبتوں میں ضائع نہیں کیا اور اپنے اصل مقصود یعنی تحصیل علوم ہی میں ہمہ تن مشغول رہے - حضرت والا کو تحصیل علم کا اسقدر شوق تھا کہ بعض اساتذہ سے بعض خاص کتابیں جن کے لئے مدرسہ میں وقت نہ تھا اس طرح پڑھیں کہ وہ حضرات تو نماز کے لئے وضو کر رہے ہیں اور حضرت والا اُن سے سبق پڑھ رہے ہیں - حضرت والا کا سب اساتذہ خاص لحاظ فرماتے تھے اور بہت اچھی رائے رکھتے تھے - چنانچہ جب حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز طلبہ کا امتحان لینے اور دستار بندی کرنے تشریف لائے تو حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والا کی ذہانت اور ذکاوت کی خاص طور سے تعریف فرمائی - تعریف سنکر مولانا رحہ نے حضرت والا سے بہت مشکل سوالات کئے جن کے جوابوں سے مولانا بہت خوش ہوئے

مولانا سید احمد صاحب نے سکندر نامہ میں امتحان لیا اور ایک شعر کا مطلب پوچھا تو چونکہ اُستاد کا بتایا ہوا مطلب یاد نہ تھا حضرت والا نے اپنی طرف سے مطلب بیان کیا۔ مولانا نے دریافت فرمایا کہ کوئی اور بھی مطلب ہو سکتا ہے؟ حضرت والا نے دوسرا مطلب بیان کر دیا پھر دریافت فرمایا کہ اور کوئی مطلب بھی ہو سکتا ہے حضرت والا نے تیسرا مطلب بیان کر دیا۔ مولانا نے فرمایا کہ ان میں سے ایک بھی مطلب صحیح نہیں لیکن تمہاری ذہانت پر نمبر دیتا ہوں۔ حالانکہ مولانا سید احمد صاحب خود اسقدر ذہین تھے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح جو راس الاذکیا تھے فرمایا کرتے تھے کہ خود اقلیدس بھی اگر ذہین ہوگا تو بس اتنا ہی ہوگا ان سے زیادہ نہ ہوگا۔ ریاضیات میں بدرجۂ کمال ماہر تھے باوجود اس کے کہ کسی اُستاد سے ریاضی پڑھی نہ تھی بلکہ بطور خود ہی مطالعہ کر کے اس فن کو حاصل کیا تھا۔ غرض حضرت والا کی ذہانت کے متعلق ایسے ذہین و ذکی کی شہادت بڑا پایہ رکھتی ہے۔ ان سب معروضات کا خلاصہ یہ ہے کہ بحیثیت طالبعلمی بھی حضرت والا اپنے ہم سبقوں میں سب سے زیادہ ممتاز تھے۔ اُس زمانہ میں بھی حاضر جوابی و طلاقت لسانی اور ذہانت و فطانت اور منطق میں کمال مہارت کا وہ عالم تھا کہ دیوبند میں جہاں کوئی مذہب والا بغرض مناظرہ آتا۔ حضرت والا فوراً پہونچ جاتے اور اُس کو مغلوب کر دیتے۔ ایک انگریز پادری سے بھی مناظرہ کرنے پہونچ گئے جب حضرت مولانا محمود حسن صاحب رح کو معلوم ہوا تو حضرت والا کے متعلق یہ سوچکر کہ ابھی لڑکے ہیں کہیں مرعوب نہ ہو جائیں مولانا خود بھی حضرت والا کی اعانت کے لئے پہونچ گئے اور باتوں باتوں میں اُس کو دو منٹ ہی کے اندر بند کر دیا عاجز دیکھ کر اُس کی میم نے اُس کو ایک پرچہ لکھا کہ تم چلے آؤ چنانچہ وہ یہ کہکر کہ میم صاحب بلاتی ہیں اُسی وقت چلا گیا اور پھر دیوبند ہی سے چلا گیا۔

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ جتنا مجھے اُس زمانہ میں مناظرہ کا شوق تھا۔ اب بوجہ مضرتوں کے اُتنی ہی اس سے نفرت ہے۔ عیسائیوں۔ آریوں شیعوں غیر مقلدوں سب ہی سے طالب علمی ہی میں مناظرہ فرما چکے ہیں۔ اور اب بھی حضرت والا کی منطقی تقریریں۔ سُن سُن کر راس المناظرین مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب مدت فیوضہم وجد میں آجاتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت والا کو فن مناظرہ میں اس قدر ملکہ ہے کہ بڑے سے بڑا مناظر بھی مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا۔ چنانچہ اس کا اب بھی آئے دن مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ کہ بڑے بڑے معرکۃ الآرا مباحث پر بڑے بڑے زبان آور مناظر آ آکر گفتگو کرتے ہیں لیکن حضرت والا بعون اللہ تعالےٰ بس تھوڑی ہی دیر میں بند فرما دیتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ نہ اصول مناظرہ سے ایک انچ ہٹتے ہیں نہ حق بات کے تسلیم

کر لینے میں کسی موقع پر ذرا تامل فرماتے ہیں۔ باوجود مناظرہ سے اس درجہ مناسبت ہونے کے پھر بھی جو ایسی مجالس سے ہمیشہ اعراض فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر اس زمانہ میں مناظرین کی اغراض فاسد ہوتی ہیں اسی لئے کوئی نفع مرتب نہیں ہوتا بلکہ ضرر ہوتا ہے بمضمون ؎

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

کج بحثی اور ہٹ دھرمی کی عادت پڑ جاتی ہے۔ حقیقت شناسی کی استعداد برباد ہو جاتی ہے۔ حضرت والا آج کل کے مناظروں کی ان خرابیوں کو اکثر نہایت شرح وبسط کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں اور پرانے بزرگوں کے مناظروں اور اُن کی حق پسندی کے دلچسپ اور سبق آموز واقعات سے موازنہ فرمایا کرتے ہیں۔ حضرت والا کو باوجود معقولات سے اس قدر مناسبت ہونے کے منقولات کے مقابلہ میں ہمیشہ ان فنوں سے نفرت ہی رہی۔ چنانچہ فلسفہ کا جب سبق شروع کرتے تو بجائے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھتے۔ اس موقع پر حضرت والا کا ایک ملفوظ یاد آیا فرمایا کہ الحمد للہ میں کبھی طبیعت کو عقل پر غالب نہیں آنے دیتا اور کبھی عقل کو شریعت پر غالب نہیں آنے دیتا اھ حضرت والا کو معقولات سے اس قدر مناسبت تھی کہ صدرا اور شمس بازغہ جیسی مشکل کتابوں کا اکثر حصہ بے ترجمہ پڑھتے چلے جاتے اور بڑے بڑے مشکل مسائل بھی پانی نظر آتے تھے گو عموماً معقولات سے اس قدر مناسبت اور دلچسپی رکھنے والے بس معقولات ہی کے ہو رہتے ہیں لیکن باوجود اس کے الحمد للہ حضرت والا کی طبیعت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی سلامتی اور اس قدر اعتدال کی کیفیت رکھی ہے کہ ہر شے کو اُس کے مرتبہ پر رکھتے ہیں چنانچہ حضرت والا نے باوجود خاص مناسبت ہونے کے معقولات کو ہمیشہ دینیات کے لئے بطور علوم آلیہ ہی کے سمجھا۔ حضرت والا کے افعال واقوال وتصانیف کو نظر غور و انصاف سے دیکھنے والا حضرت والا میں اس وصف اعتدال وحفظ مراتب کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی آنکھوں پر عناد یا جہالت یا رسم ورواج کی پٹی باندھے ہوئے ہو تو اُس پر یہ شعر صادق آئے گا ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اور یہ وصف اعتدال ایک ایسا امتیازی وصف ہے جو صدیوں کے بعد کسی خاص ہی بندہ کو عطا ہوتا ہے اور ایک حکیم الامت اور محی السنۃ ہی اُس سے مشرف فرمایا جاتا ہے۔ اور یہی وصف باعث ہو جاتا ہے عام طور پر ایسے حضرات سے مخالفت کا اور اُن کی بدنامی کا

کیونکہ افراط و تفریط کا مٹانے والا رسوم و بدعات کا قلع قمع کرنے والا اور مسلمانوں کو طریق غیر معتدل سے ہٹاکر اعتدال حقیقی یا بہ الفاظ دیگر صراط مستقیم پر لانے والا کیونکر مخالفت اور بدنامی سے محفوظ رہ سکتا ہے مگر وہ تو ان سے بھی زیادہ فوت منافع کے لئے آمادہ رہتا ہے بدنامی کی تو کیا پرواکرتا بمصداق ؎

گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں مانمی خواہیم ننگ و نام را

مہارت فی المنطق کے متعلق خود حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ الحمدللہ مجھے منطق میں مہارت حاصل ہے اور میں سچی بات کیوں نہ کہوں کیونکہ نہ میں متواضع ہوں نہ متکبر جو چیز اللہ تعالےٰ نے عطا فرمائی ہے اُس کا کیوں انکار کروں۔ اللہ کی دین ہے میرا کوئی کمال نہیں اور میں اس کو درحقیقت کوئی کمال بھی نہیں سمجھتا کیونکہ بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنے کی برکت سے یہ اچھی طرح ذہن نشین ہو گیا ہے کہ ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے ہیں کہ اکثر میرا طریق اصلاح یہ ہے کہ جس شخص کو جس فن میں کمال کا دعویٰ ہوتا ہے پہلے میں اسکو اُس فن میں مغلوب کرکے دکھلا دیتا ہوں بشرطیکہ وہ فن مقصود ہو پھر تو مجھے حق حاصل ہو جاتا ہے کہ اصلاحی امور میں بھی اُس کو اپنا تابع بناؤں اور پھر خود اُس کو بھی ایسے شخص کے تابع بن جانے میں عار نہیں آتی اور اُس کو منازعت کا حق نہیں رہتا اور نہ تعلیم پر شبہہ ہوتا ہے۔ اس سے حضرت والا کی شان جامعیت علوم و فنون مختلفہ ظاہر ہوتی ہے جو موافق و مخالف سب کے نزدیک مسلم ہے کوئی انکار نہیں کر سکتا یہ تقریر استطراداً تھی۔ اب میں پھر مقصود کی طرف عود کرتا ہوں۔

حضرت والا کو طالبعلمی کے زمانہ میں تصوف اور کتب تصوف کا بھی خاص ذوق تھا جس کے چند واقعات باب "شرف بیعت و استفاضۂ باطنی" میں ملاحظہ سے گذریں گے۔

حضرت والا کی دستاربندی حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدس ہاتھوں سے ۱۳۰۰ھ میں ہوئی۔ اُس سال دیوبند میں بہت بڑا اور شاندار جلسۂ دستاربندی ہوا تھا حضرت والا نے جب سنا کہ دستاربندی ہونے والی ہو تو اپنے ہم سبقوں کو لیکر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہونچے اور عرض کیا کہ حضرت ہم نے سُنا ہے کہ ہم لوگوں کی دستاربندی کی جائے گی۔ اور سند فراغ دی جائے گی۔ حالانکہ ہم اس قابل ہرگز نہیں۔ لہٰذا اس تجویز کو منسوخ فرما دیا جائے

ورنہ اگر ایسا کیا گیا تو مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی کہ ایسے نالائقوں کو سند دی گئی - یہ سن کر مولانا کو جوش آگیا اور فرمایا کہ تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے - یہاں چونکہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں اس لئے اُن کے سامنے تمہیں اپنی ہستی کچھ نظر نہیں آتی اور ایسا ہی ہونا چاہئے - باہر جاؤ گے تب تمہیں اپنی قدر معلوم ہوگی - جہاں جاؤ گے بس تمہیں تم ہو گے - باقی سارا میدان صاف ہے اطمینان رکھو۔ حضرت والا یہ قول نقل کر کے فرمایا کرتے ہیں کہ واقعی حضرت مولانا کی پیشینگوئی کی یہ برکت ہوئی کہ الحمد للہ جہاں رہنا ہوا بڑے بڑے علماء بھی وقعت ہی کی نگاہ سے دیکھتے رہے اور عوام و خواص سب مجھ ہی کو اکثر کے مقابلہ میں ترجیح دیتے رہے اھ - وذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

اسی سلسلہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح کی ایک اور پیشینگوئی بھی یاد آگئی - مولانا نے فتوے نویسی کا کام بھی حضرت والا کو طالب علمی ہی کے زمانہ میں سپرد فرما رکھا تھا - ایک بار ایک طویل استفتار کا ویسا ہی طویل اور مفصل ومدلل جواب لکھکر مولانا رح کی خدمت میں پیش کیا - مولانا نے اُس کو پورا دیکھ کر اُسپر دستخط تو فرما دئے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے تم کو فرصت بہت ہے اور ہم تو اُس وقت دیکھیں گے جب خطوں کا ڈھیر کا ڈھیر تمہارے سامنے رکھا ہوگا اور پھر بھی تم اتنے لمبے لمبے جواب لکھو گے اھ - چنانچہ فی الواقع ایسا ہی ہوا کہ اب خطوط کے ڈھیر کے ڈھیر ہی حضرت والا کے سامنے روزانہ ہوتے ہیں اور حضرت والا بہت مختصر جوابات تحریر فرماتے ہیں مگر نہایت جامع مانع اور بالکل کافی شافی اور سب پہلوؤں کو حاوی اور العاقل تکفیہ الاشارہ کے پورے مصداق - مثلاً کوئی تنبیہی سوال فرما دیا جس سے خود بخود جواب سمجھ میں آگیا اور حضرت والا کا یہ طرز جواب طالب کے لئے نہایت نافع اور اوقع فی الذہن ثابت ہوتا ہے - بڑے بڑے اُلجھے ہوئے اور طویل طویل مضامین کے جوابات نہایت سہولت اور جامعیت کے ساتھ چند لفظوں میں تحریر فرماتے ہیں اور روز کی ڈاک روز ختم فرما دیتے ہیں جس کا بہت ہی زیادہ اہتمام ہے اور اس میں بفضلہ کبھی تخلف نہیں ہوتا حالانکہ ڈاک لکھنے کیلئے بہت کم وقت ملتا ہے بالخصوص آج کل کہ بوجہ تبدیلی اوقات ریل ڈاک بہت دیر میں موصول ہوتی ہے حالات وواقعات مذکورہ باب ہٰذا کا خلاصہ یہ نکلا کہ جس طرح آج حضرت والا بفضلہ تعالےٰ اشرف العلماء ہیں اپنے زمانہ طالبعلمی میں بھی بفضلہ تعالےٰ اشرف الطلبہ تھے۔

باب ہفتم

"اساتذۂ کرام"

حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے اساتذہ کرام بھی ایسے عطا فرمائے تھے کہ اُن میں سے ہر ایک اپنی جگہ غزالی اور رازی وقت تھا اُن میں سے سب سے زیادہ مقتدر ہستی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تھی جو علاوہ ہر فن میں ماہر ہونے کے بہت بڑے صاحب باطن اور شیخ کامل بھی تھے۔ حضرت والا نے مولانا ممدوح سے بڑے بڑے فیوض و برکات حاصل کئے ہیں اور زیادہ تر علوم عجیبہ وغریبہ انھیں سے حاصل فرمائے ہیں اور مولانا رح کے اکثر اقوال و احوال وحقائق و معارف نہایت لطف لے لیکر بیان فرمایا کرتے ہیں۔ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ حلقۂ درس کیا ہوتا تھا حلقۂ توجہ ہوتا تھا۔ یہ حال تھا کہ تفسیر کا سبق ہو رہا ہے آیات کا مطلب بیان فرما رہے ہیں اور آنکھوں سے زار و قطار آنسو جاری ہیں دیگر اساتذہ جناب مولانا سید احمد صاحب جناب ملا محمود صاحب جناب مولانا عبد العلی صاحب حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہم تھے۔ ابتدائی کتب کے اساتذۂ کرام کے اسمار گرامی باب سابق میں مذکور ہو چکے ہیں۔ حضرت والا نے قرأت کی مشق مشہور آفاق جناب قاری محمد عبد اللہ صاحب مہاجر مکی سے بمقام مکہ معظمہ فرمائی تھی جو قرا، عرب کے نزدیک بھی نہایت جید اور مسلم ماہر فن قاری تھے۔ اُس زمانہ میں قرأت کی مشق کرتے کرتے لہجہ میں اپنے یگانۂ فن اُستاد سے اسقدر مشابہت پیدا ہو گئی تھی کہ جب قاری صاحب حضرت والا کو مدرسۂ صولتیہ کی بالائی منزل پر قرأت کی مشق کراتے تو نیچے سے جو لوگ سنتے یہ تمیز نہ کر سکتے کہ اسوقت اُستاد پڑھ رہے ہیں یا شاگرد۔ اس سے حضرت والا کی قوت آخذہ کا پتہ چلتا ہے جو راز تھا حضرت والا کے اپنے اساتذہ کاملین سے بدرجۂ اتم اخذ کمالات کر لینے کا۔ قاری صاحب بہت ہی شفقت فرمانے لگے تھے اور حضرت والا سے بعض رسائل قرأت کے چند اسباق بھی اپنے مدرسہ کے طلبہ کو پڑھوائے تاکہ کتب فن سے بھی مناسبت ہو جائے۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ہم بھی پہلے یہ سمجھتے تھے کہ ہمیں قرأت آتی ہے اس لئے قاری صاحب سے اپنا کمال جتانے کے لئے یہ ترکیب کی کہ اُن سے کہا کہ مشق شروع کرانے کے قبل آپ پہلے میرا ایک رکوع سن لیں تاکہ آپ کو اندازہ

ہو جائے گہ کتنی کسر ہے پھر اُس کسر کو نکال دیجئے گا۔ حالانکہ یہ مطلب نہ تھا بلکہ نفس کی اُستادی تھی چنانچہ قاری صاحب نے رکوع سُنا۔ پھر میں نے پوچھا کہ کیا اندازہ ہوا چونکہ بہت ہی شفیق تھے فرمایا کہ بس تھوڑی سی کسر ہے انشاء اللہ بہت جلد نکل جائے گی۔ حالانکہ مشق شروع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ لاحول ولا قوۃ ہمیں کچھ بھی نہ آتا تھا۔ پھر سوچ سوچ کر بڑی شرمندگی ہوئی کہ ناحق ہی سنایا۔ حضرت والا قاری صاحب کا فرمایا ہوا ایک نہایت کام کا اصول بھی نقل فرمایا کرتے ہیں کہ لہجہ کی طرف مطلق التفات نہ کیا جائے بس ساری توجہ مخارج کی تصحیح میں صرف کی جائے کیونکہ تصحیح مخارج کے بعد جو لہجہ بھی پیدا ہو گا مستحسن ہی ہو گا۔ چنانچہ گو قاری صاحب سے مشق کئے ایک زمانہ گذر گیا اور وہ طرز بھی فراموش ہو گیا لیکن حضرت والا کا لہجہ باوجود کبھی کیسا کبھی کیسا ہو جانے کے اب بھی اسقدر دلکش ہے کہ اُس سے اہل دل بیحد متأثر اور محظوظ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک زندہ دل اور سلیم الفطرت فلسفی فاضل نے متاثر ہو کر یہ خواہش ظاہر کی کہ حضرت والا کی قرأت کو گراموفون میں بھر لیا جائے مگر چونکہ شرعاً جائز نہ تھا۔ اس لئے اُن کو منع فرما دیا گیا۔ جب حضرت والا پانی پت تشریف لیگئے تو وہاں کے قراء نے بھی جن کو بجا طور پر اپنے مخارج کی صحت پر ناز ہے حضرت والا کی صحت مخارج کی بہت تحسین فرمائی۔ لکھنؤ میں مولانا عین القضاۃ صاحب رحہ نے جنھوں نے بہت اعلیٰ پیمانہ پر قرأت کا مدرسہ قائم فرمایا تھا اور جو اب تک موجود ہے اتفاق سے فجر کی نماز میں حضرت والا کا قرآن شریف سنا اور سُن کر بہت اشتیاق کے ساتھ حضرت والا سے مستقلاً کچھ قرآن شریف سننے کی خواہش ظاہر فرمائی چنانچہ حضرت والا نے خود ہی مولانا کی خدمت میں تشریف لیجا کر پورے تین رکوع سنائے تاکہ اُن کا جی بھر جائے۔ مولانا سُن کر بہت محظوظ ہوئے۔ ایک صاحب ورد کا قول یاد آیا خود احقر سے فرمایا کہ مولانا قرآن شریف کیا پڑھتے ہیں ذبح کرتے ہیں اور واقعی بعض مخصوص اوقات میں تو اکثر یہی کیفیت ہوتی ہے۔ مثلاً نماز فجر کی طویل قرأت میں یہاں تک کہ بعض رقیق القلب مقتدیوں پر شدت کے ساتھ نماز میں گریہ بھی طاری ہو ہو جاتا ہے۔ غرض اللہ تعالےٰ نے حضرت والا کو ہر فن کے لئے ایسے اساتذۂ کاملین عطا فرمائے تھے جو اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اور حضرت والا پر اُن کی اسقدر توجہات وعنایات تھیں کہ کسی دوسرے شاگرد پر اتنی نہ تھیں اور حضرت والا کو بھی اپنے اساتذہ سے اتنا شدید تعلق تھا کہ دوسروں کو نہ تھا بس یوں کہا جائے کہ عشق تھا چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے پڑھنے میں کبھی محنت نہیں کی جو کچھ اللہ تعالےٰ نے

عطا فرمایا اساتذہ اور بزرگوں کے ساتھ ادب و محبت کا تعلق رکھنے کی بدولت عطا فرمایا اور الحمد للہ میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنے کسی بزرگ کو ایک منٹ کے لئے بھی ناراض نہیں کیا اور جتنا میرے قلب میں بزرگان دین کا ادب ہے آجکل شاید ہی کسی کے دل میں اتنا ہو۔ حضرت والا کی خدمت میں بیٹھنے والے اور ملفوظات سننے والے بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت والا سراپا ادب ہی ادب ہیں بمصداق ع طرق العشق کلہ آداب۔ اور اس ادب بزرگان ہی کی بدولت حضرت والا کو یہ کمالات ظاہری و باطنی نصیب ہوئے ہیں حسب الارشاد مولانا رومی رح ؎

از ادب پر نور گشت است این فلک　　　وز ادب معصوم و پاک آمد ملک

ذالك فضل الله یوتیہ من یشاء۔ حضرت والا کے سامنے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح خاص طور پر بہت ہی زیادہ علوم و معارف بیان فرمایا کرتے تھے کیونکہ مولانا کو معلوم تھا کہ حضرت والا کو علوم سے دلچسپی بھی ہے حقائق سے مناسبت بھی ہے اور غوامض کو سمجھتے بھی ہیں اور قدر بھی کرتے ہیں غرض مثنوی شریف کا یہ شعر صادق آتا تھا ؎

بالب دمساز خود گر جفتمے　　　ہمچو نے من گفتنیہا گفتمے

چنانچہ ایک کم فہم شخص نے مولانا رح سے پوچھا کہ حیض کے زمانہ میں نمازوں کی تو قضا نہیں لیکن روزوں کی قضا ہے اس کی کیا وجہ۔ فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ اگر اس پر عمل نہ کرو گے تو اتنی جوتیاں لگیں گی کہ سر پر ایک کیل بھی نہ ملے گی اس کو تو یہ جواب دیا اور پھر کسی موقع پر حضرت والا نے یہی پوچھا تو وجہ کی نہایت لطیف تقریر فرمائی۔ وہ شخص چونکہ اس تقریر کا اہل نہ تھا اس لئے اس کو وہ جواب دیا کیونکہ ؎

فہم سخن تا نکند مستمع　　　قوت طبع از متکلم مجو

حسب ارشاد حضرت مولانا رومی رح ؎

ہر کہ او از ہم زبانے شد جدا　　　بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا

حضرت والا اکثر اپنے اساتذہ کرام کے علوم و احوال عالیہ اور تحقیقات عجیبہ و غریبہ بیان فرماتے رہتے ہیں اور اس لطف کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ سننے والوں پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو ہو جاتی ہے اور سلف صالحین کا نمونہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔ ان کے فضائل بیان فرما کر اکثر یہ شعر پڑھ دیتے ہیں۔ ؎

اولئك ابائی فجئنی بمثلهم　　　اذا جمعتنا یا جریر المجامع

اور اُن فضائل کو سننے کے وقت بس ساتھ کے ساتھ یہ مشاہدہ ہوتا چلا جاتا ہے کہ ان سب حضرات کی شانیں حضرت والا کی ذات کے اندر بیّن طور پر مجتمع ہیں بصداق سے

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

اس سے بھی حضرت والا کی قوت آخذہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے نیز حضرات اہل مدرسہ دیوبند کو دیکھ کر حضرت والا نے اپنا قدیم وضع کا غرارہ دار پائجامہ چھوڑ کر تنگ مہری کا پائجامہ پہننا اختیار کر لیا تھا۔ طالبعلمی کے زمانہ میں ہی حضرت والا کی نہایت سادہ وضع اور نہایت سادہ معاشرت تھی چنانچہ ایک بار جبکہ تعطیل میں والد صاحب کی خدمت میں آئے ہوئے تھے یوں ہی سادگی کے ساتھ رضائی لپیٹ رکھی تھی باقاعدہ اوڑھے ہوئے نہ تھے کہ دونوں پلے برابر ہوں لٹکے ہوئے نہ ہوں والد صاحب نے اس ہیئت کو دیکھکر تنبیہ کی کہ میاں تم کو رضائی اوڑھنا بھی نہیں آتا گو حضرت والا اپنے والد ماجد کا بہت ہی ادب فرماتے تھے اور ڈرتے بھی بہت تھے لیکن اُسوقت ایسا اثر ہوا کہ بیساختہ منھ سے یہ نکلا کہ حضرت اگر آپ کو رضائی اوڑھنا ہی سکھانا تھا تو مجھکو مدرسہ دیوبند نہ بھیجتے وہاں تو کسی کو بھی رضائی اوڑھنا نہیں آتا سب ایسی ہی الول جلول ہیں اھ۔ گو حضرت والا کے والد ماجد بہت تیز مزاج تھے لیکن یہ سُن کر خاموش رہے کچھ بولے نہیں اور اُس کے بعد پھر حضرت والا کو کبھی ایسی باتوں پر نہیں ٹوکا ماشاء اللہ بہت ہی دانشمند اور فہیم تھے حقیقت سمجھ گئے۔ حضرت والا آجکل کے طالب علموں کی خوش لباسی اور بناؤ سنگار پر بہت ہی افسوس فرمایا کرتے ہیں۔ اور فرمایا کرتے ہیں کہ یہ دلیل اس کی ہے کہ اُن کی نظر عالی نہیں اور اُن کو علم کا چسکا لگا نہیں ورنہ ایسی اوچھی باتوں اور ادنی چیزوں کی طرف ہرگز التفات نہ ہوتا۔ طالبعلمی کے زمانہ میں ایک بار جناب شیخ الٰہی بخش صاحب مرحوم رئیس میرٹھ کے (جن کے یہاں حضرت والا کے والد ماجد مختار ریاست تھے) بھائی صاحب جناب حافظ شیخ عبد الکریم صاحب جو بزرگوں کے بہت معتقد تھے اور خود بھی حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے بغرض زیارت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رح مدرسہ میں تشریف لائے۔ حضرت والا کی وضع قطع اور طالب علمانہ رنگ دیکھکر حیرت ہو گئی بیساختہ مہتمم صاحب سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے تو لڑکے کو بالکل فنا فی الشیخ کر دیا۔ غرض حضرت والا کو کمالات و برکات اساتذہ و اکابر کا بہت ہی شوق تھا اور ہر وقت یہی دھن رہتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا جو سب دیکھ رہے ہیں کہ حضرت والا کی ذات عالی صفات آج بحمد اللہ بتوجہات حضرات اکابر

بے نظیر کمالات کا مجموعہ ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

باب ہشتم

"درس وتدریس"

بعد فراغ درسیات حضرت والا چودہ[۱۴] سال تک بمقام کانپور درس وتدریس میں مشغول رہے اور اس درمیان میں اپنے مواعظ حسنہ اور تصانیف مفیدہ سے بھی وہاں کے مسلمانوں کو مستفیض فرماتے رہے۔ علاوہ بریں افتاء کا کام بھی اپنے ذمہ لے رکھا تھا اور فتووں کی نقل بھی مدرسہ میں محفوظ رکھی جاتی تھی جن کا ایک بڑا مجموعہ ہو گیا تھا۔

کانپور تشریف لانے کی صورت یہ ہوئی کہ مدرسہ فیض عام جو کانپور کا سب سے قدیم مدرسہ دینیہ تھا اس کے صدر مدرس جناب مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ایک مشہور اور جامع بالخصوص ماہر معقولات عالم تھے کسی وجہ سے ناراض ہو کر مدرسہ سے علیحدہ ہو گئے اور انھوں نے ایک دوسرا مدرسہ "دار العلوم" قائم کر لیا۔ چونکہ طلبا میں اُن کا بہت شہرہ تھا اسلئے اُن کی جگہ بیٹھ کر درس دینے کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی اور اسی وجہ سے وہاں جانے کیلئے کوئی تیار نہ ہوتا تھا لیکن چونکہ حضرت والا کو اس صورت حال کی خبر نہ تھی لہذا جب وہاں سے ایک مدرس کی طلبی ہوئی تو اخیر صفر ۱۳۰۱ھ میں باجازت والد ماجد وبارشاد حضرات اساتذۂ کرام بے تامل تشریف لے گئے اور درس دینا شروع کر دیا تنخواہ صرف ۲۵ پچیس روپیہ ماہوار تھی جو گو اُس وقت کے لحاظ سے کچھ ایسی کم نہ تھی لیکن حضرت والا کے کمالات اور والد ماجد کے تمول کے لحاظ سے کچھ بھی نہ تھی۔ پھر بھی حضرت والا نے اس کو بہت بڑی تنخواہ سمجھا کیونکہ فرماتے ہیں کہ میں جب کبھی طالب علمی میں سوچا کرتا تھا تو زیادہ سے زیادہ دس۱۰ روپیہ ماہوار کی مدرسی اپنی ضروریات معاش کے لئے کافی سمجھتا تھا یا نچروپیہ اپنے خرچ کے لئے اور پانچروپیہ گھر میں کے خرچ کیلئے بس اس سے زیادہ کی تنخواہ پر کبھی نظر ہی نہ جاتی تھی نہ اس سے زیادہ کا اپنے کو میں مستحق سمجھتا تھا گو حضرت والا اُس وقت بالکل نوجوان اور سبزہ آغاز تھے لیکن کانپور پہونچکر وہاں کے جملہ مدرسین اور اہل شہر میں بہت جلد شہرت ہو گئی اور

عام طور پر ہر دلعزیز ہو گئے حتیٰ کہ مولانا احمد حسن صاحبؒ بھی بہت محبت اور وقعت سے پیش آنے لگے۔

جب حضرت والا کو فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہی مدرسہ فیض عام میں بڑی بڑی کتابیں پڑھانے کو ملیں تو چونکہ اس سے قبل کبھی مدرسی کی ہی نہ تھی اور تحصیل علم بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ نہ کی تھی اس لئے بہت گھبرائے کہ یا اللہ میں ان کتابوں کو کیونکر پڑھا سکوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور دعا کے بعد جو پڑھانے بیٹھے تو بفضلہ تعالیٰ کوئی دقت واقع نہ ہوئی اور بہت آسانی کے ساتھ پڑھاتے چلے گئے۔ اسی طرح وقتاً فوقتاً غیب سے حضرت والا کی تسلی اور ہمت افزائی ہوتی رہی چنانچہ دو خواب خود حضرت والا کے الفاظ میں اصدق الرؤیا سے نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱) احقر نے جب حدیث کا درس شروع کیا تو اُستاذی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے اسطرح مشرف ہوا کہ میرے روبرو ایک جماعت صحیح بخاری پڑھنے والوں کی موجود ہے اور ایک نسخہ بخاری کا میرے سامنے ہے جس میں دیکھکر درس دیتا ہوں اور میری برابر میں حضرت استاذی الممدوح تشریف رکھتے ہیں اور غالباً آپ کے پاس بھی ایک نسخہ بخاری شریف کا ہے اور میں جو بیان کرتا ہوں مولانا اُس کی تقریر فرماتے ہیں۔ انتہیٰ

(۲) ایک مقام ہے جیسے کانپور میں جناب عبدالرحمٰن خاں صاحب بانی مدرسہ جامع العلوم کانپور کا چھوٹا مطبع وہاں کوئی کے پاس حضرت ابن عباس رضؓ کھڑے ہیں اور میں قریب ہوں۔ اس کے بعد سے مجھ کو مناسبت تفسیر کا ظن غالب ہو گیا اھ۔

اس مناسبت تفسیر کی بشارت حضرت والا کے پیر و مرشد نے بھی قیام مکہ معظمہ کے زمانہ میں بالتصریح دی تھی جس کا ذکر باب شرف بیعت و استفاضۂ باطنی میں آئے گا۔

مدرسۂ فیض عام میں تین چار ماہ کام کرنے کے بعد حضرت والا کا اس مدرسہ سے دل برداشتہ ہو گیا جس کا بڑا سبب یہ ہوا کہ حضرت والا اپنے وعظوں میں چندہ کی تحریک نہ فرماتے تھے کیونکہ حضرت والا کو تحریک چندہ سے اُس زمانہ میں بھی بوجہ غیرت کے سخت طبعی نفرت تھی جو ابتک موجود ہے بلکہ اس کو غیرت دینی کے بھی خلاف سمجھتے ہیں اور تحریک خاص کو تو بوجہ دباؤ کے جائز بھی نہیں سمجھتے۔ غرض حضرت والا کا اُسوقت بھی وہی رنگ طبیعت اور وہی طرز عمل تھا جو اب ہے۔ اراکین مدرسہ نے اس عدم تحریک چندہ کی آپس میں بیٹھکر کچھ شکایت کی۔ کسی نے اس کی اطلاع حضرت والا کو کر دی حضرت والا کو نہایت ناگوار ہوا اور جواب میں فرمایا کہ اگر مجھے

چندہ ہی کے لئے وعظ کہنا ہے تو میں چندہ اپنے ہی لئے کیوں نہ جمع کروں ۔ اور فرمایا کہ یہ کام میرا نہیں ہے بلکہ خود اراکین مدرسہ کا ہے میرا کام تو پڑھانا ہے ۔ اور اس پر یہ حکایت بیان فرمائی کہ اگر علماء سے پڑھانیکا بھی کام لیا جائے اور چندہ جمع کرنیکا بھی تو اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے اکبر بادشاہ نے خوش ہو کر کسی بھانڈ کو شاہی ہاتھی انعام میں دیدیا تھا ۔ اب وہ اس کو کھلائے کہاں سے ۔ بالآخر اس نے یہ ترکیب کی کہ اس کے گلے میں ایک ڈھول لٹکا کر شاہی سڑک پر چھوڑ دیا جہاں سے شاہی سواری نکلتی تھی ۔ بادشاہ نے جو دیکھا کہ شاہی ہاتھی اس طرح مارا مارا پھر رہا ہے تو بھانڈ کو بلا کر اس سے اس کا سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ حضور میں یہ نہ کرتا تو اور کیا کرتا ۔ اگر اپنے گھر باندھتا تو پھر اس کو کھلاتا کہاں سے ۔ میرے پاس بھلا کیا رکھا ہے روز کمانا روز کھانا جب میں نے کوئی صورت نہ دیکھی تو گلے میں ڈھول ڈال کر اس کو چھوڑ دیا ۔ اور کہدیا کہ جا بجا تو بھی میری طرح بس گا اور بجا مانگ اور کھا ۔ تو آپ لوگ بھی بس یہی چاہتے ہیں کہ ہم ہی پڑھائیں بھی اور ہم ہی چندہ مانگ مانگ کر اپنی تنخواہیں بھی وصول کریں ۔ گو یہ نہایت معقول بات تھی لیکن اراکین مدرسہ نے اس کا آپس میں چرچا کیا جو حضرت والا کو ناگوار ہوا اور استعفاء دیدیا ۔ اُنھوں نے بعد کو بہت معذرت بھی کی لیکن حضرت والا نے اس بناء پر کہ یہ ناقدرے لوگ معلوم ہوتے ہیں ان سے میرا نباہ مشکل ہوگا رہنا منظور نہ فرمایا ۔

اس کے متعلق حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ وہ زمانہ ذرا جوانی کے جوش وخروش کا بھی تھا اور اصل وجہ تو یہ تھی کہ نوکری ہی میرے مزاج کے خلاف تھی ۔ جب میں نے والد صاحب کو یہاں کی شکایت لکھی تو انھوں نے ان لوگوں کی سب باتوں کی توجیہات لکھکر بھیجیں اور لکھا کہ ابھی وہیں رہو علٰحدگی اختیار کرنے میں عجلت مناسب نہیں کیونکہ ہیں تو نوکری مقصود ہی نہیں اللہ تعالےٰ نے سب کچھ دے رکھا ہے ۔ ہمنے تو محض اس لئے تم کو اجازت دیدی تھی کہ اچھا ہے ابھی کتابیں تازہ ہیں پڑھانے سے پختہ ہو جائیں گی ۔ اگر تم نے نوکری چھوڑ دی تو پھر پڑھانے کا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے گا اور سب پڑھا لکھا نسیاً منسیاً ہو جائے گا ۔ کیونکہ بدون پابندی کے تم پڑھاؤ گے نہیں اور اگر مدرسہ میں رہو گے تو پھر پابندی کرنی پڑے گی ۔ مگر چونکہ حضرت والا کا دل برداشتہ ہو چکا تھا لہذا مدرسہ فیض عام کا تعلق چھوڑ ہی دیا ۔ اور واپسی وطن کا قصد فرمالیا لیکن قبل روانگی جی چاہا کہ یہیں سے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنج مرادآبادی کی زیارت کر آئیں ورنہ پھر نہ جانے اس طرف کبھی آنا ہو یا نہ ہو ۔

چنانچہ حضرت والا گنج مرادآباد تشریف لیگئے ۔ اُدھر تو حضرت والا روانہ ہوئے اور ادھر

جناب عبدالرحمن خانصاحب مرحوم ومغفور اور حاجی کفایت اللہ صاحب مرحوم ومغفور نے جن کو حضرت والا کے ساتھ بہت ہی محبت اور عقیدت ہو گئی تھی آپس میں مشورہ کیا کہ ایسے مولوی کہاں ملتے ہیں ان کو یہاں سے جانے نہ دیا جائے اور ان کے لئے ایک الگ مدرسہ کھولا جائے کیونکہ ہمارے شہر میں جتنے مدرسے ہیں اُن میں زیادہ تر معقولات ہی پڑھائی جاتی ہیں۔ ایک ایسے مدرسہ کی بھی سخت ضرورت ہے جس میں دینیات کا پورا انصاب ہو لہذا ان دونوں صاحبوں نے حضرت والا کی تنخواہ پچیس۲۵ روپیہ ماہوار کا اس طرح انتظام کیا کہ بیس۲۰ روپیہ ماہوار تو خانصاحب نے اور پانچ روپیہ ماہوار حاجی جی نے اپنے ذمہ رکھے پھر بعد کو چندہ بھی جمع کیا جانے لگا لیکن حضرت والا نے کبھی اپنی طرف سے چندہ کی تحریک نہیں کی۔ وہی دونوں صاحب اپنے طور پر تحریک کرتے رہے ۔ غرض جب حضرت والا گنج مراد آباد سے واپس تشریف لائے تو اُن دونوں صاحبوں نے اصرار کر کے روک لیا۔ اور حضرت والا جامع مسجد محلہ ٹپکا پور میں درس دینے لگے ۔ اور ایک نیا مدرسہ قائم ہو گیا اس مدرسہ کا نام جامع معقولات و دینیات ہونے کی بنا پر نیز جامع مسجد کی مناسبت سے حضرت والا نے "جامع العلوم" رکھا جو ابتک بفضلہ تعالیٰ اسی نام سے قائم ہے۔ شروع شروع میں طلبہ کو حضرت والا سے پڑھتے ہوئے شرم آتی تھی کیونکہ حضرت والا بالکل نو عمر اور سبزہ آغاز تھے۔ چنانچہ کئی سال تک طالب علم کم تعداد میں رہے پھر جب داڑھی بڑی ہو گئی تو کثرت سے طلبہ آنے لگے ۔ حضرت والا نے فرمایا کہ جب میں کانپور گیا ہوں تو گو اُس وقت میری عمر بہت کم تھی مگر الحمدللہ ابتدا ہی سے وہاں کے لوگ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے اور بڑی تعظیم وتکریم کے ساتھ پیش آتے تھے ۔ عمر بڑھنے سے کوئی بات بڑھی نہیں موافق اور مخالف سبھی کے دلوں میں اللہ تعالے نے محبت ڈالدی تھی۔ جو مخالف مشرب کے تھے گو عقیدت تو تھی نہیں لیکن محبت ان کو بھی تھی اور مجھے محبت ہی کی زیادہ قدر ہوتی ہے کیونکہ محبت میں بے تکلفی اور برابر کا تعلق ہوتا ہے جس سے بڑی راحت رہتی ہے بخلاف اس کے عقیدت سے قلب پر گرانی ہوتی ہے ۔ خواہ مخواہ بننا پڑتا ہے کہ کہیں عقیدت میں فرق نہ آجائے اور محبت تو عدم عقیدت کی حالت میں بھی نہیں جاتی۔

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ کانپور والوں نے میرے ساتھ ایسی محبت اور تعظیم و تکریم کا برتاؤ کیا کہ میں اپنے وطن کو بھی بھول گیا ۔ اور جتنا وہاں جی لگتا تھا اپنے وطن میں بھی نہ لگتا تھا اتنی محبت تھی کہ میں نے اپنے برتنوں پر بھی بجائے اپنے نام کے لفظ "کانپور" کھدوایا تھا

اب بھی جوان برتنوں کو دیکھ لیتا ہوں تو کانپور یاد آجاتا ہے اگر حضرت حاجی صاحب رح کا ایما نہ ہوتا تو میں تو عمر بھر بھی کانپور کو نہ چھوڑتا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میری اتنی جو شہرت ہوئی تو وہ کانپور والوں ہی کی بدولت ہوئی ورنہ میں واقعی اس درجہ کا شخص ہرگز نہ تھا اور نہ اب ہوں۔ مجھے اب بھی کانپور والوں سے بہت محبت ہے اور میں اُن کا بہت ممنون ہوں۔ کچھ منجانب اللہ اُن کے قلوب میں عام طور سے میرے ساتھ ایسی محبت ہو گئی تھی کہ اختلاف مشرب بھی اُس سے مانع نہ رہا تھا۔ اھ چنانچہ حضرت والا کو ابتداءً جو ایک مولود شریف میں شرکت کا اتفاق ہوا تو قیام نہ فرمایا کیونکہ اپنے حضرات کا معمول نہ تھا بس سارے مجمع میں صرف حضرت والا ہی ایک تھے جو بیٹھے رہے باقی سب نے قیام کیا کیونکہ سب قیام کرنیوالے ہی تھے۔ حضرت والا کے ایک شاگرد نے عربی میں کہا کہ اس وقت بیٹھا رہنا مناسب نہیں لیکن حضرت والا نے نہیں مانا اور فرمایا لا طاعة للمخلوق بمعصیت الخالق۔ پھر وہ شاگرد بھی بیٹھے رہے بعد کو معلوم ہوا کہ ایسے کئی موقعوں پر وہاں کے لوگ نہ کھڑے ہونے والوں کو پیٹ بھی چکے تھے۔ کیونکہ انھیں اس امر میں بہت غلو تھا مگر حضرت والا سے کسی کو کچھ کہنے کی بھی ہمت نہ ہوئی کیونکہ قلوب میں عام طور سے بہت محبت و عظمت تھی البتہ کن انکھیوں سے برابر دیکھتے رہے بلکہ عبدالرحمن خاں صاحب کے صاحب زادے اور دیگر مقتدر صاحبان بھی باوجودیکہ اسی خیال کے تھے مگر کہنے لگے کہ اگر ہمیں یہ خبر ہوتی کہ مولنا نہیں کھڑے ہوئے تو ہم بھی نہ کھڑے ہوتے۔ اس سے حضرت والا کی محبوبیت کا اندازہ فرما لیا جاوے کہ یہ حضرات اپنے مشرب کے خلاف بھی کرنے کو تیار تھے۔

حضرت والا نے کچھ دن کے بعد یہ چاہا کہ بلا اُجرت تعلیم دوں گو متاخرین نے تنخواہ لیکر دینیات کی تعلیم دینے کے متعلق بضرورت دین جواز کا فتوٰی دیدیا ہے لیکن حضرت والا کو یہ پسند نہیں تھا اس لئے جامع العلوم کے تعلق کے زمانہ میں خیال پیدا ہوا کہ حکیم عبدالمجید خاں صاحب مرحوم دہلوی کے یہاں جاکر فن طب حاصل کریں پھر مطب کی آمدنی سے تو بسر اوقات کریں اور محض لوجہ اللہ علم دین پڑھائیں۔ چنانچہ والد صاحب کو لکھا اُنھوں نے بخوشی اجازت دیدی اور چونکہ بہت محبت فرماتے تھے لکھا کہ میں اپنے ایک گاؤں گدائے کھیڑہ کی آمدنی تمہارے اخراجات کے لئے مقرر کئے دیتا ہوں۔ غرض حضرت والا نے دہلی جاکر طب پڑھنی شروع کردی لیکن کانپور کے حضرات نے وہاں پہونچکر مدرسہ کے لئے حضرت والا کی بہت سخت ضرورت ظاہر کی اور بہ اصرار واپس تشریف لے چلنے کیلئے عرض کیا اُدھر جناب مولوی حکیم جمیل الدین صاحب

غازیپوری نے جو مدرسہ دیوبند میں حضرت والا کے ہم سبق تھے نہایت زور دے کر یہ فرمایا کہ طب کا مشغلہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے کیونکہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ مطب کے ساتھ دین اور علم دین کی خدمت ہرگز نہیں کیجا سکتی۔ غرض حضرت والا نے قصد واپسی فرمالیا لیکن چونکہ جناب حکیم عبد المجید خاں صاحب مرحوم باوجود اس کے کہ نہایت مستغنی المزاج تھے اور حضرت والا نے صرف پندرہ دن ہی اُن سے طب پڑھی تھی حضرت والا پر غایت درجہ شفقت وعنایت فرمانے لگے تھے اس لئے حضرت والا نے بطور خود ترک تحصیل طب کردینے کو خلاف تہذیب و مروّت سمجھا۔ لہذا جو بلانے آئے تھے اُن سے فرمایا کہ اگر حکیم صاحب اجازت دیدیں تو میں چلنے کو تیار ہوں چنانچہ حکیم صاحب سے پوچھا گیا تو انھوں نے یہ کہکر اجازت دیدی کہ خیر اگر اپنی ترقی کرنا نہیں چاہتے تو اختیار ہے چلے جائیں۔ چنانچہ حضرت والا کانپور واپس تشریف لے آئے اور آکر پھر بدستور سابق درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔

حضرت والا اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ حکیم مولوی جمیل الدین صاحب کو اللہ تعالےٰ جزائے خیر دے اُنھوں نے مجکو یہ مشورہ دیکر میرے اوپر بڑا احسان کیا۔

جناب حکیم عبد المجید خاں صاحب مرحوم کو باوجود اتنے بڑے اور مشہور آدمی ہونے کے حضرت والا کے ساتھ اتنا تعلق ہو گیا تھا کہ جب حضرت والا تھانہ بھون آکر مقیم ہوئے تو حکیم صاحب نے تھانہ بھون آکر ملنے کا قصد کیا اور ایک تھانہ بھون کے صاحب سے جو دہلی میں رہتے تھے پوچھا کہ تھانہ بھون حاضر ہونے کے کیا قواعد ہیں؟ اُنھوں نے کہا کہ وہ تو آپ کے شاگرد ہیں آپ کے لئے قواعد کیا ہوتے۔ تو فرمایا کہ نہیں بھائی اُستادی شاگردی الگ چیز ہے اور یہ راستہ الگ چیز ہے۔ میں تو وہاں اُسی طرح جاؤں گا جیسے معتقدین جاتے ہیں مگر بیچاروں کو آنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ پھر کچھ ہی دن بعد انتقال ہو گیا۔ کیا انتہا ہے اس تواضع اور سلامت فطرت کی۔ حضرت والا نے اس واقعہ کو حکیم صاحب کے انتقال کے بعد سنا تو بہت افسوس کے ساتھ فرمایا کہ اگر مجکو اُن کا یہ خیال قبل انتقال معلوم ہو جاتا تو میں خود ہی پہونچکر اُن سے عرض کرتا کہ لیجئے حضرت آپ کے لئے میرے پاس آنے کے بس یہ قواعد ہیں یعنی خود حاضر ہو گیا۔

اہل کانپور کو حضرت والا کی واپسی پر بیحد مسرت ہوئی اور گویا بزبان حال یہ شعر پڑھنے لگے

س باز آمد شاہ من در کوے من   باز آمد آب من در جوے من

اور حضرت والا کے پیر و مرشد شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ العزیز نے بھی اسپر اپنے ایک مکتوب میں بہت اظہار مسرت فرمایا جس کا اقتباس باب "شرف بیعت"

واستفاضۂ باطنی" میں زیر عنوان "اقتباسات مکتوبات امدادیہ" ملاحظہ سے گذرے گا۔

حق تعالےٰ نے حضرت والا کو شروع ہی سے ایسی شان محبوبیت عطا فرمائی ہے کہ بچپن سے لیکر اب تک جہاں رہے بفضلہ تعالےٰ محبوب خلائق ہی ہو کر رہے حتیٰ کہ غیر مذہب والوں کو بھی حضرت والا کی جانب بے اختیار میلان اور کشش ہوتی رہی جس کے صدہا واقعات ہیں۔

حضرت والا نے جس کسی سے بھی ملتفت ہو کر دو باتیں فرمالیں بس گویا اُس کا دل مٹھی میں آگیا۔ کانپور میں بھی محبوبیت کا وہ عالم تھا کہ بعض ثقہ لوگوں کو بھی یہ شبہہ ہو گیا تھا کہ کوئی تسخیر کا عمل آتا ہے۔ چنانچہ ایک صاحب نے جو مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ سے بیعت تھے۔ اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ مولانا کے پاس اور حضرت والا کے پاس ضرور کوئی تسخیر کا عمل ہے جبھی تو دونوں کی طرف ایک دنیا کھچی چلی آتی ہے اور حضرت والا کے بہت سر ہوئے کہ ہمیں بھی وہ عمل بتادیجئے۔ حضرت والا نے ہر چند انکار کیا بلکہ قسم بھی کھائی کہ مجھکو تسخیر کا کوئی عمل نہیں آتا محض خدا کا فضل ہے کہ لوگوں کے دلوں میں میری محبت ڈالدی ہے لیکن اُن کی تسلی نہ ہوئی اور برابر اصرار ہی کرتے رہے کہ نہیں بتا ہی دیجئے جب کسی طرح نہ مانے تو حضرت والا نے اُن کو ذکر پاس انفاس بتادیا کہ بس سب سے بڑا عمل یہ ہے۔

ایک بہت بوڑھے اور دبنگ پٹھان تھے جن کو شہر میں بڑی وجاہت حاصل تھی کیونکہ پہلے خود بھی رئیس تھے اور پھر ایک رئیس کے کارندہ ہوگئے تھے مگر آن بان وہی تھی اور سب کو ڈانٹ دیتے تھے۔ نام بھی ہزبر خاں تھا۔ ایک بار اُنھوں نے عشرہ محرم میں آکر حضرت والا سے کہا کہ یہاں کانپور میں شاہ سلامت اللہ صاحب کا دستور تھا کہ اس عشرہ میں شہادت نامہ پڑھا کرتے تھے آپ بھی پڑھیں اگر آپ نہ پڑھیں گے تو لوگوں کو بدگمانی ہوگی کہ یہ اس کے منکر ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ تشبہ بالروافض کی بنا پر ناجائز ہے۔ اسپر اُنھوں نے بُرا مان کر کہا کہ افسوس ہے ہم تو نفع اور مصلحت کی بات بتاتے ہیں اور اُس کو بھی نہیں مانا جاتا۔ حضرت والا نے جواب میں فرمایا کہ افسوس ہے جو بے علم ہیں وہ بھی آجکل اہل علم کو مشورہ دینے لگے ہیں کہ ہم سے پوچھ پوچھ کر دین کے کام کیا کرو۔ اسپر وہ خفا ہو کر چلدئے کہ اچھا ہے نہ مانئے۔ تھوڑی دور جا کر پھر لوٹے اور کہا کہ بڑی مشکل ہے ہماری بات بھی نہیں مانتے اور اب ہم جانا چاہتے ہیں تو جانے بھی نہیں دیتے۔ قدم ہی نہیں اُٹھتے۔ جانے کیا کر دیا۔ پھر حضرت والا سے معافی چاہی۔ اور جب معاف کرالیا تب اُن کو اطمینان ہوا۔

اسی طرح کانپور میں کاکوری کے ایک بہت معزز اور باوجاہت رئیس تھے جن کا نام منشی صفدر حسین تھا۔ ایسے آن بان کے تھے کہ کسی سے ملنے جلنے بھی نہ جاتے تھے اور ہمیشہ اپنے مکان کے سہ منزلہ حصہ پر رہتے تھے اور وہاں سے بہت کم اُترتے تھے۔ بڑے دماغ دار تھے وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت نعوذ باللہ بہت بدگمانی رکھتے تھے اور اپنی مجلس میں خلاف شان کلمات کہتے رہتے تھے

قاضی وصی الدین صاحب جو شہر میں کئی حیثیتوں سے معزز شخص تھے ایک دن حضرت والا کو ان کے پاس لیگئے اور کہا کہ آپ اپنے شبہات ان سے حل کر لیجئے۔ انھوں نے کہا کہ میرے شبہات تاریخی واقعات ہیں ان کو کون حل کر سکتا ہے پھر اُنھوں نے حدیث پڑھی "من سب اصحابی فقد سبنی ومن سبنی فقد سب اللہ" اور یہ ثابت ہے کہ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کی شان میں گستاخی کیا کرتے تھے۔ حضرت والا نے فوراً جواب دیا کہ یہ تو غیر صحابی کے لئے ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بادشاہ یوں کہے کہ اگر کوئی ہمارے شہزادوں کو آنکھ بھر کر دیکھے گا تو ہم اُس کی آنکھیں نکلوالیں گے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر شہزادے بھی آپس میں لڑیں گے تو اُن کی بھی یہی سزا ہوگی۔ چاہے اور کوئی سزا ہو مگر یہ سزا ہرگز مراد نہ ہوگی بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی غیر شخص تیز نظر سے دیکھے گا تو اُس کے لئے یہ سزا ہے۔ جب اس کا اُن سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو اپنی شرم اُتارنے کے لئے ایک ہندو بنگالی بابو سے جو اُس وقت وہاں بیٹھے ہوئے تھے طعن کے طور پر کہنے لگے کہ دیکھئے بابو صاحب ہمارے علماء ذہانت سے کام لیتے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا اور غالباً پکار کر فرمایا تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ غباوت سے کام لیا کریں اسپر وہ خاموش ہو گئے۔

چونکہ اُن کو سب کے سامنے شرمندگی ہوئی اور بڑے آدمی تھے اس لئے حضرت والا نے بغایت حسنِ اخلاق اُس کا کچھ تدارک فرمانا چاہا چونکہ وہ کچھ عملیات جانتے تھے اس لئے انکی شرمندگی مٹانے کے لئے حضرت والا نے اُن سے اپنی ایک احتیاج ظاہر کی کہ مجھے نیند بہت کم آتی ہے۔ اس لئے کوئی عمل تجویز فرما دیجئے۔ اس فرمایش پر اُن کی سب شرمندگی دُھل گئی اور فوراً خوش ہو کر بولے کہ بہت اچھا میں پلیٹ پر کچھ لکھکر بھیجدیا کرونگا اُس کو پی لیا کیجئے گا چنانچہ کئی روز تک اُن کے پاس پلیٹ بھیجی گئی اور وہ پلیٹ لکھ کر بھیجتے رہے پھر تو اُن کو حضرت والا سے اتنا تعلق ہو گیا کہ گاہ گاہ اچھی اچھی چیزیں بھی پکوا کر تحفۃً بھیجا کرتے۔

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میں کانپور میں ہمیشہ محلہ ٹپکاپور ہی میں رہا کیونکہ اس محلہ میں مدرسہ تھا۔ گو اس محلہ کے لوگ عموماً بہت آزاد اور بیباک مشہور تھے لیکن بہ نسبت

اور محلہ کے لوگوں سے بہت سمجھ دار بھی تھے۔ میں ہمیشہ انھیں لوگوں میں رہا لیکن میرے ساتھ تو انکا ہمیشہ نہایت محبت کا برتاؤ رہا۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ میں بھی کسی امر میں اُن کے ساتھ سختی نہ کرتا تھا اور کبھی میں نے ان سے کوئی طمع نہیں کی بلکہ خود ہی وہاں کے غرباء کی خاص خاص مواقع پر امداد کرتا رہتا تھا۔ ایک بار قحط پڑا تو حقوق جوار کی بناء پر میں نے کئی بار چندہ کر کے غربا کو ناج اور کپڑا تقسیم کیا۔

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ایک بار چند عورتیں نیاز دلانے کے لئے جامع مسجد میں کہ اُس وقت طلبہ بھی وہیں رہتے تھے جلیبیاں لائیں۔ طالب علم تو آزاد ہوتے ہی ہیں لیکر بلا نیاز دئے سب کھا بھی گئے کیونکہ بقول حضرت والا انھیں تو ناز تھا نیاز کیا دیتے۔ اسپر بڑی برہمی پھیلی۔ تمام عورتیں اپنے مردوں کو بلا لائیں۔ ایک طالب علم نے بڑی عقلمندی کی کہ فوراً حضرت والا کے پاس دوڑ کر اطلاع کی کہ جلدی چلئے وہاں تو ہنگامہ برپا ہو رہا ہے چنانچہ حضرت والا فوراً تشریف لیگئے اور اُسوقت نہایت حسن تدبیر سے ہنگامہ کو فرو کیا اس طرح کہ دو چار طالب علموں کو تھپڑ لگائے اور خفا ہوئے کہ بلا اذن کسی کی چیز کھا لینا شرعاً جائز کہاں ہے؟ جب حضرت والا طالب علموں کو مارنے لگے تو پھر محلہ والے خود ہی اُن کو بچانے لگے اور حمایت کرنے لگے پھر حضرت والا نے جلیبیوں کی قیمت پوچھکر سب کھانے والوں سے ایک ایک پیسہ لیکر بیس آنے جمع کر کے جلیبیوں کی قیمت ادا کی اس سے سب خوش ہو گئے اور معاملہ وہیں کا وہیں رفع دفع ہو گیا۔ پھر حضرت والا نے اُن لوگوں کو سمجھا دیا کہ بھائی یہاں وہابی رہتے ہیں یہاں فاتحہ نیاز کے لئے کچھ مت لایا کرو اس سے بھی کسی نے حضرت والا کو تو وہابی نہ سمجھا اُن طالب علموں ہی کو سمجھا غرض اس قسم کے برتاؤ سے سب محلہ والے حضرت والا کا دم بھرنے لگے تھے اور محلہ والے ہی کیا سب کانپور والوں کے قلوب میں حضرت والا کی محبت اور عظمت جاگزین ہو گئی تھی۔ کانپور کے قیام کے بعض خاص خاص حالات اور ترک تعلق کانپور کی تفصیلات معلوم فرمانے کے لئے باب "شرف بیعت واستفاضۂ باطنی" ملاحظہ ہو اب اس باب کو حضرت والا کے طرز تعلیم کے متعلق کچھ مختصراً عرض کر کے ختم کیا جاتا ہے

صفر ۱۳۰۱ھ میں حضرت والا کانپور تشریف لائے اور پورے چودہ برس تک ہر طرح کی خدمت دینی بذریعۂ درس و تدریس اور مواعظ و تصانیف اور ارشاد و تلقین بجا لا کر تعمیل ارشاد حضرت پیر و مرشد آخر صفر ۱۳۱۵ھ میں کانپور کا تعلق قطع فرما کر اپنے وطن تھانہ بھون میں قیام پذیر ہو گئے جسکا مفصل حال باب "شرف بیعت واستفاضۂ باطنی" میں درج کیا جائے گا۔

حضرت والا کا طرز تعلیم اس درجہ سلیس اور نفیس تھا کہ جو طالب علم دو چار سبق بھی حضرت والا سے پڑھ لیتا پھر کسی اور اُستاد سے اُس کی تسلی نہ ہوتی۔ چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میں جب پڑھاتا تھا تو اپنے اوپر بہت تعب برداشت کر کے پہلے سے سبق کی تقریر کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتا تھا پھر پڑھاتا تھا اس لئے میری ساری تقریر نہایت سلیس اور سہل اور باترتیب ہوتی تھی جس کی وجہ سے مشکل مضامین بھی طالب علموں کے لئے بالکل پانی ہو جاتے تھے اور بآسانی ذہن نشین ہو جاتے تھے گو مجھ کو تو سہل کر کے تقریر کرنے میں بہت تعب ہوتا تھا لیکن طلبہ کو کسی مقام کے سمجھنے میں ذرا اُلجھن نہ ہوتی تھی چنانچہ صدرا میں ایک مشہور مقام ہے مثناۃ بالتکریر جو بہت ہی مشکل سمجھا جاتا ہے جب کتاب میں وہ مقام آیا تو میں نے قبل اس کے کہ طالب علم کو اُس مقام کی اطلاع دوں اُس کے مضمون کی ایک سلیس تقریر کر دی لیکن یہ نہیں معلوم ہونے دیا کہ یہ تقریر کسی مشکل مقام کے متعلق ہے بلکہ یوں ہی سرسری طور پر اُس مضمون کی تقریر کر دی۔ چونکہ میں نے بہت ہی سہل کر کے تقریر کی تھی طالب علم کی سمجھ میں خوب اچھی طرح آگئی۔ ان طالب علم کا نام مولوی فضل حق تھا وہی مدرسہ جامع العلوم سے سب سے پہلے فارغ التحصیل ہوئے اور بعد فراغ عرصہ تک قنوج میں مدرس بھی رہے جب اُنھوں نے اقرار کر لیا کہ میں خوب سمجھ گیا تب میں نے کہا کہ یہ وہی تو مقام تھا جس کو مثناۃ بالتکریر کہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ چونکتے ہوئے تو میں نے کہا بس بس اب نہ ڈرو اب تو پار ہو گئے۔ پھر میں نے پوچھا کہ اب بتاؤ یہ بھی کوئی مشکل مقام تھا۔ اُنھوں نے کہا اجی ہم کو تو طلبہ نے اس سے بہت ہی ڈرا رکھا تھا لیکن یہ تو کچھ بھی مشکل نہ نکلا۔ اس پر میں نے یہ شعر پڑھا ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا — جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

مقام تو واقعی مشکل تھا لیکن میں نے اس کی تقریر ایسی بے فکری اور سلاست سے کی کہ نہایت سہولت کے ساتھ اُن کی سمجھ میں آگئی۔ البتہ خود مجھ کو سہل کر کے بیان کرنے میں بہت تعب اُٹھانا پڑا۔ دوسرے کا بوجھ میں نے اپنے اوپر لے لیا۔ اور میں پڑھانے میں ہمیشہ یہی کرتا تھا اور آجکل اساتذہ اپنے اوپر ذرا مشقت نہیں ڈالنا چاہتے۔ بات یہ ہے کہ شفقت نہیں رہی محض ضابطہ پر ہی رہ گئی ہے۔ اتفاق سے مولوی فضل حق کے سالانہ تحریری امتحان میں مثناۃ بالتکریر ہی کے متعلق سوال کیا گیا۔ ممتحن مولانا عبدالغفار صاحب تھے جو کانپور کے ایک مشہور ذکی اور جامع عالم تھے چونکہ مولوی فضل حق نے اُس مقام کو مجھ سے اچھی طرح سمجھ لیا تھا اس لئے

انھوں نے اُس کی اسقدر اچھی تقریر لکھی کہ مولانا کو بہت پسند آئی اور اُس کی بڑی تحسین فرمائی نیز حضرات مدرسہ نے بھی اُس کو طالب علموں کے لئے اسقدر مفید سمجھا کہ اُس کو مدرسہ میں محفوظ رکھ لیا گیا۔ اور واقعی وہ اسی قابل تھی۔ چنانچہ حال ہی میں نے اُس کو بذریعہ مولانا سعید احمد صاحب لکھنوی جو کچھ دن ہوئے جامع العلوم کے مدرس اول تھے کاغذات میں تلاش بھی کرایا لیکن افسوس ہے وہ ملی ہی نہیں ورنہ وہ طالب علموں کے لئے بڑے کام کی چیز ہوتی اھ احقر مؤلف نے اپنی اس موجودہ رخصت طویلہ میں حسب ایما حضرت والا کچھ عربی پڑھنا شروع کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ مجھکو فرصت نہیں ہے نہ قوت ورنہ میں خود آپ کو پڑھاتا اور بہت جلد چل نکلتے بالخصوص منطق کی اگر ایک کتاب بھی مجھ سے پڑھ لی جاتی تو پھر کسی دوسری کتاب کی چنداں ضرورت باقی نہ رہتی اور منطق سے پوری مناسبت پیدا ہو جاتی اھ۔ حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے پڑھانے وقت ضرورت سے زائد کبھی تقریر نہیں کی صرف حل کتاب پر اکتفا کیا۔ زوائد سے طالب علموں کا کبھی وقت ضائع نہیں کیا۔ اور میں اسی کی تاکید اپنے ماتحت مدرسین پر بھی رکھتا تھا بلکہ کبھی کبھی جا کر اُن کے پڑھانے کی جانچ بھی کیا کرتا تھا۔ اساتذہ زیادہ تر اپنی قابلیت کے اظہار کے لئے نکات و دقائق کی تقریریں کیا کرتے ہیں جن سے کتاب کے اصل مطلب میں بھی خلط ہو جاتا ہے۔ بعض یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ جب تک اس قسم کی تقریریں نہ کی جائیں اُستاد کی مہارت کے متعلق طلبہ کی تسلی نہیں ہوتی لیکن طلبہ کی یہ تسلی دیکھنی چاہئے یا اُن کا نفع۔ اُن کا نفع تو اسی میں ہے کہ اصل کتاب کو اچھی طرح حل کر دیا جائے کیونکہ استعداد اسی سے پیدا ہوتی ہے اور جب استعداد پیدا ہو جائے گی تو پھر نکات و دقائق خود ہی سمجھ میں آنے لگیں گے۔ لہذا اُستاد کا اصل مطمح نظر یہی ہونا چاہئے اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ یہ جو نئے نئے طریقے ہفتہ وار مشق تقریر و مناظرہ کے لئے نکلے ہیں ان کی ضرورت نہیں بلکہ یہ مضر ہیں۔ اس لئے کہ ہفتہ بھر تک بجائے اسباق کی طرف متوجہ رہنے کے اسی کی تیاری میں رہتے ہیں۔ اول تو اس قسم کی مشق کرانے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ جب کتابیں خوب اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لی جائیں گی تو تقریر تحریر مناظرہ سب کی استعداد خود بخود ہی پیدا ہو جائے گی اور اگر ایسا ہی شوق ہے تو جو طالب علم جو کتاب پڑھ رہا ہو اُسی کے متعلق اُس سے تقریر کرالی جایا کرے۔ اس سے تقریر کی بھی مشق ہو جائے گی اور حرج بھی نہ ہو گا بلکہ کتابیں اور پختہ ہو جائیں گی اھ۔ حضرت والا اپنے تجربہ کی بنا پر طالب علموں کو بھی یہ ہدایت فرمایا کرتے ہیں کہ بس تم تین باتوں کا التزام کر لو پھر میں ٹھیکہ لیتا ہوں اور ذمہ دار ہوتا ہوں کہ تمہیں

استعدادِ علمی حاصل ہو جائے گی اول یہ کہ جو سبق پڑھنا ہو اُس کا مطالعہ ضرور کر لیا جائے اور مطالعہ کوئی مشکل کام نہیں کیونکہ مطالعہ کا مقصود صرف یہ ہے کہ معلومات اور مجہولات متمیز ہو جائیں۔ بس اس سے زیادہ کاوش نہ کرے۔ پھر سبق کو اُستاد سے اچھی طرح سمجھ کر پڑھے بلا سمجھے آگے نہ چلے اگر اس وقت اُستاد کی طبیعت حاضر نہ ہو تو کسی دوسرے وقت سمجھے اُسکے بعد ایک بار خود بھی مطلب کی تقریر کرے بس ان تینوں التزامات کے بعد بے فکر رہے چاہے یاد رہے یا نہ رہے انشاء اللہ تعالیٰ استعداد ضرور پیدا ہو جائے گی یہ تینوں باتیں تو درجہ وجوب میں ہیں اور ایک بات درجۂ استحباب میں ہے وہ یہ کہ کچھ آموختہ بھی روزانہ دوہرالیا کرے اھ غرض حضرت والا فن درس وتدریس میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے بلکہ اب بھی مجلس شریف میں اکثر مضامین طلبہ کے کام کے بیان فرماتے رہتے ہیں اور ایسے ایسے نکات و دقائق علمیہ بیان ہوتے رہتے ہیں کہ بڑے بڑے اساتذہ اُن سے مستفید ہو کر جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک بار جناب مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی مدت فیوضہم سے اُن کے بعض احباب مدرسین نے کہا کہ تم تعطیلات میں تھانہ بھون کیوں جایا کرتے ہو یہیں رہ کر مطالعہ کتب کیوں نہیں کیا کرتے جس سے تمھاری معلومات علمیہ بڑھیں۔ مولانا محمد شفیع صاحب نے اس قول کو حضرت والا سے نقل کیا تو حضرت والا نے اُن سے دریافت فرمایا کہ منافع باطنیہ کو تو خیر رہنے دیجئے یہ بتائیے کہ یہاں کے تعلق کے بعد کتابوں کے پڑھانے میں بھی آپ کو بہ نسبت پہلے کے کچھ اعانت ہوئی۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ حضرت بہت زیادہ اعانت ہوئی اور کھلا فرق محسوس ہوتا ہے فرمایا کہ بس اب اس کا جواب یہی دیدیا کیجئے کہ میں وہاں مطالعہ ہی کے لئے جایا کرتا ہوں۔ واقعات وحالات مذکورۂ باب ہذا سے ناظرین نے اندازہ فرما لیا ہو گا کہ حضرت والا کو فاضلہ علوم ظاہریہ میں بھی بفضلہ تعالےٰ مہارت تامہ حاصل ہے۔ اور گو اب عرصۂ دراز سے زیادہ تر ارشاد و افاضہ باطنی میں مشغول ہیں لیکن علوم ظاہریہ سے ابتک غایت درجہ دلچسپی ہے اور قلب میں اہل علم کی اسقدر عظمت و محبت ہے کہ اپنے چھوٹوں کا بھی بہت ادب اور احترام فرماتے ہیں۔ اور طالب علموں پر نہایت درجہ شفقت ہے جب وہ دیوبند یا سہارنپور کے مدارس سے تعطیلوں میں کثرت سے آجاتے ہیں تو اپنے قواعد کو بھی کسی قدر نرم فرما دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایک یہی فرقہ تو اپنی برادری ہے ان سے کیا قواعد برتے جائیں۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ کوئی اپنی اصلاح چاہنے لگے تو اس صورت میں البتہ سیاست ہی کی ضرورت ہوتی ہے جیسے اگر کوئی طبیب سے محض ملنے آئے تو اُس کو شربت پلایا جاتا ہے اور اگر

علاج کے لئے آئے تو پھر کڑوی کڑوی دوائیں دیجاتی ہیں اور پرہیزی کھانے بتائے جاتے ہیں۔ نیز حضرت والا ہمیشہ اپنے کو طالب علم کہہ کہکر تحدث بالنعمۃ فرمایا کرتے ہیں اور رسمی درویشی کے طالبوں سے فرمادیا کرتے ہیں کہ مجھے پیر جیون والی درویشی نہیں آتی میں تو ایک طالبعلم ہوں مجھ سے تو قرآن وحدیث کی باتیں پوچھی جائیں مجھے تو سیدھا سادہ قرآن وحدیث ہی آتا ہے اور میں تو اسی کو اصل درویشی سمجھتا ہوں۔ نیز علماء کی اشد ضرورت ظاہر فرمایا کرتے ہیں کہ انھیں کے وجود پر دین کا دارو مدار ہے۔ بلکہ یہانتک فرمایا کرتے ہیں کہ صوفیہ سے زیادہ علماء کی ضرورت ہے کیونکہ انھیں کی بدولت انتظام دین قائم ہے ورنہ کسی کو احکام دین اور اُن کے حدود ہی کا پتہ نہ چلے۔ درویشی تو اس کے بعد کی چیز ہے۔ اور بارہا فرمایا کرتے ہیں کہ میرے قلب میں محبت تو درویشوں کی زیادہ ہے مگر عظمت علماء کی۔ اسی طرح حضرات فقہاء کی خدمات دینی کی بے انتہا تعریفیں فرمایا کرتے ہیں اور غایت درجہ عظمت واحترام کا اظہار فرمایا کرتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ میرے دل میں حضرات صوفیہ کا تو ادب بڑے بھائی کا سا ہے اور حضرات فقہا کا ادب باپ کا سا ہے اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی حضرات صوفیہ کے ساتھ چھوٹے بچے کا سا معلوم ہوتا ہے اور حضرات فقہاء کے ساتھ بڑے لڑکے کا سا کہ حرکتیں تو بچہ کی اچھی معلوم ہوتی ہیں اور اس کو بہت سی باتوں میں غیر مکلف ہی سمجھا جاتا ہے لیکن کام بڑے لڑکے ہی سے لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ حضرات فقہاء کو جزائے خیر و رحمت فرمائے دین کی بڑی ہی خدمت کی ہے اور اُمت کے لئے دین کا راستہ بالکل صاف فرما گئے ہیں ورنہ تاریک رہتا۔ قرآن وحدیث سے مستنبط کرکے ایسے ایسے اصول مقرر فرما گئے ہیں کہ قیامت تک کے لئے کافی ہو گئے ہیں اور کوئی کیسی ہی نئی صورت پیش آئے اُس کا حکم اُنھیں اصول پر بہ آسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ بس دو جماعتیں اُمت کے لئے اللہ تعالےٰ کی بڑی ہی رحمت ہیں حضرات فقہاء اور حضرات صوفیہ یہ حضرات حکماء اُمت ہیں اھ۔ اب آخر میں سند فراغ کے متعلق بھی کچھ لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ حضرت والا کا اہتمام خدمت علوم دینیہ بھی واضح ہو جائے اور مشغولین درس وتدریس کے لئے ایک مفید دستور العمل بھی معلوم ہو جائے۔ مدارس میں عموماً فارغین درسیات ہی کو سند فراغ دی جاتی ہے لیکن حضرت والا کو یہ خیال ہوا کہ اگر کوئی طالب علم بوجہ عدم مناسبت یا عدم دلچسپی یا قلت فرصت معقولات نہ پڑھے لیکن دینیات کی سب درسی کتابیں پڑھے تو کوئی وجہ نہیں کہ اُس کو سند فراغ نہ دی جائے۔ لہذا دونوں کو سند

دی جاتی تھی لیکن فارغ دینیات کی سند کے عنوان میں بجائے لفظ درسیات کے لفظ دینیات ہوتا تھا۔ دونوں کی مطبوعہ سند یکساں تھی جس میں الفاظ بالا کی جگہ چھوٹی ہوئی ہوتی تھی تاکہ جس کو جس قسم کی سند دینی ہو اُس کے مناسب لفظ درسیات یا دینیات لکھ دیا جائے جیساکہ منقولۂ ذیل نمونۂ سند سے واضح ہوگا۔ وھو ھذا۔

سند البلاغ إلى كمال الفراغ من الدرسيات او من الدينيات

بسم الله الرحمٰن الرحيم

يسبح لله ما فى السمٰوات وما فى الارض الملك القدوس العزيز الحكيم ۝ هو الذى بعث فى الاميين رسولا منهم يتلو عليهم اٰياته ويزكيهم ويعلمهم الكتٰب والحكمة وان كانوا من قبل لفى ضلال مبين واٰخرين منهم لما يلحقوا بهم وهو العزيز الحكيم ذٰلك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم وبعد فيقول الفقير الى الله الغنى محمد اشرف على الحنفى التهانوى عفى عنه ما صغر وما كبر ان الله سبحانه وتعالىٰ سمى فى هٰذه الاٰية بعث النبى صلى الله عليه وسلم معلما للكتاب والسنة فضلا عظيما + وكفىٰ بهذا تشريفا للعلم وتعظيما + وان اصل العلوم هو الكتاب والسنة واحتيج فى تفصيل بعض ما اجمل فيها الى القياس واجماع الامة ولكونهما باللغة العربية + افتقر الى الفنون الادبية + ولجمع شتات الفصول + مست الحاجة الى الاصول + ولاقامة الحجة والبرهان + على اهل الزيغ والطغيان + اضطر الى قدر من قواعد الميزان + فهذه العلوم التى قد اشير الى اقسامها + وارتباط ما بينها ونظامها + لابد منها فى احياء الدين + واقامة مراسم الحق واليقين + وما عدا ذٰلك من الفنون الفلسفية + والخرافات السفسطية + فهو فى نفسه جهل وشين + وكذب ومين + وانما يقصد بالتحصيل لغرضين + احدهما وهو لا يتجاوز الطالب البحث عن الشر ليجتنب الضرر كما قال حذيفة رض كان الناس يسئلون رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الخير وكنت اسئل عن الشر مخافة ان يدركنى الخ فكانما عناه القائل بقوله شعر عرفت الشر لا للشر لكن لتوقيه + ومن لا يعرف الشر من الخير يقع فيه + وثانيهما هو المتعدى الى غيره دفع مكائد الفلاسفة وغوائلهم + والقلب عليهم بكفتهم وحبائلهم + ورميهم بقسيهم

وشبههم بعضهم كما قيل **شعر** سلوا سيوف فلاسف بفلاسف + رضخوا بها هامات آل فلاسفا + فالاخذ منها وان كان احكم واشد (بالمعجمة) لكن فيه خطر + والتوقي عنها اسلم واسد (بالمهملة) وهو طريق الحذر + وان اخي في الله ......نام طالب علم کا...... قد ركب الطريق الاشد (وان كان فارغا من الدرسيات) او الاسد عہ (ان كان فارغا من الدينيات) وسلكها بجهد وجد + حتى بلغ مقاطع الحد + من جميع العلوم النافعة + والتي هي للوتب عہ (بالتحتية) رافعة - بمعنى المنزلة (ان كان فارغا من الدرسيات) او للرتب (بالفوقية) رافعة + (بمعنى المعلية ان كان فارغا من الدينيات) التي كتبها بين الطلاب مشهورة + وفي اخر هذه الوريقة مذكورة + ومدة اقامة في هذه المدرسة + التي هي بحمد الله تعالى مغنمة للفضائل ومكسبه + وهي من سنة (كذا) ھ الى السنة (كذا) ھ ولم يزل في اوان تحصيل العلوم يقيم وظائف المدرسة والرسوم + من التدريس والامتحان + والافتاء والوعظ بالسنة والقرآن + فهو بحمد الله تعالى شاب صالح ذو فضائل جليلة + واخلاق جميلة + حرى بان عمم بعمامة الفضيلة + بحضرة العلماء الكرام + والمشائخ العظام + اتباعا لسنة خير الانام + عليه افضل التحية والسلام وهي ما نقل في در المعارف عن الطبراني قال (الراوي) كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يولى واليا حتى يعمم ويرخي سدلها من جانب الايمن نحو الاذن اھ واودعه بقلب كئيب واوصيه وصية المحب الى الحبيب + ان يجعل الشريعة شعاره + والادب دثاره + وان يكون من علماء الآخرة + ولا يبيع الدين بالدنيا فيرجع بصفقة خاسرة + ولا يتقاعد عن خدمة العلم وذويه + ويترفق بالمرتحلين اليه وطالبيه + وان يجتهد ان وفق لعلوم المكاشفة سے + فان العلم ما في القلب لا ما في الشفة + واسأله ان لا ينساني من الدعاء ولو بعض حين + ان يتوفاني الله مسلما ويلحقني بالصالحين + ويجمعنا في جنة الفردوس بخدمة نبينا وحبيبنا وحبيب رب العالمين + سيد الانبياء والمرسلين صلى الله عليه وسلم ابد الآبدين ودهر الداهرين + وكان هذا في شهر كذا تاريخ كذا يوم كذا

عہ وعہ سند مطبوع میں ان دونوں لفظوں میں یہ رعایت کی گئی کہ اس میں اسد غیر منقوطہ اور اسی طرح الربب بلا نقاط فوقانی و تحتانی چھاپا گیا پھر اگر وہ فارغ عن الدرسیات ہوا تو قلم سے اسد میں ج اور الوبب میں نیچے نقطے لگادئے اور اگر فارغ عن الدینیات ہوا تو اسد کو غیر منقوطہ رہنے دیا اور الرتب میں اوپر نقطے لگادئے ۱۲ منہ -

سے المراد مطلق علم الباطن تسمية للكل باسم الجزء ۱۲ منه

سنۃ کذا مقام کذا عدد کذا ۔ وھا قد حان انجاز الوعد فی عد الزبر + ونختمہا لختم الاسطر (اسماء الکتب)

فارغین حدیث کو بھی سند دی جاتی تھی جو بصورت رسالہ مسمیٰ بہ سبع سیارہ طبع کرالی گئی تھی ۔ اُس میں صحاح ستہ اور موطا امام مالک کی سندیں مذکور تھیں چونکہ وہ سند طویل ہے اس لئے اُس کو یہاں نقل نہیں کیاجاتا ۔ ہر قسم کے فارغین کو علاوہ سند کے دستار بھی دی جاتی تھی جس پر طالب علم کا نام مع مدرسہ و سن فراغ ریشم سے لکھا ہوا ہوتا تھا پہلے حافظوں اور ناظرہ خوانوں کو دستار نہ دی جاتی تھی لیکن حضرت والا کو خیال ہوا کہ جب فارغین حدیث کو دستار دیجاتی ہے تو فارغین قرآن کو کیوں نہ دی جایا کرے چنانچہ پھر ان دونوں کو بھی دستار دی جانے لگی ۔ معقولات کے اہم اہم مسائل میں حضرت والا کی خاص رائے تھی جس کی بڑے بڑے اہل علم حضرات بھی بہت تحسین اور تصویب فرماتے تھے ۔ ترک مدرسی کے بعد بھی قیام تھانہ بھون میں حضرت والا کا ایک عرصہ تک یہ معمول رہا کہ اپنے خاص تعلق والوں کو منطق کی کم از کم ابتدائی کتاب خود پڑھا دیتے تھے جس سے انکو منطق سے پوری مناسبت پیدا ہوجاتی تھی پھر دوسری کتابوں میں کہیں نہ رُکتے تھے ۔ حضرت والا نے کم فرصت طلبہ کے لئے ایک خاص مختصر نصاب بھی تجویز فرمادیا ہے جس کا نام "ضمان التکمیل فی زمان التعجیل" ہے اُس کے لئے دس نئی کتابیں بھی تصنیف کرنا پڑیں جن کے مجموعہ کا نام "تلخیصات عشر" ہے اور اپنے بعض اعزہ کو اُس کے مطابق خود تعلیم دیکر اُس کے کافی ہونے کا تجربہ بھی فرمالیا ہے ۔ ان سب واقعات وحالات سے بخوبی ظاہر ہے کہ حضرت والا کو ترک تعلیم و تعلم اور اختیار درویشی کے بعد بھی علوم ظاہرہ سے کس قدر دلچسپی رہی اور ابتک ہے ۔ اور دین کے لئے اُن کو کس قدر ضروری قرار دیتے ہیں ۔

باب نہم ۹

"تلامذہ"

باب سابق کے مطالعہ سے ناظرین کو یہ اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہوگا کہ صرف حضرت والا نے پورے چودہ ۱۴ برس تک کانپور میں قیام فرماکر حسن وخوبی کے ساتھ درس وتدریس کے فیض کو جاری رکھا ۔ اس دوران میں نزدیک ودور کے صدہا طلبہ نے حضرت والا سے علوم فاضلہ حاصل کئے

جن میں سے کثیر التعداد حضرات باقاعدہ فارغ التحصیل ہوکر جامع معقولات و منقولات ہوئے اور ان سے زیادہ تعداد میں اہل علم حضرات نے سند حدیث حاصل کی۔ تلامذہ کی کل تعداد تو معلوم ہو نہ سکی اور بوجہ کثرت کے معلوم بھی نہیں ہو سکتی لیکن مدرسہ جامع العلوم کانپور کے دفتر سے حضرت والا کی صدر مدرسی کے زمانہ کے فارغین کے اسمار گرامی معلوم کر کے اُن کی ایک فہرست؎ سوانح ہذا کے آخر میں ملحق کر دی گئی ہے اور بعد والوں کی تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اُن فارغین میں سے بھی بعض مخصوص حضرات خاص طور سے قابل ذکر ہیں جن کا ذیل میں بقدر ضرورت تعارف کرایا جاتا ہے

(۱) جناب مولانا مولوی محمد اسحق صاحب بردوانی مدت فیوضہم العالیہ

آپ بڑے جید عالم ہیں۔ حضرت والا نے بوقت ترک مدرسی مدرسہ جامع العلوم کانپور میں آپ ہی کو اپنا جانشین اور مدرس اول بنایا تھا۔ آپ مدرسہ کو ایک عرصہ تک حضرت والا ہی کے انداز خاص پر چلاتے رہے پھر مدرسۂ عالیہ کلکتہ میں مدرس دینیات ہوکر تشریف لے گئے وہاں سے مدرسۂ عالیہ ڈھاکہ میں خدمات منتقل ہو گئیں اور کم و بیش پانچسو روپیہ مشاہرہ پر پہونچکر وہیں سے پنشن یاب ہوئے۔

اب طالبان علوم دینیہ کو لوجہ اللہ درس دینے میں مشغول ہیں۔ حافظہ ماشاء اللہ ایسا قوی ہے کہ دوران قیام کانپور میں باوجود مشاغل درس و تدریس صرف چھ مہینہ کے اندر پورا کلام مجید حفظ فرمالیا اور جب کتب درسیہ پڑھاتے تو جو تقریر جو حکایت جو شعر جو لطیفہ جس سبق میں جس موقع پر جس انداز سے حضرت والا کی زبان مبارک سے سنے ہوئے تھے وہی خود بھی بہت ذوق و شوق سے لطف لے لیکر اور حضرت والا کا حوالہ دے دے کر بعینہٖ نقل فرماتے۔ طالب علمی کے زمانہ میں نحو کی مشہور کتاب کافیہ پوری کی پوری حفظ کر لی تھی اور اُس کو بعد فراغ بھی دہراتے رہتے تھے تاکہ محفوظ رہے حضرت والا نے طریق باطن میں بھی انکو اپنا خلیفۂ مجاز بنا دیا ہے۔ اللھم ادم فیضہ وعمم وتمم۔

(۲) جناب مولانا مولوی محمد رشید صاحب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ بڑے ذہین و ذکی اور نہایت خوش فہم اور خوش اخلاق و متواضع تھے مدرسہ جامع العلوم کانپور میں حضرت والا کے سامنے ہی مدرس ہو گئے تھے اور بعد کو جب حضرت والا نے مولانا محمد اسحق صاحب کو مدرس اول بنایا تو ان کو مدرس دوم کر دیا اور پھر مدت تک مدرس دوم رہے اور

؎ چونکہ سوانح ہذا کو حصول میں متفرق طور پر شائع ہونا تجویز ہوا اس لئے یہ فہرست حصۂ دوم کے آخر میں ملے گی ۱۲ منہ

افتا کا کام بھی نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے کیونکہ علم فقہ سے اُن کو خاص مناسبت تھی جب جناب مولانا مولوی محمد اسحٰق صاحب مدرسہ عالیہ کلکتہ تشریف لئے گئے تو کچھ دن بعد ان کو بھی وہیں بڑے مشاہرہ پر بلالیا۔ زیادہ عمر نہ پائی مرض فالج میں انتقال فرماگئے۔ اعلی اللہ تعالےٰ درجاته فی الجنة۔

(۳) جناب مولانا مولوی احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن فتحپور ضلع بارہ بنکی

آپ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے جامع علوم ظاہری و باطنی تھے حضرت والا کے سب سے پہلے خلیفہ مجاز تھے فقہ سے بہت ہی زیادہ مناسبت رکھتے تھے یہاں تک کہ بعض سوالات فقہیہ دریافت کرنے پر حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز نے بھی تعریف فرمائی کہ ان کو فقہ سے اچھی مناسبت ہے ان کی مہارت فقہیہ اسی سے ظاہر ہے کہ بہشتی زیور کے اول کے پانچ حصے باوجود حضرت والا اُنھیں کے تحریر فرمائے ہوئے ہیں جن سے ہزارہا مسلمان مرد اور عورتیں فیضیاب ہوئے اور ہورہے ہیں اور امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامت ہوتے رہیں گے قبل تکمیل بہشتی زیور انتقال فرماگئے بہت کم عمر پائی ورنہ اُن سے بڑا فیض پہونچتا۔ اعلی اللہ تعالےٰ درجاته فی الجنة۔

(۴) جناب مولانا مولوی صادق الیقین صاحب کرسوی رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ بڑے عالم باعمل اور نہایت لطیف الطبع اور ذہین وذکی الحس تھے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز کے خلیفہ مجاز تھے اور تقوی کا بہت زیادہ اہتمام تھا یہاں تک کہ ایکبار حضرت والا سے عرض کیا کہ مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کہیں اسپر مواخذہ نہ فرمائیں۔ کہ تو اتنا زیادہ متقی کیوں تھا۔ گو پیرزادے تھے لیکن بدعات و رسوم سے بہت نفور تھے یہانتک کہ مولود شریف کے مسئلہ میں اپنے والد ماجد سے سخت اختلاف اور باہم کشیدگی ہوگئی حضرت والا نے اُن کے والد ماجد کو ایک نہایت ہی مؤثر خط لکھا جس میں اس مسئلہ کی حقیقت نہایت نرم عنوان اور بہت مفصل اور مدلل کرکے تحریر فرمائی اور سب اختلاف دور ہوگیا۔ حضرت مولانا گنگوہی بھی اس صلح سے بہت مسرور ہوئے اور حضرت والا کو اُس خط کی داد دی۔ وہ خط مکتوب محبوب القلوب کے نام سے شائع بھی ہوچکا ہے۔ مجاہدات بالخصوص قلت طعام وقلت منام کا بہت اہتمام تھا۔ اسی وجہ سے بہت نحیف الجثہ ہوگئے تھے۔ حضرت والا اکثر منع فرمایا کرتے کہ آجکل کے قوی ان مجاہدات کے متحمل نہیں اس لئے ہرگز مناسب نہیں۔ لیکن چونکہ اُن کو شوق غالب تھا اس لئے باز نہ آئے آخر میں جب ضعف بڑھ گیا اور امراض گوناگوں لاحق ہوگئے جن سے بعض اعمال مستحبہ میں

بھی خلل واقع ہونے لگا تو پھر بہت پچھتاتے تھے۔ اور حضرت والا سے عرض کرتے تھے کہ اگر ابکی بار صحت ہوگئی تو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بہت آرام سے رہا کروں گا اور خوب کھایا پیا کروں گا لیکن افسوس ہے کہ جانبر نہ ہوئے اور جوانی ہی میں انتقال فرما گئے۔ اعلی اللہ تعالیٰ درجاتہ فی الجنۃ۔

(۵) جناب مولانا مولوی فضل حق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن بارہ ضلع الہ آباد۔

آپ حضرت والا کے تلامذہ میں سب سے پہلے فارغ التحصیل تھے۔ نہایت قابل عالم تھے۔ سالانہ امتحان میں "مثناۃ بالتکریر" کی ایسی اچھی تقریر لکھی تھی کہ ممتحن اور حضرات مدرسہ نے بہت پسند فرمائی یہاں تک کہ مدرسہ میں محفوظ رکھی گئی۔ ایک عرصہ تک قنوج میں مدرس رہ کر انتقال فرما گئے اعلی اللہ تعالیٰ درجاتہ فی الجنۃ۔

(۶) جناب مولانا مولوی شاہ لطف رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن فتحپور ضلع بارہ بنکی۔

شاہ صاحب نہایت ذہین و ذکی اور فہیم و عاقل اور ذی استعداد عالم اور نہایت قوی الحال ذاکر و شاغل درویش تھے۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز سے بذریعہ خط بیعت ہوئے تھے لیکن تعلیم حضرت والا ہی کے سپرد فرمائی گئی تھی حضرت والا ہی کے خلیفہ مجاز بھی ہوئے۔ اُن پر خشیت کا اس قدر غلبہ تھا کہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے ایسے زبردست آثار خشیت کسی میں نہیں دیکھے۔ وجد و حال میں ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ جاتے اور چیخنے چلانے لگتے جب حضرت والا نے اپنے ابتدائی جوش و خروش کے زمانہ میں حلقۂ توجہ قائم فرمایا تھا تو شاہ صاحب بھی جو اُسوقت حضرت والا سے درسی کتابیں پڑھتے تھے شریک حلقہ ہوا کرتے اور اُن پر بڑے بڑے احوال و مواجید طاری ہوتے اور کشف بھی ہونے لگا تھا۔ عوام کے فائدہ کے لئے حضرت والا کے مشہور رسالہ "قصد السبیل الی مولی الجلیل" کی تسہیل آپ ہی نے کی ہے۔ باوجود تیز مزاج ہونے کے ایسے متواضع تھے کہ بارہا ایسا ہوا کہ کسی سے کچھ تیز گفتگو ہوگئی تھوڑی دیر بعد اُن کی خدمت میں پہونچے اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی۔ آخر میں حضرت والا ہی کی خدمت میں آپڑے تھے اور شعبان ۱۳۴۲ھ میں خانقاہ تھانہ بھون ہی میں انتقال فرمایا۔ زیادہ عمر نہیں ہوئی۔ حضرت والا کے وقف کردہ قبرستان میں سب سے پہلے شاہ صاحب ہی دفن ہوئے ہیں۔ اعلی اللہ تعالیٰ درجاتہ فی الجنۃ۔

(۷) جناب مولانا مولوی حکیم محمد مصطفٰے صاحب بجنوری مدت فیوضہم العالیہ۔

آپ کے والد ماجد بڑے عہدے دار اور خطاب یافتہ کارگذار اور اس کیساتھ ہی نہایت دیندار بھی تھے اپنے سب صاحبزادوں کو بجائے انگریزی کے عربی کی تعلیم دلوائی۔ جناب حکیم صاحب

کی استعداد علمی بہت اعلیٰ پایہ کی ہے۔ حضرت والا کے مواعظ کو تقریر کی روانی کے وقت بھی بلاتکلف قلم برداشتہ عربی عبارت میں ضبط کرتے چلے جاتے ہیں کیونکہ عربی الفاظ بہت جامع اور مختصر ہوتے ہیں پھر بعد کو اُس کی اُردو کر لیتے ہیں۔ آپ نے مناجات مقبول کے عربی حصہ کا اُردو ترجمہ ایسا نفیس اور معنی خیز کیا ہے کہ حضرت والا اُس کی اکثر تعریف فرمایا کرتے ہیں۔ اور فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے بارہا اس کا تجربہ کیا کہ اول خود اپنے ذہن میں اُس کے کسی فقرہ کا ترجمہ سوچا پھر حکیم صاحب کے ترجمہ سے ملایا تو ہمیشہ حکیم صاحب ہی کے ترجمہ کو بڑھا ہوا پایا۔

سب سے پہلے حضرت والا کے مواعظ کو قلمبند کرنا آپ ہی نے شروع فرمایا تھا جو امت مرحومہ کے لئے اللہ تعالےٰ کی بڑی رحمت ثابت ہوا۔ اور پھر صدہا مواعظ قلمبند ہو کر شائع ہوئے جس سے مسلمانوں کو اتنا نفع ہوا کہ بیان میں نہیں آسکتا۔ آپ کے قلمبند کئے ہوئے مواعظ بھی کثیر تعداد میں ہیں۔ آپ نے حضرت والا کی مشہور تصنیف "الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدہ" کی جو نو تعلیم یافتوں کے شبہات کے رد میں لاجواب کتاب ہے ایک نہایت نفیس شرح بھی تحریر فرمائی ہے جس سے آپ کی قابلیت اور علوم عقلیہ میں مہارت بخوبی واضح ہے۔ آپ نے حضرت والا کے رسالہ شوق وطن کی بھی تسہیل فرمائی ہے آپ فن طب کے بھی ماہر ہیں اور میرٹھ کے ایک مشہور اور حاذق طبیب ہیں۔ اور بہت سے نافع اور عجیب و غریب مرکبات کے موجد ہیں۔ آپ نہایت لطیف الطبع اور ذکی الحس ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات کسی کی کشش تحریر ہی سے اخلاق اور مزاج کی کیفیت معلوم فرما لیتے ہیں اور فاسق و متقی کے قارورں میں فرق محسوس فرما لیتے ہیں بہشتی زیور کے حصہ نہم اور بہشتی گوہر میں سب اصناف کے امراض کے متعلق اپنے خاص خاص مجربات بے دریغ تحریر فرما کر اور نہایت مفید مفید معالجات و تدبیرات طبیہ درج فرما کر آپ نے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے کیونکہ اُن سے صدہا مریض صحتیاب ہوئے ہیں فجزاہ اللہ تعالیٰ فی الدارین خیر الجزاء۔ طبی جوہر میں بمشورہ حضرت والا ادویہ مختلفہ کی حلت و حرمت کے متعلق احکام شرعیہ لکھکر ایک بہت بڑی کمی کو پورا فرما دیا ہے آپ اور بھی بہت سی کتب مفیدہ کے مصنف ہیں مثلاً معمولات اشرفیہ۔ مجالس الحکمت، امثال عبرت وغیرہ۔ آپ اعلیٰ درجہ کے طبیب روحانی بھی ہیں اور حضرت والا کے ارشد خلفاء میں سے ہیں آپ کو تقویٰ کا بہت ہی اہتمام ہے اور دقیق دقیق شوائب نفس پر نظر ہے صدق و خلوص آپ کا شعار اور عبدیت و انکسار آپ کا حال ہے۔ سفر حج میں موٹر چلانیوالے نے نماز کے وقت جب کسی طرح موٹر نہ روکا تو حکیم صاحب

چلتی موٹر سے کودنے کیلئے تیار ہو گئے لیکن خدا کی شان موٹر میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی اور خود بخود رک گیا اور اس طرح بفضلہ تعالیٰ حکیم صاحب کی برکت سے سب سواریونکو اطمینان سے نماز پڑھنے کا موقع مل گیا۔ آپ کارہائے خیر کے بہت حریص ہیں طلباء و مساکین کا نہایت توجہ کے ساتھ مفت علاج کرتے ہیں نیز اپنے شناسا عازمان حج کو سفر میں کام آنیوالی دوائیں اور بعض دیگر کارآمد اشیاء مثلاً سمت کعبہ معلوم کرنے کا نقشہ وغیرہ اکثر ہدیۃً عطا فرماتے رہتے ہیں اور حقوق جیران واحباب کا بہت لحاظ فرماتے ہیں۔ بڑی عمر میں کلام مجید حفظ فرمایا اور حافظوں کو لقمہ دینے میں خاص طور سے ماہر ہیں غرض آپ کی ذات والاصفات مجموعۂ کمالات جلیلہ اور مخزن اوصاف جمیلہ ہے۔ اللھم ادم فیضہ وعمم وتمم۔

(۸) جناب مولانا مولوی سید اسحٰق علی صاحب کانپوری مدت فیوضہم العالیہ

آپ نہایت قابل اور ذی استعداد مدرسین میں سے ہیں اور الہ آباد یونیورسٹی میں بڑے مشاہرہ پر عربی کے پروفیسر ہیں آپ نہایت سلیم الفطرت اور متواضع صاحب نسبت بزرگ اور حضرت والا کے خلیفہ مجاز ہیں۔ حج بیت اللہ جاتے وقت حضرت والا کو ایک ایسا عریضہ لکھا تھا جس کے لفظ لفظ سے اشتیاق اور اُسکے ساتھ ہی عبدیت و انکسار مترشح ہوتا تھا اور یہ شعر بھی نہایت خجلت و ندامت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا ؎

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند تو بروں در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

اور لکھا تھا کہ اس حالت میں حاضری بیت اللہ کی ہمت تو نہیں پڑتی لیکن فریضۂ حج کی ادائیگی بھی لازمی ہے لہذا سرنگوں جا رہا ہوں۔ اللھم ادم فیضہ وعمم وتمم۔

(۹) جناب مولانا مولوی مظہر الحق صاحب ساکن رامو ضلع چاٹگام رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ بڑے ادیب اور نظم و نثر عربی و فارسی پر قادر تھے بنگال میں آپکی لیاقت کا شہرہ تھا اعلی اللہ تعالیٰ درجاتہ فی الجنۃ

(۱۰) جناب مولانا مولوی سعید احمد صاحب اٹاوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ریاست گوالیار میں بعہدۂ جج ممتاز تھے اور آپ گھر کے بھی بڑے رئیس تھے۔ آپ نے گو مدرسی نہیں کی لیکن دینی کاموں میں حصہ لے کر دین کی بڑی خدمت کی۔ اعلی اللہ تعالیٰ درجاتہ فی الجنۃ۔

نوٹ۔ یہ دسوں حضرات کاملین گویا۔ تلک عشرۃ کاملۃ کے مصداق ہیں۔

اب آخر میں جناب مولانا مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی مدت فیوضہم العالیہ کی ایک تحریر درج کیجاتی ہے جو حضرت ممدوح نے احقر کی درخواست پر اس امر کے متعلق لکھی ہے کہ انھوں نے اور ان کے بڑے بھائی جناب مولانا سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اور حضرت والا کے چھوٹے علاتی بھائی جناب خانصاحب مولوی محمد مظہر علی صاحب نے حضرت والا سے کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں وہ تحریر یہ ہے۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰے۔ اما بعد منجملہ اُن نعمائے عظام کے جو حق جل وعلا شانہ نے اس

ناچیز پر فائز فرمائی ہیں ایک نعمت عظمیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بچپن کے زمانہ میں جبکہ میری عمر ۱۲-۱۳ سال کے درمیان تھی حضرت حکیم الامت مجدد الملت دامت برکاتہم سے شرف تلمذ عطا فرمایا۔ اس زمانہ میں حضرت والا بعد نماز مغرب اور گاہے بعد نماز فجر چند طلبہ جن میں برادرم مرحوم مولانا سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیادہ مقصود تھے تجوید قرآن کی مشق کرایا کرتے تھے۔ یہ کمترین بھی مشق تجوید میں شریک ہوتا تھا اور رسالہ تنشیط الطبع سبقاً سبقاً حضرت والا سے بھائی صاحب مرحوم کے ساتھ پڑھا اور کچھ حصہ المکرزہ کا بھی پڑھا ہے۔ اسی زمانہ میں مولانا استاذنا مولوی عبداللہ صاحب مرحوم گنگوہی اور بھائی صاحب مرحوم بعد نماز عصر کے مثنوی شریف حضرت سے پڑھتے تھے یہ ناچیز بھی بالالتزام اس درس میں شریک ہوتا تھا پھر جب مولانا محمد عبداللہ صاحب مرحوم کچھ عرصہ کیلئے مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون سے رخصت لیکر حضرت قطب عالم مولانا گنگوہی کی خدمت میں رہنے کیلئے گنگوہ چلے گئے تو بندہ کے اسباق عربی میں سے التلخیصات العشر کا سبق حضرت حکیم الامت دام مجدہم کے پاس ہونے لگا بقیہ اسباق بھائی صاحب مرحوم کے پاس ہوتے تھے التلخیصات العشر میں سے تلخیص المنار مع المدارہ۔ اور تلخیص المفتاح و تلخیص ہدایۃ الحکمت مع درایۃ العصمۃ و تلخیص المرقاۃ۔ و تلخیص البدایۃ للغزالی و عشرہ طروس تلخیص مأۃ دروس کا حضرت سے پڑھنا بخوبی یاد ہے بقیہ حصہ بھی خیال ہے کہ حضرت ہی سے احقر نے پڑھا ہے۔

برادرم مرحوم مولانا سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نصاب ضمان التکمیل کی تکمیل حضرت ہی کی خدمت میں کی ہے تیسیر الوصول۔ اور توضیح و تلویح اور شرح عقائد نسفی و جلالین شریف وغیرہ اس نصاب کی بڑی کتابیں اور کچھ کتابیں درس نظامی کی میرے سامنے حضرت سے انھوں نے پڑھی ہیں اور مثنوی شریف کی چند جلدیں بھی سبقاً سبقاً پڑھی تھیں یہ یاد نہیں کہ ۶ دفتر پورے ہو گئے تھے یا نہیں۔

محترمی و مکرمی جناب ماموں مظہر علی صاحب مظہر تھانوی حال اسسٹنٹ ڈائرکٹر محکمہ سی۔ آئی۔ ڈی نے بھی حضرت سے نصاب ضمان التکمیل پورا پڑھا ہے اور بہت اچھی طرح پڑھا ہے کہ سفر و حضر میں حضرت کے ساتھ رہتے اور انکی خداداد ذہانت سے درس کے وقت حضرت بعض وقت بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ خدا کرے کہ یہ زمانہ پھر اپنا رنگ کھلائے اور ممدوح موصوف پھر علوم اسلامیہ عربیہ و احادیث نبویہ کے مشتاق ہو کر اپنے اصلی مرکز کی طرف واپس آجائیں تاکہ حضرت والا نے جو تخم لگایا ہے وہ بار آور ہو اور اسکے ثمرات دنیا اور آخرت میں ظاہر و نمایاں ہوں آمین والسلام ظفر احمد عفا عنہ ۷ صفر سنہ ۱۳۴۵ھ

غرض حضرت والا کے تلامذہ میں بڑے بڑے ذی استعداد اور بڑے بڑے تنخواہ دار جامع ظاہر و باطن اہل کمال ہوگئے ہیں اور ہیں۔ حضرت والا کو اپنے شاگردوں سے اسدرجہ محبت و شفقت کا تعلق ہے کہ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ اتنا تعلق مجھکو اپنے معتقدین سے نہیں کیونکہ معتقدین سے اتنی طبیعت کھلی ہوئی نہیں جتنی شاگردوں سے طبیعت کھلی ہوئی اور بے تکلف ہے اسیطرح حضرت والا کے شاگردوں کو بھی حضرت والا کے ساتھ اپنے طالبعلمی ہی کے زمانہ سے محبت بدرجہ عشق ہے

غرض بڑے خوش قسمت ہیں وہ حضرات جنکو حضرت والا سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ فطوبیٰ لھم وھنیئاً لھم۔

باب دہم

"مواعظ حسنہ"

یہ ظاہر ہے کہ وعظ گوئی یا بالفاظ دیگر تبلیغ احکام الٰہیہ کا کام انبیاء علیہم السلام کی اہم ترین سنت جلیلہ ہے لہذا جن حضرات علماء کرام کو ورثۃ الانبیاء بنا کر دنیا میں بھیجا جاتا ہے انکے اندر بھی حقتعالیٰ کیطرف سے یہ صفت خاص بدو فطرت ہی سے ودیعت فرما دیجاتی ہے بالخصوص ایک حکیم امت اور مجدد ملت میں تو اس صفت کا بدرجہ اتم موہوبت ہی ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت والا میں بفضلہ تعالیٰ وعظ گوئی کا خداداد ملکہ ابتدا ہی سے موجود ہے جسکے آثار بچپن ہی سے شروع ہو گئے تھے چنانچہ حضرت والا کا یہ ایک بچپن کا کھیل تھا کہ تنہائی میں مسجد کے منبر پر چڑھ جاتے اور خطبہ کے طور پر کچھ پڑھ پڑھا کر اتر آتے۔ جیسا کہ باب طفولیت میں مذکور ہو چکا ہے اور اب تو حضرت والا کا راس الواعظین ہونا ایسا ظاہر و باہر ہے کہ اس امر مشاہد پر دلائل قائم کرنیکی بھی قطعاً ضرورت نہیں ہے بمصداق ع آفتاب آمد دلیل آفتاب کیونکہ ایک دنیا اس کا مشاہدہ کر رہی ہے اور اس کی تصدیق کر چکی ہے۔

چنانچہ صدہا مواعظ آج حضرت والا کے مطبوعہ صورت میں موجود ہیں جنکو دیکھکر ہر شخص جب چاہے اسکی بآسانی تصدیق کر سکتا ہے حالانکہ ان میں حضرت والا کے پورے الفاظ بھی نہیں ہیں کیونکہ حضرت والا کی تقریر میں اسدرجہ روانی ہوتی ہے کہ کوئی کتنا ہی زود نویس کیوں نہ ہو اسکو لفظ بلفظ قلمبند کر ہی نہیں سکتا اور جو اثر خاص حضرت والا کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے نہایت ہی برجستہ پُر معنی فصیح و بلیغ اور جامع مانع الفاظ میں ہوتا ہے اسکا لطف کچھ وہی خوب جانتے ہیں جنھوں نے حضرت والا کا کوئی وعظ سنا ہے بلا مبالغہ بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زبردست محقق اور جید عالم نے نہایت فرصت میں اور نہایت غور و خوض کے ساتھ کسی ایک ہی خاص اور دقیق و مفید علمی و عملی مضمون پر نہایت مبسوط اور مربوط جامع مانع رسالہ تصنیف کیا ہے جو پڑھکر سنایا جا رہا ہے عام واعظوں کی طرح نہیں کہ بلا لحاظ اصل مضمون جو کچھ ذہن میں آتا چلا گیا اسکو بلا ترتیب بیان کرتے چلے گئے اور جہاں چاہا ختم کر دیا۔

حضرت والا کے مواعظ کے قابل قدر اور عام پسند ہونے کی یہی ایک دلیل کافی ہے کہ امت محمدیہ میں بہت ہی کم بلکہ شاذ و نادر ہی ایسے افراد گذرے ہیں کہ جنکے مواعظ بدون اسکے کہ ان کی طرف سے یا ان کے مخصوصین کی طرف سے کوئی سعی کی گئی ہو منجانب عامہ شائقین اس اہتمام و اشتیاق کے ساتھ قلمبند کئے گئے ہوں اور اس کثرت کے ساتھ طبع ہو کر واعظ کی حیات ہی میں مطبوع و مقبول خواص و عوام ہو گئے ہوں حضرت والا کو طالب علمی ہی کے زمانہ سے بلکہ جیسا ابھی بیان کیا گیا بچپن ہی سے وعظ کہنے کا

شوق تھا۔ طالبعلمی کے زمانہ میں حضرت والا نے اپنے ہم سبق کی ایک جماعت قائم کرکے ہر شب جمعہ کو نوبت بہ نوبت وعظ گوئی کی مشق کا انتظام فرمایا تھا گو اس انجمن کا کوئی نام نہ تھا لیکن کام باقاعدہ ہوتا تھا آجکل کی انجمنوں کی طرح نہیں کہ نام تو لمبا چوڑا اور کام دیکھو تو برائے نام اور بہت تھوڑا۔ اس سلسلہ میں حضرت والا کے بہت سے وعظ مدرسہ دیوبند میں ہوتے رہے۔

حضرت والا کا نکاح طالب علمی ہی کے زمانہ میں ہوگیا تھا۔ اس تقریب میں جب تھانہ بھون تشریف لانا ہوا تو حضرت والا کے والد ماجد نے حضرت کے ماموں جناب منشی واجد علی صاحب سے جمعہ کے روز جامع مسجد میں جانے کے وقت فرمایا کہ میں تو مشغولی کے سبب حوض والی مسجد میں جمعہ پڑھونگا۔ تم آج جامع مسجد میں اس سے بعد نماز جمعہ وعظ کہلوانا۔ اُنھوں نے حضرت والا سے کہا تو حضرت والا نے مارے شرم کے انکار کردیا۔ لیکن اُنھوں نے نہ مانا اور خود بخود وعظ کا اعلان کردیا پھر تو مجبوراً حضرت والا کو وعظ کہنا ہی پڑا لیکن فرماتے تھے کہ مجھے اتنی شرم آئی کہ ممبر پر بھی نہیں بیٹھا بلکہ نیچے بیٹھکر اور نظریں نیچی کئے ہوئے سورہ بقرہ کی شروع آیات کا وعظ بیان کیا۔

حضرت والا نے اُس کے بعد ہی قریب زمانہ میں خواب دیکھا کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جن کو انتقال فرمائے تقریباً دو سال گذر گئے تھے ایک موضع ہے دو بہیڑو جو مظفرنگر اور چرتھاول کے درمیان واقع ہے اور جہاں حضرت مولانا ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد مریدین تھے وہاں مسجد کے سامنے برگد کے نیچے جو ابتک موجود ہے ایک پلنگ کے اوپر تشریف فرما ہیں۔ حضرت والا بہت اشتیاق کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور پائین جا بیٹھے اور عرض کیا کہ حضرت مجھ کو آپ کے انتقال کا بہت صدمہ ہے اور واقعی ایسا ہی تھا۔ اسپر مولانا نے فرمایا کہ مجھکو تو جو توجہ تمھارے ساتھ حالت حیات میں تھی وہی اب بھی ہے۔ پھر مولانا نے خواب ہی میں فرمایا کہ ہم نے سُنا ہے تمھاری شادی ہوگئی ہے؟ حضرت والا نے عرض کیا۔ جی ہاں فرمایا مبارک ہو۔ اھ۔ چونکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ بڑے مشہور و معروف علامہ اور شیخ کامل تھے اور تھانہ بھون میں اکثر وعظ فرمایا کرتی تھے اس لئے حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ بظن غالب میرے وعظ کہنے ہی کی وجہ سے مجھ کو خواب میں مولانا کی زیارت ہوئی۔

علاوہ طالب علمی کے خاص مشقی وعظوں کے حضرت والا کا سب سے پہلے عام وعظ غالباً یہی تھا جو بہ فرمائش والد ماجد جامع مسجد تھانہ بھون میں بہ عمر تخمیناً اٹھارہ سال فرمایا گیا۔ پھر تو ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ جب خسرال میں بمقام گنگوہ پہونچے اور اتفاق سے وہ زمانہ حضرت شیخ

عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کا تھا تو وہاں بھی لوگوں نے بہ اصرار وعظ کہلوایا جسمیں بڑے بڑے پیرزادے بھی شریک تھے۔ حضرت والا نے اول خوب جوش وخروش کے ساتھ حضرات اولیاء اللہ کے فضائل بیان فرمائے۔ پھر بدعات کا رد فرمایا اور سماعِ مروج کی مضرت بیان فرمائی۔ چونکہ حضرت والا کو اُس زمانۂ نوعمری میں بھی سب لوگ بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے یہاں تک کہ باوجود اختلاف مشرب نماز بھی حضرت والا ہی سے پڑھواتے تھے اس لئے کسی نے بُرا نہ مانا اور برابر بیٹھے سنتے رہے۔ جب حضرت والا مغرب کی نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے اُس وقت البتہ ایک پیرجی نے صف سے جُدا ہو کر اپنی نماز الگ پڑھی بعد نماز ایک صاحب نے اُن سے وجہ پوچھی تو اُنھوں نے کہا کہ یہ بزرگوں کو بُرا کہتے ہیں۔ اس لئے ہم نے ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ پوچھا گیا کہ کون سے بزرگ کو بُرا کہا۔ بزرگوں کے تو فضائل ہی بیان کئے گئے تھے۔ کہا کہ ڈھولکی کو بُرا کہا ہے۔ پوچھا گیا کیا ڈھولکی تمھاری بزرگ ہے۔ کہا ہاں ڈھولکی ہماری بزرگ ہے۔ اسپر بڑا قہقہہ ہوا۔ اُنھوں نے جوش میں آکر یہاں تک کہہ ڈالا کہ اگر جبرئیل علیہ السلام بھی آکر اس کے خلاف کہیں گے تب بھی میں نہ مانوں گا۔ اسپر سب لوگوں نے بلکہ خود پیرزادوں نے بھی اُن کو بہت بُرا بھلا کہا اور کہا کہ یہ حضرات علماء ہیں ان کو حق ہے کہ شریعت کے احکام ہم کو بتائیں۔ صوفیوں نے ہمیشہ شریعت کا ادب کیا ہے اور احکام شریعت کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کیا ہے اور کبھی مزاحمت نہیں کی اھ۔ غرض پیرزادوں نے بھی حضرت ہی کی حمایت کی۔ پھر اُن معترض صاحب نے بعد کو لوگوں سے پوچھا کہ جُبہ شریف کی بھی زیارت کی تھی؟ معلوم ہوا کی تھی۔ تو تھانہ بھون آکر حضرت والا سے معافی چاہی۔ حضرت والا اس واقعہ کو نقل فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ پہلے زمانہ کے پیرزادے بھی بہت غنیمت تھے کیونکہ وہ اللہ اللہ کرنے والے تھے گو غلطیوں میں مبتلا تھے مگر اللہ کے نام لینے کی برکت تھی اور آجکل تو اکثر محض دوکانداری ہیں۔

حضرت والا نے وعظ کہنے کا کبھی کسی قسم کا معاوضہ نہیں لیا۔ حتیٰ کہ جس ہدیہ میں صورت معاوضہ پیدا ہوئی۔ اُس سے بھی اعراض فرمایا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کانپور میں نواب صدیق حسن خاں صاحب کی صاحبزادی صفیہ بیگم نے حضرت والا سے وعظ کہلوایا اور بعد ختم وعظ ایک معتد بہ رقم پیش کی۔ حضرت والا نے صاف انکار فرما دیا۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ یہ معاوضہ نہیں ہے فرمایا کہ صورت تو معاوضہ ہی کی ہے دیکھنے والوں کو تو یہی شبہ ہوگا پھر کسی کو بلا ہدیہ دئے

وعظ کہلوانے کی ہمت نہ ہوگی - پھر عرض کیا کہ کھانا نوش فرما لیجئے اس پر ارشاد فرمایا کہ گھر بھیج دیجئے تاکہ اس میں بھی معاوضہ کی سی صورت نہ پیدا ہو - کیونکہ میں مہمان دوسری جگہ ہوں - اور یہ بھی اُن کی خاطر تھی کیونکہ اُن کا مخلص ہونا اُن کے قدیم برتاؤ سے معلوم تھا -

حضرت والا جہاں سفر فرماتے وعظ ضرور فرماتے اور فرمایا کرتے کہ بلا وعظ کے کسی جگہ جا کر روٹیاں کھانے میں شرم آتی ہے - حضرت والا نے کبھی کسی خاص شخص کا فرمائشی مضمون وعظ میں نہیں اختیار فرمایا بلکہ منجانب اللہ عین وقت پر جو مضمون قلب میں وارد ہوا اُسی کو بیان فرما دیا البتہ اگر دوران وعظ فرمائشی مضمون ہی کے بیان کی ضرورت محسوس ہوئی یا اتفاقاً وہی مضمون معرض بیان میں آگیا تو اور بات ہے - ایک مرتبہ ایک شخص نے یہ فرمائش کی کہ وعظ میں ذرا ڈھولکی والوں کی بھی خبر لیجئے گا - فرمایا کہ میں کسی کی خبر نہیں لیتا یہ میری عادت کے خلاف ہے - جو میری سمجھ میں آئے گا بیان کروں گا - بعض جگہ دو مدرسہ والوں میں باہم کشاکشی تھی - وہاں بھی رفع اختلاف کے لئے وعظ کہلوانا چاہا لیکن حضرت والا نے اس مضمون پر کچھ بیان نہ فرمایا کیونکہ اختلافیات کے متعلق بیان کرنے میں یہ خرابی ہے کہ جس فریق کے خلاف روئے سخن ہوگا وہ سمجھے گا کہ یہ دوسرے فریق کی طرفداری کر رہے ہیں اور یہ خیال ہوگا کہ اُن لوگوں نے اپنی طرف کر لیا ہے لہذا کچھ فائدہ نہ ہوگا فرمایا کرتے ہیں کہ وعظ میں سوائے مصلحت عامہ کے اور کوئی غرض نہ ہونی چاہئے - اور فرمائشی مضامین اکثر اغراض خاصہ پر مبنی ہوتے ہیں لہذا اون کا بُرا اثر ہوتا ہے -

حضرت والا نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جیسا ہو سکتا ہے بُرا بھلا بیان کر لیتا ہوں پہلے سے سوچنے یا کتاب دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوتا جو کچھ بیان ہوتا ہے وہ وقتی واردات ہوتے ہیں اس فی البدیہ آمد سے ایک دفعہ مجھے خیال پیدا ہو گیا کہ مجھ میں کچھ قوت بیانیہ زباندانوں کی سی نہ سہی مگر کچھ تو کہہ ہی لیتا ہوں اس کے بعد ایک دن گڑھی خام میں وعظ کہنے بیٹھا تو مطلق نہ چل سکا بہتیرا سوچ ساچ کر بھیر بھار کر بیان کرنا چاہا مگر کچھ بیان نہ ہو سکا اور بالکل تقریر نہ چل سکی - کوئی مضمون ہی ذہن میں نہ آیا آیت پڑھ کر اُس کا ترجمہ کیا بس پھر طبیعت بند مرادفات بڑھا کر مکرر ترجمہ کیا کہ شاید اسی سے کچھ طبیعت کھلے اور آگے کو سلسلہ چلے لیکن اس سے بھی کچھ نہ ہوا مجبور ہو کر میں نے چاہا کہ لاؤ کوئی مضمون پہلے کا بیان کیا ہوا ہی بیان کر دوں کیونکہ آخر بہت سے مضامین پہلے کے بیان کئے ہوئے بھی اور پڑھے ہوئے بھی تھے ہی لیکن اُس وقت کوئی ایسا مضمون بھی یاد نہیں آتا تھا اور ذہن کچھ کام ہی نہیں دیتا تھا اب مجھے معلوم ہو گیا کہ اس وقت مجھ کو در اصل بیان پر

قدرت ہی نہیں رہی لہذا مجبور ہو کر میں نے مجمع سے کہدیا کہ صاحبو! اس وقت کوئی مضمون ہی ذہن میں نہیں آتا کیا بیان کروں بس آپ دعا کیجئے۔ چنانچہ دعا کر کے بیان ختم کر دیا۔ شروع کرنے سے پہلے ہی ختم کر دیا۔ شرم بھی آئی کہ وعظ کا سامان فرش چوکی وغیرہ سب کچھ ہوا لوگ بھی وعظ سننے کے لئے بہت اشتیاق کے ساتھ جمع ہوئے لیکن مجھ سے کچھ بیان ہی نہ ہو سکا سب کو تعجب تھا کیونکہ ایسا کبھی ہوا ہی نہ تھا لیکن مجھے کچھ بھی تعجب نہ تھا کیونکہ مجھ کو معلوم تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے میرے ناز کا علاج کیا ہے اور میرے اُس خطرہ کا جواب دیا ہے جو مجھ کو اس واقعہ سے قبل کبھی کبھی گذرتا تھا کہ مجھے بیان پر قدرت حاصل ہے اللہ تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ یہ سب ہماری توفیق ہے ورنہ تمھیں کچھ بھی قدرت حاصل نہیں چنانچہ میں نے اُس خیال سے توبہ کی بس پھر کبھی ایسا نہیں ہوا۔ عمر بھر میں ایک ہی مرتبہ یہ صورت واقع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے عمر بھر کے لئے سبق دیدیا تاکہ کبھی وسوسہ بھی نہ آوے کہ ہم جب چاہیں بیان کر سکتے ہیں اور یہ دکھلا دیا کہ جو بیان ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہوئے ہیں اھ۔

حضرت والا نے ہمیشہ خطبۂ ماثورہ پڑھکر کسی آیت یا حدیث سے وعظ شروع فرمایا ہے۔ لیکن بیشتر آیات سے اور گاہ گاہ احادیث سے نیز حضرت والا نے گا گا کر اشعار پڑھنے یا مقفی مسجع عبارت آرائی میں مثل عام واعظین کے محض وقت گذاری تو کبھی نہیں فرمائی ہمیشہ نہایت فصیح و بلیغ اور پر مغز متین الفاظ میں وعظ بیان فرمایا۔ پھر بھی تاثیر کی یہ کیفیت ہوتی کہ سامعین محو ہو کر رہ جاتے۔ یہاں تک کہ بعض مخالفین کہتے کہ وہاں نہ جاؤ وہ تو وعظ میں کچھ عمل کر دیتے ہیں حالانکہ جو کچھ اثر ہوتا تھا وہ محض حقانیت اور خلوص کی وجہ سے ہوتا تھا جو حضرت والا کے بہت نمایاں اوصاف میں سے ہیں۔ حضرت والا دوران وعظ میں عربی فارسی اور اُردو کے اشعار ایسے برمحل پڑھتے کہ مضمون میں جان پڑ جاتی۔ اور سامعین بیساختہ پھڑک اُٹھتے۔ اور یہ معلوم ہوتا کہ گویا یہ شعر اسی موقع کے لئے تصنیف کیا گیا تھا۔ گو حضرت والا نے اشعار یاد کرنے کی طرف کبھی توجہ نہیں فرمائی مگر پھر بھی اس قدر اشعار زبان پر ہیں کہ ایک ذی علم نے تصانیف اور مواعظ سے جمع کئے تو تقریباً ایک ہزار ہوئے۔

حضرت والا نے اشعار کو کبھی موسیقی کے طرز پر نہیں پڑھا۔ جب کوئی شعر برمحل یاد آ گیا تو بیساختگی کے ساتھ اپنے خاص دلکش طرز پر پڑھ دیا جس سے سامعین پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو ہو گئی ایک عامی شخص کا قول یاد آیا کہتا تھا کہ جب شعر پڑھتے ہیں تو دل اُچک لیتے ہیں۔ ایکدفعہ الہ آباد میں وعظ فرمایا چونکہ حضرت والا کو زکام تھا اس لئے آواز بھاری ہو گئی تھی کسی نے وعظ کے بعد کہا کہ وعظ تو بہت اچھا ہے مگر آواز اچھی نہیں۔ یہ سُنکر حضرت والا نے دوسرے موقع پر فرمایا کہ

میں ڈوم نہیں ڈوم کی اولاد نہیں ڈوم کا شاگرد نہیں ۔تمثیلات وحکایات کے باموقع لانے میں تو وہ کمال حاصل ہے جو حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھا۔لطیفوں بلکہ بیہودہ و فحش فحش حکایتوں سے بھی وہ نتائج اور نصائح مستنبط فرما لیتے ہیں کہ سبحان اللہ اور یہ لطائف وحکایات وتمثیلات کبھی مجمع کو رُلا دیتی ہیں اور کبھی ہنسا دیتی ہیں ۔ حضرت والا کا وعظ جملہ علوم عالیہ مقصودہ کو حاوی ہوتا ہے مگر تصوف کا رنگ سب پر غالب رہتا ہے ۔ اور ہر وعظ اسی پر ختم ہوتا ہے ۔حضرت والا جہاں تشریف لیجاتے دور دراز سے لوگ آ آ کر زیارت کرتے اور پے در پے درخواستیں کر کے اپنے یہاں حضرت والا کو وعظ کہلوانے کے لئے لیجاتے ۔قبل وعظ سامعین کا مجمع حضرت والا کے اشتیاق وانتظار میں بیٹھا ہوا گویا یوں مترنم ہوا کرتا تھا۔ ؎

بنمائے رُخ کہ خلقے والہ شوند وحیراں   بکشائے لب کہ فریاد از مرد و زن برآید

اور دوران وعظ میں سارے مجمع پر ایک محویت کا عالم طاری رہتا کان علی رؤسہم الطیر ۔ بعض بڑے بڑے امراء اور اہل تنعم کو بھی دیکھا گیا کہ اُن پر دھوپ آ گئی ہے مگر پھر بھی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوئے ۔ اکثر وعظوں میں سامعین پر گریہ اور بعض پر وجد تک طاری ہو ہو گیا ہے ۔ چنانچہ مدرسہ دار العلوم دیوبند کے بڑے جلسۂ دستار بندی میں تو حضرت والا کے وعظ میں ایک صاحب پر اسقدر شدید کیفیت وجد طاری ہوئی کہ وہ کسی طرح فرو ہی نہ ہوئی ۔ یہاں تک کہ وعظ کا مجمع ہی بالکل درہم برہم ہو گیا اور وعظ ناتمام ہی رہا ۔کیونکہ وہ وجد میں لوگوں پر کودے پھاندنے لگے تھے جس سے لوگوں کے چوٹیں لگنے لگیں اس لئے سب گھبرا کر منتشر ہو گئے ۔ ایک صاحب جلسۂ موتمر الانصار مراد آباد کے وعظ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ جب وعظ کہکر حضرت والا تخت سے نیچے اُترے تو قدموں پر گر کر لوٹنے لگے اور یہ بھی ہوش نہ رہا کہ اژدحام میں کچل جاؤں گا اور اس قدر گرویدہ ہوئے کہ غالباً حضرت والا ہی کے ساتھ یا دو ایک دن بعد ترک تعلقات کی نیت کر کے تھانہ بھون ہی آ پہونچے لیکن حضرت والا نے بوجہ عدم مناسبت اُن کو بیعت میں قبول نہ فرمایا اور ایسے حضرات تو صدہا ہیں جو وعظوں سے متاثر ہو کر ہمیشہ کے لئے طالب مولیٰ اور تائب وتارک معاصی ہو گئے ۔ اور یہ سب اثر اس کا ہے کہ حضرت والا کا ہر وعظ از دل خیزد بر دل ریزد کا صحیح مصداق ہوتا ہے ۔چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ جب میں کسی کو کچھ نصیحت کرتا ہوں تو میں دل وجان سے چاہا کرتا ہوں کہ یہ ایسا ہی ہو جائے ۔ نیز اکثر مضامین خود حضرت والا ہی کے تاثرات قلبیہ اور احوال عالیہ کی حکایات ہوتے ہیں اس لئے حضرت والا کا ہر وعظ حضرت مولانا رومی رح کے اس شعر کا مصداق

ہوتا ہے ؎

بشنوید اے دوستاں ایں داستاں　　　فی الحقیقت نقد حالِ ماست آں

چنانچہ خود حضرت والا نے فرمایا کہ جب میں اپنے اندر کوئی امر قابل اصلاح محسوس کرتا ہوں تو اُس کے متعلق وعظ کہدیتا ہوں اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے کیونکہ بیان کے وقت جوش بھی ہوتا ہے جس سے قلب پر اثر پڑتا ہے نیز شرم بھی آتی ہے کہ جس بات کی نصیحت اوروں کو کر رہے ہیں خود بھی تو اُس پر کاربند ہونا چاہئے " وعظ الغضب " اسی مصلحت سے کہا گیا تھا اھ۔ غرض حضرت والا کی ہر تقریر پُرتاثیر خود حضرت والا ہی کے تاثرات قلبیہ کی ترجمان ہوتی ہے بمضمون ؎

بیان شوق چہ حاجت کہ حال آتش دل　　　تواں شناخت ز سوز یکہ در سخن باشد

بڑے بڑے معزز عہدہ داروں اور انگریزی دانوں کو خود احقر نے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہم نہیں سمجھتے تھے کہ مولویوں میں بھی ایسے واعظ ہیں جو ہر بات کو دلائل منطقی وعقلی سے ثابت کردیں۔ اور اس کے تجربہ کا بھی احقر کو بارہا اتفاق ہوا ہے کہ حضرت والا کے مطبوعہ مواعظ سُن سُن کر نہ صرف مسلمانوں پر بلکہ بڑے بڑے طبقہ کے نو تعلیمیافتہ ہندوؤں عیسائیوں اور شیعوں پر بھی بیحد اثر ہوا ہے۔ یہاں تک کہ ایک پہاڑی قوم کا ہندو ماسٹر جو عموماً اپنے مذہب میں بہت سخت ہوتے ہیں۔ حضرت والا کے مطبوعہ مواعظ لے لیکر پڑھتا تھا اور شیعوں کے بعض مجتہدین تک احقر سے ایک صاحب کے ذریعہ منگوا منگوا کر پڑھتے تھے اور اپنی مجلسوں کو اُن کے مضامین سے رونق دیتے اور گرم کرتے تھے۔۔ ایک پانی پتی واعظ حضرت والا کو غائبانہ بہت دعائیں دیتا تھا اور کہتا تھا کہ اللہ بھلا کرے میری تو روزی کا سامان ہو گیا۔ میں نے دو تین وعظ زبانی یاد کر لئے ہیں بس انھیں کو جگہ جگہ جا کر سنا آتا ہوں خوب نذرانے ملتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ بڑا بھاری عالم ہے احقر ایک بار ریل میں وعظ راحت القلوب اپنے احباب کو پڑھ کر سنا رہا تھا۔ ہندو سنکر بے اختیار کہنے لگے کہ یہ کتاب کسی بڑے قابل کی لکھی ہوئی ہے اسی طرح سفر رنگون میں وعظ طریق القلندر کو سُن کر جہاز والا احقر کو مصنف سمجھکر کہنے لگا کہ اگر یہ شخص انگریزی پڑھتا تو جج ہو جاتا۔

بھوپال میں ولایت کا ایک اعلیٰ اسند یافتہ مرہٹہ ماسٹر جو وعظ میں موجود تھا کہتا تھا کہ میں نے بڑے بڑے لکچر دینے والوں کے لیکچر ہندوستان میں بھی اور ولایت میں بھی سنے ہیں لیکن کسی میں میں نے وہ بات نہیں دیکھی جو آج ان کے بیان میں دیکھی۔ بدون پہلے سے نوٹ لکھے ہوئے اتنا طویل بیان اور ایسا مدلل و مربوط اور پھر اسقدر روانی کے ساتھ اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں سُنا

ڈیگ ریاست بھرت پور میں ایک بڑا عہدہ دار نو تعلیم یافتہ آریہ حضرت والا کے وعظ کو سن کر کہنے لگا کہ مجھے حیرت تھی کہ ایک خالص مذہبی مسئلہ پر یعنی روزہ پر تو وعظ تھا لیکن ایسے مضامین تھے کہ ان کو ہر مذہب والا اپنے مذہبی اصول پر منطبق کر سکتا تھا۔ کانپور میں ایک وعظ کے بعد ایک معزز وکیل صاحب نے حضرت والا کو مخاطب کر کے بہت ہی جوش کے ساتھ یہ شعر پڑھا ؎

تو مکمل از کمالِ کیستی تو منوّر از جمالِ کیستی

حضرت والا نے اس کو نقل فرما کر فرمایا کہ میرے بھی جی میں تو آیا تھا کہ اس کے جواب میں یہ کہدوں۔ ؎

من مکمل از کمالِ حاجیم من منوّر از جمالِ حاجیم

لیکن شرم آئی کہ کیوں خواہ مخواہ کمال اور جمال کا دعویٰ کروں۔ ایک بے تکلف وکیل صاحب نے ایک وعظ کے بعد کہا کہ آپ بھی کہاں مولویوں میں جا پھنسے۔ آپ تو اگر وکالت پاس کر لیتے تو وکیلوں میں آپ کا کوئی نظیر نہ ہوتا۔

ایک بار حضرت والا گنگوہ میں وعظ فرما رہے تھے اُس وقت حضرت مولانا گنگوہی رح کی خدمت میں جو کوئی حاضر ہوتا فرماتے یہاں کیوں آئے ہو وہاں جاؤ حقانی وعظ ہو رہا ہے۔ اسی طرح رأس المناظرین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رح فرمایا کرتے تھے کہ وعظ تو ایسا ہوتا ہے کہ کہیں کسی کو انگلی رکھنے کی بھی گنجایش نہیں ہوتی۔ غرض اس امر کی سیکڑوں شہادتیں موجود ہیں کہ آج وعظ گوئی میں حضرت والا کا کوئی نظیر نہیں جس کو وعظ سننے کا موقع نہ ملا ہو وہ حضرت والا کے مطبوعہ مواعظ ہی کا مطالعہ کر کے اس امر کی بخوبی تصدیق کر سکتا ہے۔ حضرت والا کی خدمتمیں آئے دن کثرت سے لوگ بذریعہ خطوط اطلاع دیتے رہتے ہیں کہ مطبوعہ مواعظ کے مطالعہ سے بیحد نفع ہوا اور بالکل کایا پلٹ ہی ہو گئی۔ سیکڑوں انگریزی داں جو دین سے بالکل آزاد اور فیشن کے بیحد دلدادہ تھے مطالعۂ مواعظ کی برکت سے پکے دیندار اور پورے مُلّا بن گئے نہ کوٹ پتلون رہا نہ تصویر دار کمرہ رہا نہ کرزن فیشن رہا۔ ایسے بہت سے حضرات کو خود احقر بھی جانتا ہے جو کسی زمانہ میں سرتاپا انگریزی فیشن میں رہتے تھے اور ملحدانہ عقائد رکھتے تھے لیکن اتفاق سے حضرت والا کا کوئی وعظ نظر سے گذر گیا تو پھر ایسا چسکا لگا کہ سیکڑوں کی تعداد میں دیکھ ڈالے اور حالت کی بالکل ہی کایا پلٹ ہو گئی یہانتک کہ حضرت والا کے مجاز طریقت ہو گئے۔ وعظ روح الارواح کو دیکھکر بعض درویش جو شریعت اور طریقت کو جُدا جُدا سمجھتے تھے یہاں تک کہ نماز بھی نہ پڑھتے تھے وہ اپنے اس عقیدہ سے تائب ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔ مولود شریف کے متعلق جو مواعظ ہیں اور جو ثلج الصدور اور بدر البدور میں ایک

جگہ بھی طبع ہو گئے ہیں اُن کو دیکھکر بعض متشدد دین کی بھی غلط فہمیاں دور ہو گئیں اور عقائد درست ہو گئے یہاں تک کہ وہ اب دوسروں کی اصلاح عقائد کرنے لگے۔ گو نہ حضرت والا کی کبھی زیارت کی نہ رجوع کیا وعظ راحت القلوب سے بہت سے پریشانوں کی جن کی بوجہ مصائب زندگی تلخ ہو رہی تھی ڈھارس بندھ گئی اور متوجہ بحق ہو گئے۔ جو وعظ کسی کی موت پر بغرض تسلی فرمائے گئے تھے اُن کا مطالعہ ایسے مواقع کیلئے بیحد تسلی بخش ثابت ہوا ہے۔

غرض حضرت والا کے مواعظ سے ہزارہا بندگان خدا کو دینی و دنیوی علمی عملی منافع پہونچے ہیں اور پہونچ رہے ہیں۔ اللھم زد فزد اللھم عمم وتمم۔

جب شملہ جانا ہوا اور حضرت والا وعظ فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے تو حسب معمول کپڑے بالکل سادہ تھے لیکن صاف ستھرے۔ ایک نو تعلیمیافتہ نے منتظم جلسہ سے جو ایک ریاست میں کرنیل تھے اور اُن کے دوست تھے چپکے سے بطور طعن کے کہا کہ تمھارے علماء کا لباس کیسا ہے جیسے ابھی پائخانہ سے نکل کر آئے ہوں اُنھوں نے کہا کہ ابھی تو میں اس کا کچھ جواب نہیں دیتا ہاں وعظ کے بعد کہنا جو کچھ کہنا ہو اُس وقت جواب دوں گا۔ جب وعظ ختم ہوا تو کرنیل صاحب نے اُن سے پوچھا کہ ہاں اب کہئے آپ کیا کہتے تھے اب وہ چپ کہا اجی میری حماقت تھی میں تو یہ سمجھتا تھا کہ جیسا لباس ہے ویسا ہی وعظ بھی ہو گا مگر یہاں تو معاملہ بالکل برعکس ہی نکلا۔ سبحان اللہ کیا بیان تھا لباس سے ہرگز نہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ اتنا بڑا شخص ہے کسی شریک جلسہ نے یہ واقعہ حضرت والا سے بیان کر دیا۔ حضرت والا نے دوسرے وعظ میں اوّل صاحب کے اچھی طرح کان کھولے مگر نہایت تہذیب اور لطافت کے ساتھ۔ جب وعظ فرمانے کھڑے ہوئے تو سب سے پہلے یہ فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض صاحبوں کو ہم لوگوں کا لباس پسند نہیں آیا۔ خیر میرا اسوقت اسمیں کلام نہیں کرتا کہ وعظ کہنے کے لئے لباس کا اچھا ہونا بھی ضروری ہے یا نہیں اپنا اپنا مذاق ہے۔ خیر میں اُن صاحبوں کی خاطر سے یہ مانے لیتا ہوں کہ واعظ کو اچھا ہی لباس پہن کر وعظ کہنا چاہئے اور اس کو ایک مصلحت پر محمول کرتا ہوں کہ اچھے لباس سے وقعت ہوتی ہے اور متکلم کی وقعت سے کلام کی وقعت ہوتی ہے جس سے اُس کا اثر بڑھتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ وہ لباس آخر آئے کہاں سے۔ ظاہر ہے کہ اچھے لباس کے لئے کافی رقم کی ضرورت ہو گی جس کے لئے مولویوں کی موجودہ آمدنی تو کافی ہو نہیں سکتی اس لئے اس کی سہل صورت یہ ہے کہ جہاں وعظ ہو وہاں کے حضرات واعظوں کے لئے اپنی

پسند کا لباس تیار رکھا کریں اور جب کوئی واعظ آئے بس وہی لباس پہنا کر اُس سے وعظ کہلوا لیا جائے اور جب وہ وہاں سے چلنے لگے تو اُس لباس کو اُتروا لیا جائے تاکہ اسی قسم کے دوسرے موقعوں پر پھر کام دے۔ چنانچہ اب میں اسی کا منتظر ہوں کہ مجوز صاحب ہم لوگوں کے لئے اس کا کیا انتظام فرماتے ہیں اور اگر انتظام نہ کیا تو پھر اُن کو ڈوب مرنا چاہئے (کل تقریر میں بس صرف یہ ایک کلمہ تیز تھا) وہ صاحب اُس وقت وعظ میں موجود تھے بہت شرمندہ ہوئے۔

شملہ ہی کا ایک اور واقعہ یاد آیا۔ جناب مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی مع چند دیگر حضرات علمار دیوبند کے حضرت والا کے ہمراہ تھے۔ شاہ صاحب سے بھی اعجاز قرآن کے متعلق وعظ کی فرمائش ہوئی۔ اُدھر علمی مضمون ادھر شاہ صاحب کا تبحر ایسے دقیق مضامین بیان فرمائے کہ سامعین کی سمجھ ہی میں نہ آئے جن میں سے اکثر تو تعلیمیافتہ تھے۔ بعد وعظ اُنھوں نے بطور اعتراض کے آپس میں کہا کہ مولانا کو یہاں تشریف لانے ہی کی کیا ضرورت تھی۔ مدرسہ دیوبند ہی میں بیٹھ کر علمار کے سامنے کیوں نہ وعظ کہہ لیا۔ حضرت والا کو جب اس اعتراض کی اطلاع ملی تو دوسرے وقت اپنے وعظ میں اس اعتراض کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ اعتراض ہی لغو ہے آپ لوگ خود اس کے ذمہ دار ہیں کیونکہ مضمون ہی آپ نے ایسا دیا تھا جو علمی تھا اور جس کو اتنا سہل نہیں کیا جا سکتا تھا کہ سب سمجھ سکیں۔ اور جتنا سہل کیا جا سکتا تھا اُتنا بھی قصداً نہیں کیا گیا کیونکہ اس میں ایک بڑی مصلحت تھی وہ یہ بھی دکھلانا تھا کہ جب آپ علمار کے اُردو کلام کو بھی نہیں سمجھ سکتے تو قرآن و حدیث کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ اور اُن سے مسائل مستنبط کرنا تو بہت بڑی بات ہے۔ اب تو آپ کی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ امور دینیہ میں رائے زنی کرنے کے آپ صاحبان ہرگز اہل نہیں۔ اس پر بھی معترضین بہت شرمندہ ہوئے۔

ایک جگہ مارواڑ میں ایک پیرزادے کسی عالم کو اپنے ساتھ اس غرض سے وعظ میں لائے تھے کہ اگر ہمارے خلاف کوئی بات کہیں گے تو حضرت والا کے ساتھ مناظرہ کرائیں گے کیونکہ اُنھیں اندیشہ تھا کہ وعظ سُن کر اُنکے معتقدین کہیں برگشتہ نہ ہو جائیں۔ حضرت والا کو اس کا علم بھی نہ تھا لیکن منجانب اللہ مناسب حال مضمون ہی معرض بیان میں آ گیا لہذا دوران وعظ میں فرمایا کہ بزرگوں کی اولاد کا بھی حق ہے اُن کی مالی خدمت ضرور کی جائے لیکن اُن سے دین کی خدمت ہرگز نہ لی جائے اور مسئلہ مسائل پوچھنے کی انکو ہرگز زحمت نہ دی جائے یہ کام علمار سے لیا جائے کیونکہ وہ واقف ہیں لیکن علمار کی مالی خدمت نہ کی جائے کیونکہ اُن کو اس کی ضرورت ہی نہیں سب بقدر حاجت تحصیل معاش کر رہے ہیں اور اُن

بزرگ زادوں کا اور کوئی ذریعہ معاش نہیں لہذا مالی خدمت توان کی کیجائے اور کام علماء سے لیا جائے الخ یہ سنکر وہ پیر صاحب خوش ہو گئے اور بعد وعظ بجائے مناظرہ کرانے کے حضرت والا کے ہاتھ چومے حضرت والا نے اس واقعہ کو بیان فرماکر فرمایا کہ وہ اس سے فضول خوش ہوئے یہ نہ سمجھے کہ میں نے تو اُن کی جڑ ہی کاٹ دی کیونکہ جس سے لوگ دین کی خدمت لینگے اور فائدہ حاصل کریں گے اُس کی مالی خدمت کریں گے یا ان کی۔

حضرت والا کا معمول تھا اگر کسی کی فرمایش سے وعظ کے لئے مضمون متعین نہ فرماتے بلکہ جس جگہ جس مضمون کی واقعی ضرورت ہوتی اور عین وقت پر جو مضمون منجانب اللہ قلب پر وارد ہوتا اُسی کو اختیار فرماتے۔ اور بالخصوص مسائل اختلافیہ کے بیان سے تو بالقصد بہت ہی محترز رہتے۔ لیکن جہاں استطراداً ذکر آجاتا تو پھر صاف صاف مگر نرم اور خوشگوار عنوان سے فرماتے۔ حضرت والا کو اکثر مخالفین اہل حق اور بدعتی خیال کے لوگوں میں بھی وعظ کہنے کا اتفاق ہوا لیکن بفحوائے الحق یعلو ولا یعلیٰ بعون اللہ تعالیٰ ہمیشہ غالب اور محبوب ہی رہے اور مخالفین مرعوب و مغلوب۔

چنانچہ جونپور میں قبل وعظ ڈاک سے ایک بیہودہ خط پہونچا جس میں چار مضمون تھے ایک تو یہ کہ تم جُلاہے ہو۔ دوسرے یہ کہ جاہل ہو تیسرے یہ کہ کافر ہو چوتھے یہ کہ سنبھل کر بیان کرنا۔

حضرت والا نے قبل وعظ مجمع کو مخاطب بنا کر فرمایا کہ میں آپ صاحبوں سے ایک امر میں مشورہ چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس قسم کا ایک خط میرے پاس آیا ہے پھر وہ خط سب کے سامنے پڑھکر سنایا اور فرمایا کہ یہ جو لکھا ہے کہ تم جلاہے ہو تو اگر میں جلاہا ہوں بھی تو اس میں حرج ہی کیا ہے میں یہاں کوئی رشتے ناتے کرنے تو آیا نہیں۔ احکام الٰہی سنانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ سو اس کو قومیت سے کیا علاقہ دوسرے یہ چیز اختیاری بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو جس قوم میں چاہا پیدا فرمادیا سب قومیں اللہ تعالیٰ ہی کی بنائی ہوئی ہیں اور سب اچھی ہیں اگر اعمال و اخلاق اچھے ہوں یہ تو مسئلہ کی تحقیق تھی۔ رہی واقعہ کی تحقیق سو مسئلہ کی تحقیق کے بعد واقعہ کے تحقیق کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی لیکن پھر بھی اگر کسی کو تحقیق واقعہ کا شوق ہی ہو تو میں آپ کو اپنے وطن کے عمائد کے نام اور پتے لکھوائے دیتا ہوں اُن سے تحقیق کر لیجئے معلوم ہو جائے گا کہ میں جلاہا ہوں یا کس قوم کا اور اگر مجھ پر اطمینان ہو تو میں مطلع کرتا ہوں کہ میں جلاہا نہیں ہوں۔ رہا جاہل ہونا اس کا البتہ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں جاہل بلکہ اجہل ہوں لیکن جو کچھ اپنے بزرگوں سے سنا ہے اور کتابوں میں دیکھا ہے اُس کو نقل کر دیتا ہوں۔ اگر کسی کو کسی بات کے غلط ہونے کا شبہہ ہو

اُس پر عمل نہ کرے اور کافر ہو نے کو جو لکھا ہے تو اس میں زیادہ قیل وقال کی حاجت نہیں میں آپ صاحبوں کے سامنے پڑھتا ہوں اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر میں نعوذ باللہ کافر تھا بھی تو لیجئے اب نہیں رہا۔

آخر میں سنبھل کر بیان کرنے کی دھمکی دی گئی ہے اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ وعظ گوئی کوئی میرا پیشہ نہیں ہے۔ جب کوئی بہت اصرار کرتا ہے تو جیسا کچھ مجھے بیان کرنا آتا ہے بیان کر دیتا ہوں۔ اگر آپ صاحبان نہ چاہیں گے تو میں ہرگز بیان نہ کروں گا۔ رہا سنبھل کر بیان کرنا تو اُس کے متعلق صاف صاف عرض کئے دیتا ہوں کہ میری عادت خود ہی چھیڑ چھاڑ کی نہیں ہے قصداً کبھی کوئی ایسی بات نہیں بیان کرتا جس میں کسی گروہ کی دل آزاری ہو یا فساد پیدا ہو لیکن اگر اصول شرعیہ کی تحقیق کے ضمن میں کسی ایسے مسئلہ کے ذکر کی ضرورت ہی پیش آجاتی ہے جس کا رسوم بدعیہ سے تعلق ہے تو پھر میں رُکتا بھی نہیں اس لئے کہ یہ صریح دین میں خیانت ہے۔ یہ سب باتیں سننے کے بعد اب بیان کے متعلق جو آپ صاحبوں کی رائے ہو اُس سے مطلع کر دیا جائے اگر اسوقت کوئی ادنیٰ شخص بھی یہ کہدیگا کہ بیان نہ کیا جائے تو میں ہرگز بیان نہ کروں گا لیکن اس کے متعلق میرا یہ مشورہ ہے کہ ابھی تو مجھ کو بیان کرنے دیا جائے اور جب کوئی بات کسی کے خلاف طبع بیان کرنے لگوں فوراً مجھ کو روک دیا جائے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر کوئی ادنیٰ شخص بھی مجھے روک دیگا میں اپنے بیان کو فوراً منقطع کر دوں گا اور بیٹھ جاؤں گا۔ بہتر تو یہ ہے کہ وہی صاحب روک دیں جنھوں نے یہ خط بھیجا ہے یا اگر خود کہتے ہوئے اُنھیں شرم آئے یا ہمت نہ ہو تو چپکے سے کسی اور ہی کو سکھلا پڑھا دیں اُن کی طرف سے وہ مجھے روک دیں۔

یہ سُن کر ایک پٹھان معقولی مولوی صاحب جو بدعتی خیال کے تھے اور جنکا وہاں بہت اثر تھا کڑک کر بولے کہ یہ خط لکھنے والا کوئی حرامزادہ ہے۔ آپ وعظ کہئے آپ کیسے فاروقی ہیں؟۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میں ایسی جگہ کا فاروقی ہوں جہاں کے فاروقیوں کو یہاں کے لوگ جُلاہے سمجھتے ہیں۔

جب سارا مجمع خط لکھنے والے کو بُرا بھلا کہنے لگا خصوص وہ مولوی صاحب نحش فحش گالیاں دینے لگے تو حضرت والا نے روکا کہ گالیاں نہ دیجئے مسجد کا تو احترام کیجئے۔ پھر حضرت والا کا وعظ ہوا اور بہت زور و شور کا وعظ ہوا۔ اتفاق سے دوران وعظ میں بلا قصد بضمن کسی تحقیق علمی کے کچھ رسوم و بدعات کا بھی ذکر چھڑ گیا پھر تو حضرت والا نے بلا خوف لومۃ لائم خوب ہی رد کیا

مگر حسب معمول نہایت تہذیب کے ساتھ اور غیر دل آزارانہ طریق پر۔ گو حضرت والا روک دینے کا عام اختیار دے چکے تھے لیکن کسی کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ بقول ؎

ہیبتِ حق است این از خلق نیست ہیبتِ ایں مردِ صاحب دلق نیست

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

وہ معقولی مولوی صاحب شروع شروع میں تو بہت تحسین کرتے رہے اور بار بار سبحان اللہ سبحان اللہ کے نعرے بلند کرتے رہے کیونکہ اُسوقت تصوف کے رنگ پر بیان ہو رہا تھا لیکن جب ردّ بدعات ہونے لگا تو پھر چُپ ہو گئے مگر بیٹھے سنتے رہے۔ یہ بھی خدا کا بڑا فضل تھا کیونکہ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ ایسے کٹر اور سخت ہیں کہ جہاں کسی واعظ نے کوئی بات خلاف طبع کہی اور اُنھوں نے وہیں ہاتھ پکڑ کر منبر پر سے اُتار دیا لیکن اُسوقت دم نہیں مار چکے بیٹھے سنتے رہے۔ کچھ تو حضرت والا کا خداداد رعب کچھ اپنے سکھے کی بیچ۔ لیکن جب وعظ ختم ہوا اور مجمع رخصت ہونے کے لئے کھڑا ہو گیا تو اُسوقت اُن مولوی صاحب نے حضرت والا سے کہا کہ ان مسائل کے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اسپر ایک دوسرے ذی اثر مولوی صاحب اور وہ بھی بدعتی ہی خیال کے تھے بڑھے اور جواب دینا چاہا لیکن حضرت والا نے اُنھیں روکدیا کہ خطاب مجھسے ہے آپ جواب نہ دیں مجھے عرض کرنے دیں پھر حضرت والا نے اُن معقولی مولوی صاحب سے فرمایا کہ آپ نے یہ بات پہلے مجھ سے نہ فرمائی ورنہ میں احتیاط کرتا اور میں نے تو جو کچھ بیان کیا ضروری ہی سمجھکر بیان کیا مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ اب تو بیان ہو چکا لیکن ہاں ایک صورت اب بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ ابھی تو مجمع موجود ہے آپ پکار کر کہدیجئے کہ صاحبو اس بیان کی کوئی ضرورت نہ تھی پھر میں آپکی تکذیب نہ کروں گا اور آپ ہی کی بات اخیر رہیگی۔ اسپر سب لوگ ہنس پڑے۔ مولوی صاحب کو مجمع کے انداز سے اپنی اہانت کا اندیشہ ہوا اور وہ فوراً یہ کہکر رخصت ہوئے تسلیمات عرض ہے اُن کے چلے جانے کے بعد سب لوگ اُن کو بُرا بھلا کہنے لگے جب بہت شور و غل ہوا تو حضرت والا نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ صاحبو ایک پردیسی کی وجہ سے آپ مقامی علماء کو ہرگز نہ چھوڑیں میں آج مچھلی شہر جا رہا ہوں اب آپ صاحبان یہ کریں۔ اور میں اُن صاحب کو بالخصوص خطاب کرتا ہوں جنھوں نے خط بھیجا ہے کہ وہ میرے بیان کا رد کرا دیں پھر دونوں راہیں سب کے سامنے ہوں گی جو جس کو چاہے اختیار کرے فساد کی ہرگز ضرورت نہیں پھر اُن دوسرے مولوی صاحب نے جو باوجود بدعتی خیال ہونے کے حمایت کیلئے بڑھے تھے کھڑے ہو کر فرمایا کہ صاحبو آپ جانتے ہیں کہ میں

مولود یہ بھی ہوں قیامیہ بھی ہوں مگر انصاف اور حق یہ ہے کہ جو تحقیق آج مولوی صاحب نے بیان فرمائی ہے صحیح وہی ہے۔ غرض اس طرح وہ جلسہ ختم ہوا اور حضرت والا مچھلی شہر تشریف لے گئے پھر دوسرے روز حضرت والا کے بیان کا رد کرایا گیا مگر کسی پر اثر نہ ہوا سُننے والے کہتے تھے کہ کل کے بیان کے سامنے یہ بیان ایسا ہے جیسے کوئی مُنھ چڑا رہا ہو۔ ان واقعات کو بیان فرما کر حضرت والا نے فرمایا کہ الحمد للہ بڑے بڑے مخالفین میں وعظ کہنے کا اتفاق ہوا لیکن کبھی کوئی ناگوار واقعہ پیش نہیں آیا نہ کہیں کوئی بے آبروئی ہوئی یعنے ایسی جس کو عادۃً بے آبروئی سمجھا جاتا ہے مختلف مقامات پر جانا ہوا اور مختلف الخیال لوگوں سے سابقہ رہا اور کہیں اپنے مشرب اور مسلک کو چھپایا نہیں لیکن اللہ تعالےٰ نے سب جگہ عزت اور آرام ہی کے ساتھ عمر بھر رکھا البتہ صرف دو بار قدرے خلجان پیش آیا جو حد کلفت تک پہونچا تھا ایکبار جودھپور میں۔ ایکبار بمبئی میں (جس کا ذکر آگے آتا ہے مؤلف) اور وہ بھی غلط فہمیوں کی بناء پر ورنہ میں تو ایسے مقامات پر جہاں مخالفین کا غلبہ ہے اکثر مخالفین ہی کا مہمان ہوتا تھا اور وہ بہت خوشی کے ساتھ خود اصرار کر کے مہمان رکھتے تھے اور میری طرف سے بھی کبھی کوئی بات ایسی نہ ہوتی تھی جو اُن کی دل آزاری کی باعث ہو۔

بمبئی میں بہت مخالفین ہیں مگر وہاں بھی لوگوں نے اصرار کیا کہ بیان کیجئے۔ میں نے وہاں بھی خوب کھل کر بیان کیا اور میں ہر جگہ کھُلے بندوں آزادی کے ساتھ ادھر اُدھر آتا جاتا تھا۔ تنہا بھی مجمع کے ساتھ بھی۔ بعض احباب نے بریلی میں منع بھی کیا کہ یہاں معاندین اور مخالفین کی بہت کثرت ہے حفاظت کا کچھ انتظام کر کے کہیں آنا جانا چاہئے۔ اس طرح ادھر اُدھر نہ پھرنا چاہئے لیکن میں نے کہدیا کہ یہ سب فضول اوہام ہیں۔ لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا ھو مولانا وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون۔ بلا حکم خدا کچھ نہیں ہو سکتا اور اگر خدا ہی کو منظور ہو تو پھر لاکھ حفاظت کیجئے کیا ہو سکتا ہے اھ۔ اب جودھپور اور بمبئی میں جو خلجان پیش آیا تھا اُس کا حال لکھا جاتا ہے اول جودھپور کا واقعہ خود حضرت والا کی عبارت میں "خوان خلیل" (یعنی تذکرہ بعض حالات حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ) مصنفہ حضرت والا مطبوعہ النور ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ سے نقل کیا جاتا ہے۔

ایک سفر میں مولانا (خلیل احمد صاحب سہارنپوری رح) کی معیت میں ایک ہموطن دوست کی طلب پر جودھپور جانا ہوا اور لوگوں کی درخواست پر احقر کے متعدد بیانات ہوئے جن سے بفضلہ تعالیٰ بہت نفع ہوا اور اہل بدعت کے خیالات میں بھی ایک درجہ میں نرمی اور حسن ظن پیدا ہو گیا۔ ہر بیان کے

ختم پر آئندہ بیان کے لئے لوگوں کی درخواست پر وقت اور موقع کا اعلان کر دیا جاتا تھا ایک شب میں ختم وعظ پر اُن دوست صاحب نے ایسے موقع کے لئے اعلان کر دیا جہاں وعظ کی درخواست نہ تھی اور وہ محلہ تمام تر اہل فساد و اہل عناد کا تھا اپنے نزدیک اُنھوں نے یہ مصلحت سمجھی کہ صبح کو جمعہ تھا اور اس محلہ کی مسجد میں جمعہ بھی ہوتا تھا تو اُن کو خیال یہ ہوا کہ اس طرح سے اہل محلہ کے کان میں حق پہونچ جاوے گا مگر اس میں خرابی یہ ہوگئی کہ اول تو محلہ کے اکثر لوگ سخت مبتدع اور متعصب تھے پھر خصوصیت کے ساتھ اُن کو اُن دوست صاحب سے پہلے سے کچھ رنج بھی تھا۔ جس کا سبب جس طرح اہل محلہ کی کج فہمی تھی کسی قدر اُن دوست صاحب کی تیز زبانی بھی تھی اُن لوگوں کو یہ اعلان نہایت ناگوار ہوا اور وہ یوں سمجھے کہ انھوں نے ہم کو زک دینے کے لئے یہ کارروائی کی ہے اور تہیہ کر لیا کہ وعظ نہ ہونے دیں گے ۔ اُن دوست صاحب کو بھی قرائن سے اس کا خطرہ ضرور تھا اُنھوں نے یہ انتظام کیا کہ مجسٹریٹ صاحب کو جو کہ گلاؤٹھی کے رہنے والے اور خوش عقیدہ شخص تھے ایک درخواست دیدی کہ عین وقت پر پولیس کا انتظام کر دیا جاوے تاکہ کوئی فتنہ وفساد نہ ہو چنانچہ درخواست منظور ہو کر ایک سب انسپکٹر مع چند جوانوں کے حاضر رہنے کے لئے مامور ہو گئے ہم لوگوں کو اس کی اطلاع عین وقت پر ہوئی جبکہ جمعہ میں جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ میں نے اپنی طبیعت اور مذاق کے موافق یہ رائے قائم کی کہ ایسی تشویش کی جگہ جانا نہ چاہئے اور تہیۂ وعظ کا دل سے نکال دیا اور اس رائے کو مجمع میں ظاہر کر دیا اُن دوست صاحب نے تو یہ جواب دیا کہ سب لغو روایتیں ہیں اور یہ راوی جنھوں نے یہ حکایت کی تھی بزدل اور کم ہمت ہیں یہ ہر جگہ یوہیں ڈرجاتے ہیں ضرور چلنا چاہئے اور مولانا نے فرمایا اگر ایسا ہو بھی تب بھی تبلیغ حق میں ایسے امور کی پروا نہ کرنا چاہئے اُن دوست کی رائے کی تو مجکو کچھ وقعت نہیں ہوئی کیونکہ اس کا منشا میرے خیال میں دنیا تھی مگر مولانا کے ارشاد پر میں خاموش ہو گیا گو میری رائے اب بھی وہی تھی کہ جانا مناسب نہیں ۔ مگر دو وجہ سے موافقت کر لی ایک اس وجہ سے کہ منشا اس رائے کا دین ہے گو وہ امر اجتہادی ہے جس میں موافقت واجب نہیں مگر ناجائز بھی نہیں دوسرے اس وجہ سے کہ جب مولانا جانے کو تیار ہیں تو میں کیا چیز ہوں کہ اپنی جان بچاؤں۔

غرض سارا مجمع وہاں پہونچا مگر رنگ بدلا ہوا پایا۔ نہ کسی نے سلام کیا نہ کلام کیا اور امامت کیلئے تو کیا پوچھتے نماز سے فراغت ہوئی اُن دوست صاحب نے اعلان کیا کہ وعظ ہوگا فوراً محلہ کے ایک شخص نے نہایت تند آواز سے کہا کہ وعظ نہ ہوگا پھر کیا تھا دونوں طرف سے آویزش ہو گئی اور

اور اس قدر شور وغل ہوا کہ خدا کی پناہ - جمعہ کی سنتیں بھی بھول گئے اور اس فرض میں مشغول ہوگئے میں اور مولانا ایک کنارہ پر سنتیں پڑھنے لگے مگر مولانا تو مطمئن اور میں متفکر کہ دیکھئے اس کا کیا انجام ہوتا ہے اور پولیس کا کہیں نام ونشان نہیں یہاں تک اختلاف کی نوبت پہونچی کہ ایک شخص جا کر منبر پر بیٹھ گیا یہ سمجھا کہ جب منبر پر میرا قبضہ ہو جاوے گا پھر وعظ کیسے ہوگا - اسی سے جہل کا اندازہ کر لیا جاوے -

ایک خاں صاحب ہمارے محبین میں اسی مزاج کے تھے وہ خنجر لیکر اُس ممبر نشین پر حملہ آور ہوئے ایک خاں صاحب ٹونک کے جو سنجیدہ مزاج تھے اُس وقت موجود تھے اُنھوں نے حملہ آور صاحب کا پیچھے سے ہاتھ پکڑ لیا کہ یہ کیا کرتے ہو ابھی سب پھنس جاویں گے وہ خفا ہو کر اُس مجمع سے چلے گئے اور یہاں شور وغل کی وہی حالت -

جب میں سنتیں پڑھ چکا اور معلوم کر لیا کہ یہ سارا غیظ اس احتمال پر ہے کہ کہیں وعظ نہ ہونے لگے تو میں نے اس فتنہ کے سرغنہ کو اپنے پاس بلایا - غنیمت ہے کہ وہ آ بیٹھے اور نہایت غصہ سے کہا کہ کہئے - میں نے کہا کیا تم کو یہ شبہ ہے کہ وعظ ہوگا - سو سُن لو وہ واعظ میں ہوں اور میرا وعظ ایسا ارزاں نہیں ہے کہ کسی کے سر ہو کر کہوں - میں تو بہت خوشامد کرا کر وعظ کہتا ہوں اور اس حالت میں تو میں کسی طرح کہہ ہی نہیں سکتا تم اطمینان رکھو میں ہرگز وعظ نہ کہوں گا بلکہ اب تو اگر تمام اہل محلہ بھی درخواست کریں تب بھی نہ کہوں - اسپر احقر مؤلف کو حضرت حافظ رح کا یہ شعر یاد آتا ہے ؎

ہمائے گو مفگن سایۂ شرف ہرگز — دراں دیار کہ طوطی کم از زغن باشد - ۱۲

تم لڑو مت اور یہ اعلان میرے مشورہ سے نہیں ہوا بلکہ خلاف مزاج ہوا - یہ سنتے ہی وہ شخص ٹھنڈا ہو گیا اور اُس کے ٹھنڈے ہونے سے سب خاموش ہو گئے - میں نے بواسطہ دوسرے شخص کے اس کے بعد یہ قول سُنا کہ وہ کہتا تھا کہ ان لوگوں کی کیا بات ہے ان کی تو جوتیاں ہم اپنے سر پر رکھ لیں یہ سارا فساد فلاں شخص کا ہے جس نے اپنی رائے سے اعلان کر دیا اور یہ بھی مسموع ہوا کہ وہ لوگ کہتے تھے کہ ہم کو وعظ ہونا ناگوار نہ تھا بلکہ یہ متغلبانہ تصرف ناگوار ہوا - ہم کو خاص طور پر اطلاع کی جاتی تو ہم خود حاضر ہو کر وعظ کی درخواست کرتے پھر آنے والوں کے لئے خاص طور پر فرش کا برف کا شربت کا انتظام کرتے اس طرح سے ہماری سخت اہانت تھی جو ہم کو گوارا نہیں ہوا -

جب فضا میں سکون ہوا ہم لوگ مسجد سے واپس آ رہے تھے کہ سب انسپکٹر صاحب مع گارد کے راستہ میں ملے کہنے لگے چلئے وعظ کہئے - میں نے کہا سبحان اللہ کیا موقع پہ

پہونچے ہیں یہاں تو خون ہو جاتا آپ کا آنا کس مصرف کا ہوا اور اب وعظ نہیں ہو سکتا۔ وعظ کیا ہوا کھیل ہوا یہ وہی بات ہوئی ؏

بس ازاں کہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

اور وہ بات ہوئی ؏

ہماری جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

اُس وقت مولانا مدظلہ فرما رہے تھے کہ راہ حق میں ایسی کلفت بھی کیسی لذت بخش ہے۔

یہ تو جودھپور کا واقعہ ہوا۔ اور بمبئی کا واقعہ بھی حضرت والا نے احقر کی درخواست پر اپنے قلم مبارک سے تحریر فرما کر احقر کو دیا اس کو بلفظہ نقل کرتا ہوں۔

بمبئی کا واقعہ اس طرح ہے کہ جب چھوٹے گھر میں سے حج کر کے واپس ہوئیں اور مجھ کو تار سے بمبئی آنے کی تاریخ کی اطلاع ہوئی تو میں اور میرے ہمراہ ایک رئیس کہ اُن کے گھر میں سے بھی حج سے آرہی تھیں لینے کے لئے بمبئی گئے۔ بمبئی میں میرا قیام حکیم محمد سعید صاحب کے مکان پر ہوتا تھا مگر وہ اُس وقت موجود نہ تھے۔ بمبئی کے ایک رہنے والے صاحب نے محبت سے اپنے مکان پر قیام کی درخواست کی جس کو میں نے منظور کر لیا۔ ساحل پر پہونچکر دیکھا کہ وہ جہاز تو آگیا ہے مگر شام ہونے کے سبب مسافروں کو اُترنے کی اجازت نہیں ہوئی واپس آکر اُسی مکان میں شب گذارنے کے لئے آگئے۔ مغرب کی نماز محلہ کی مسجد میں پڑھی۔ اس زمانہ میں وہاں کوئی مناظرہ ہونے والا تھا جس کے اشتہارات جابجا چسپاں تھے اور اسی سلسلہ میں کچھ لوگ باہر سے آنے والے تھے بعض مفسدوں نے غلط فہمی سے یہ سمجھا کہ اُسی سلسلہ میں میں بھی آیا ہوں مفسدوں کا مذہب ہمیشہ سے یہ ہے ؎

چو حجت نماند جفا جوئے را به پرخاش در ہم کشد روئے را

اسی قانون سے ایک مسلح جماعت بعد عشاء اس مکان میں آگئی اور آتے ہی لالٹین توڑدی اور قاتلانہ حملہ کر دیا جس کو اُن ہمراہی رئیس کے ملازم نے آگے بڑھ کر روکا اور میں اُسی تاریکی میں سڑک کی طرف ایک برآمدہ تھا اُس میں ہو گیا اور صاحب مکان نے اُسی برآمدہ میں آکر پولیس کو پکارا جس کے ساتھ فوراً ہی مفسدین فرار ہو گئے اور حق تعالیٰ نے سب کو محفوظ رکھا بعد میں معلوم ہوا کہ اُن لوگوں کو شرکت مناظرہ کا دھوکا ہوا۔ صبح کو محبین نے کمشنر پولیس کو اطلاع کی اُس نے کہا کہ صاحب معاملہ کو ٹھہرنا پڑے گا اگر یہ گوارا ہو تو میں ان مفسدوں کا پورا انتظام

کروں مجھکو یہ دو وجہ سے منظور نہ ہوا۔ ایک تو اس لئے کہ میں حجاج کو جلد گھر پہونچانا چاہتا تھا۔ دوسرے یہ کہ اُن لوگوں کا یہ فعل عمدًا نہ تھا قتل خطا کی طرح قابل قصاص نہ تھا پھر ایسے مواخذات اپنے بزرگوں کی وضع کے بھی خلاف تھے۔ البتہ میں نے صبحکو مکان بدل دیا یعنی حکیم محمد سعید صاحب ہی کے مکان پر ہم لوگ اُٹھ آئے نیز وہاں حجاج کو بھی ہر طرح کا آرام آسانی سے مل سکتا تھا پھر حجاج کو جہاز سے اُتار کر حکیم صاحب کے مکان میں ٹھرا دیا اور ایک دو روز جتنا بھی وہاں قیام ہوا آزادانہ منظر عام پر پھرتا رہا اور اس لئے بھی کوئی خاص اندیشہ نہ تھا کیونکہ اُنکو دھوکا ہونا محقق ہو گیا تھا پھر امن و امان کے ساتھ اپنے وطن واپسی ہو گئی۔ یہ قصہ اتنا غلط مشہور ہوا کہ قتل تک کی روایتیں پھیل گئیں تحقیق کے لئے دوستوں کے خطوط آئے واقعیت معلوم کر کے سب مطمئن ہو گئے۔ غرض بفضلہ تعالیٰ کسی سفر میں میرے کسی فعل سے کسی کو کوئی ناگواری یا برہمی نہیں ہوئی اور ان دو مقام (یعنی بمبئی اور جودھپور) میں جو ہوا غیروں کے سبب ہوا اور اُن کے اثر سے بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت رہی۔

حضرت والا کا ہر وعظ اخلاص اور ضرورت پر مبنی ہوتا تھا۔ چنانچہ جودھپور میں چونکہ دیوبندیوں کو لوگ عمومًا وہابی کہتے تھے اس لئے اپنے موافقین میں سے ایک خیر خواہ نے کہا کہ مصلحت یہ ہے کہ بیان وعظ میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل بیان کئے جائیں۔ حضرت والا نے صاف انکار فرما دیا کہ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ میں اپنی مصلحت کے لئے وعظ کہوں کہ لوگ مجھے حنفی سمجھیں حالانکہ وعظ ہونا چاہئے سامعین کی مصلحت کے لئے۔ اسی طرح دار العلوم دیوبند کے بڑے جلسۂ دستار بندی میں بعض حضرات اکابر نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جماعت کی مصلحت کیلئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے جائیں تاکہ اپنے مجمع پر جو وہابیت کا شبہہ ہے وہ دور ہو یہ موقع بھی اچھا ہے کیونکہ اس وقت مختلف طبقات کے لوگ موجود ہیں۔ حضرت والا نے بہ ادب عرض کیا کہ اس کے لئے روایات کی ضرورت ہے اور وہ روایات مجھکو مستحضر نہیں۔ اسپر حضرت والا سے فرمایش ہوئی کہ اگر وقت پر کچھ روایات یاد آجائیں تو ان کے متعلق کچھ بیان کر دیا جائے ورنہ خیر چونکہ اکابر کیطرف سے اختیار ملگیا اس لئے حضرت والا نے حبّ دنیا کے متعلق وعظ بیان فرمایا جس کی بوجہ ابتلاء عام سخت ضرورت تھی۔ اور عام مصلحت اسی کے بیان کو مقتضی تھی اور خاص بیان میں اپنے مجمع کی مصلحت تھی یعنی ان کو بدنامی سے بچانا اور ظاہر ہے کہ مصلحت عام مقدم ہوتی ہے مصلحت خاص پر۔ نیز اس مضمون کے اختیار کرنے کا ایک اور بھی محرک تھا وہ یہ کہ اس جلسہ کے قریب ہی زمانہ میں حضرت والا سخت بیمار ہو گئے تھے یہاں تک کہ شرکت جلسہ سے مایوسی ہو گئی تھی اور بظاہر کوئی صورت نہ تھی اُسی حالت میں حضرت والا نے

خواب دیکھا کہ میں جلسہ میں اس حدیث کا وعظ کہہ رہا ہوں حُبُّ الدُّنیا رَأسُ کُلِّ خَطِیئَۃٍ چنانچہ بالکل خلاف توقع عین وقت پر صحت بھی ہوگئی اور قوت بھی بقدر ضرورت آگئی۔ اور اسی حدیث کا وعظ بیان فرمایا۔ غرض حضرت والا کا ہر وعظ اخلاص اور ضرورت واقعیہ پر مبنی ہوتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ غیب سے اعانت ہوتی تھی اور سامعین بے حد متاثر و مستفید ہوتے تھے یہاں تک کہ یہ امر تواتر کی حد تک پہونچ چکا ہے کہ حضرت والا کے مواعظ و ملفوظات سامعین کے اسقدر حسب حال ہوتے ہیں کہ گویا اس شعر کے مصداق ہیں ؎

اے لقائے تو جواب ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

یہاں تک کہ اکثر طالبین کو حضرت والا پر کشف کا گمان ہوتا ہے جس کی حضرت والا بقسم نفی فرماکر اس کی وجہ یہ بیان فرمایا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تو سب کے قلوب کا حال معلوم ہے جو جس کے دل میں ہوتا ہے اُسی کے مناسب مضامین میرے قلب میں ڈالدیتے ہیں اور میری زبان سے ادا کرادیتے ہیں جس سے اُن کی تشفی ہوجاتی ہے۔ احقر کو خود اپنا واقعہ یاد آیا۔ الہ آباد کے وعظ میں وساوس کا ذکر تھا۔ یہ فرمارہے تھے کہ شیطان وساوس کو قلب میں اُوپر سے ڈالتا ہے قلب کے اندر سے وساوس پیدا نہیں ہوتے جیسے غلہ کسی کوٹھری میں لاکر بھر دیا جائے تو وہ غلہ کوٹھری کے اندر نہیں پیدا ہوا۔ پیدا تو کھیت میں ہوا ہے لیکن وہاں سے لاکر اُس کو کوٹھری میں بھر دیا گیا ہے۔ اس مقام پر احقر کے دل میں یہ خیال آیا کہ معلوم تو یہی ہوتا ہے کہ وساوس قلب کے اندر ہی سے پیدا ہو رہے ہیں بس فوراً فرمایا کہ گو بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ وساوس قلب کے اندر گھسے ہوئے ہیں لیکن یہ بات نہیں ہوتی بلکہ قلب کے اندر جو کچھ محسوس ہوتا ہے وہ محض انعکاس ہوتا ہے جیسے کسی آئینہ پر مکھی بیٹھی ہو تو دیکھنے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آئینہ کے اندر ہے۔ حالانکہ اندر محض اُس کا عکس ہوتا ہے در اصل وہ آئینہ کے اوپر ہی اوپر رہتی ہے۔ یہ سُن کر احقر کی پوری تسلّی ہوگئی۔

حضرت والا کے وعظ کے مبنی بر اخلاص ہونے پر یاد آیا۔ ایک بار حضرت والا کے وعظ کا الہ آباد میں اشتہار ہوا اشتیاق میں بہت مجمع جمع ہوگیا۔ لیکن مولوی سلیمان صاحب پھلواروی نے حضرت والا سے اجازت لیکر قبل حضرت والا کے وعظ کے کچھ بیان کرنا شروع کیا اور اُن کی تقریر بہت مفصّل و مطوّل ہوگئی اُس کے بعد حضرت والا نے باوجود سامعین کے بے حد اصرار کے بیان فرمانے سے اس بناء پر انکار فرمادیا کہ مولانا نے ضروری باتیں تو سب بیان فرمادی ہیں اب میرے بیان کی

کیا ضرورت ہے اب جو مجھ سے اصرار ہے اُس کے تو یہ معنی ہیں کہ میں ڈھونڈھ کر ایسے مضامین بیان کروں جو مولانا کے بیان سے رہ گئے ہوں اور اُن سے اچھے ہوں یہ تو ایک معارضہ اور مقابلہ کی سی صورت ہے لہذا اب میں بیان نہ کروں گا۔ اھ۔ سبحان اللہ کیا اخلاص ہے اور دوسرے علماء کی کسقدر رعایت ہے۔ یہ واقعہ جناب شیخ محمد عمر صاحب الہ آبادی نے جو مولانا محمد حسین صاحبؒ الہ آبادی کے خادم خاص ہیں۔ احقر سے بیان فرمایا ہے۔

حضرت والا نے ضرورت کے موقعوں پر بڑے بڑے معرکۃ الآراء مباحث اور مختلف فیہ مسائل پر بھی وعظ فرمائے لیکن اس خوبی کے ساتھ کہ نہ اظہار و احقاق حق میں کچھ تامل فرمایا نہ تردید و ابطال باطل میں کوئی کسر رکھی نہ کسی کی ذرا دل آزاری کی نہ تہذیب کو کبھی اپنے ہاتھ سے جانے دیا۔ خود فرمایا کرتے ہیں کہ میں کریلہ تو کھلاتا ہوں لیکن چٹ پٹے مسالوں سے مزیدار بنا کر اور کونین کی گولی دیتا ہوں لیکن شکر میں لپیٹ کر تاکہ بجائے ناگواری کے خوشگواری کے ساتھ بسہولت حلق سے اُتر جائے۔ اکثر دیکھا گیا کہ حضرت والا نے نو تعلیم یافتوں کو خوب کھری کھری سنائیں لیکن ایسے دل آویز عنوان سے کہ وہ لوگ ہنس ہنس کر سنتے رہے اور اثر نیک لیتے رہے۔

مؤتمر الانصار کے جلسہ میں جو بمقام میرٹھ ہوا تھا ایک واعظ صاحب نے جو بہت متشدد تھے انگریزی دانوں کو بہت برا بھلا کہا اور اُن کو ملعون تک کہہ ڈالا جو اُن لوگوں کو بہت ناگوار ہوا اگلے روز حضرت والا کا بیان تھا۔ حضرت والا نے اس تمہید کے بعد کہ مولانا نے بوجہ وقت کی کمی کے جو کچھ فرمایا تھا مجمل فرمایا تھا چونکہ وہ مضمون ضروری ہے اسلئے میں آج اُسی کی تفصیل عرض کرتا ہوں۔ پھر نو تعلیمیافتوں کے عقائد ملحدانہ اور کفریہ کو بہ تفصیل و تشریح بیان فرما کر فرمایا کہ اب میں خود آپ صاحبوں ہی پر اسکا فیصلہ چھوڑتا ہوں کہ جس کے ایسے ایسے عقائد اور اعمال ہوں اُس کے بارہ میں شریعت مقدسہ کو سامنے رکھکر آپ کیا حکم دیتے ہیں۔ غرض حضرت والا نے بھی اُن لوگوں کو وہی کہا بلکہ اُس سے بڑھکر جو اُن واعظ صاحب نے کہا تھا لیکن اس لطافت کے ساتھ کہ ذرا ناگوار نہ ہوا بلکہ انھوں نے بزبان حال خود تسلیم کر لیا کہ واقعی ہم لوگ ایسے ہی ہیں۔ کہا سب کچھ لیکن کوئی موحش لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ پھر اُن صاحبوں کو دفع شبہات و درستی عقائد و اعمال کا نہایت سہل اور معقول طریق عمل بھی بتایا اور فرمایا کہ اگر آپ واقعی اپنی اصلاح چاہتے ہیں تو آپ جس کو محقق سمجھتے ہوں اُسکے پاس جا کر کم از کم چالیس روز اُس کے مہمان رہیں لیکن خاموشی کے ساتھ۔ ہاں ایک بار تو آپ اپنے کل شبہات کی تقریر لکھ کر دیدیں پھر وقتاً فوقتاً جو باتیں مجلس میں ہوتی رہیں اُن کو بلا ردوکد سنتے رہیں

اور بعد کو تنہائی میں غور کرتے رہیں - میں اللہ کے بھروسے وعدہ بلکہ دعویٰ کرتا ہوں کہ اس مدت میں بایں تدبیر انشاء اللہ تعالیٰ شبہات دور ہو کر کم از کم عقائد تو بالکل درست ہو جائیں گے پھر جب عقائد درست ہو گئے تو اُن کی برکت سے رفتہ رفتہ اعمال بھی انشاء اللہ تعالیٰ درست ہو جائیں گے۔

یہ سنکر اُن لوگوں نے آپس میں کہا کہ یہ شخص تو مشاہدہ کرا دینے کا دعویٰ کر رہا ہے اسکی تردید کی تو کوئی صورت ہی نہیں ہو سکتی جب تک کہ اسکے کہنے کے مطابق تجربہ نہ کر لیا جائے۔ اور سچ یہ ہے کہ ان کا قول جی کو تو لگتا ہے کہ ضرور ایسا ہی ہو جائے گا - جیسا یہ دعویٰ کر رہے ہیں - بلا تجربہ کئے ہمارے پاس ابھی کوئی دلیل بھی تو تردید کی نہیں۔

لاہور میں کوئی خاص جلسہ تھا جس میں بڑے بڑے علماء مدعو کئے گئے تھے۔ وہاں جواز وعدم جواز سود کی بحث چھڑ گئی جب حضرت والا پہونچے تو مولانا سلیمان صاحب پھلواری نے علماء کی مجلس میں بے ساختہ فرمایا کہ بس اب جو بات حق ہو گی وہ معلوم ہو جائے گی اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہو جائے گا اھ۔ واقعی بالکل ٹھیک فرمایا حضرت والا کی شان تحقیق بالکل ایسی ہی ہے

کانپور کے قیام کے زمانہ میں جب حضرت والا نے یہ دیکھا کہ اہل سنت والجماعت بھی اہل تشیع کی مجالس عزا میں جا جا کر شہادت کے واقعات سننے کے عادی ہو رہے ہیں تو حضرت والا نے محرم کے عشرۂ اول میں روزانہ بالترتیب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے واقعات وفات بیان فرمانا شروع کر دئے۔ تاکہ اس ہیئت میں اہل عزا کے ساتھ تشبہ نہ رہے۔ پھر تو ایسی دلچسپی بڑھی کہ شیعوں کی مجلسیں بھی پھیکی پڑ گئیں اور لوگ بجائے وہاں جانے کے یہاں آنے لگے اور نہ صرف سُنّی بلکہ شیعہ بھی کثرت سے آتے اور بہت متاثر ہوتے یہاں تک کہ اول تینوں خلفاء کے واقعات وفات سُنکر بھی خوب روئے لیکن جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا واقعۂ شہادت بیان فرمایا تو قصداً ایسے سیدھے سادے اور متین الفاظ استعمال فرمائے کہ باوجود نہایت درد انگیز واقعہ ہونے کے ایک آنسو بھی کسی کی آنکھ سے نہ نکلا۔ لوگ حیرت کرتے تھے۔ حضرت والا اپنے اُن بیانات کے اندر لطیف پیرایہ میں اہل تشیع کے عقائد کا رد بھی فرماتے تھے لیکن اُن کو ناگوار نہ ہوتا تھا بلکہ اگر نہایت شوق سے سنتے تھے البتہ بعد بیان کے یہ کہتے کہ مولانا چٹکیاں لیتے ہیں۔

چنانچہ ایک بار خلافت کی ذمہ داریوں اور دشواریوں کا بیان کر کے فرمایا کہ شیعہ صاحبوں کو حضرات خلفائے ثلثہ کا ممنون ہونا چاہئے کہ اُنھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ۲۴ سال تک

راحت میں رکھا ورنہ بجائے ۶ سال کے ۳۰ سال تک مصیبت بھگتنی پڑتی کیونکہ شروع خلافت سے تیس سال تک حضرت علی رضی اللہ عنہ زندہ رہے۔ جس میں صرف چھ سال خود خلیفہ رہے حضرت والا کے اس قسم کے بیانات کو سُن سُن کر کئی شیعہ تو قریب قریب سنّی ہو گئے۔ کانپور کے قیام کے زمانہ میں بھی حضرت والا نے بڑے بڑے معرکۃ الآرا اور چھ چھ سات سات گھنٹے کے وعظ کھڑے ہو کر فرمائے۔ اور ایک بار مسلسل دو ماہ تک محلہ محلہ صرف نماز ہی کے متعلق بیانات ہوتے رہے جن کا یہ اثر ہوا کہ مسجدوں میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جگہ باقی نہ رہی اور نماز کا اتنا شوق بڑھا کہ یکہ والے اپنی سواریوں سے پوچھ پوچھ کر نماز یاد کیا کرتے تھے۔ اس زمانہ کے وعظوں میں بہت دقیق دقیق مسائل علمیہ کی نہایت بلیغ بلیغ تقریریں بھی ہوتی تھیں جن کا سمجھنا بھی مشکل ہوتا تھا۔ آمد مضامین کی یہ کیفیت تھی کہ جناب مولانا حکیم محمد مصطفےٰ صاحب فرماتے ہیں کہ احقر نے خود ایک حدیث کا بیان کم از کم پچاس دفعہ سنا ہوگا لیکن کبھی مضامین مکرر نہیں ہوئے۔ افسوس ہے کہ اُسوقت تک مواعظ کے قلمبند کئے جانے کا سلسلہ شروع نہ ہوا تھا ورنہ وہ بھی بہت نایاب ذخیرہ ہوتا۔

حضرت والا کے بعض وعظ تو سلیس ہوتے ہیں اور بعض دقیق اور دونوں اپنی اپنی شان میں بے نظیر اور دلپذیر اور کیا بلحاظ الفاظ اور کیا بلحاظ معانی لاجواب اور اس شعر کے پورے پورے مصداق سے

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ می دارد   برنگ اصحاب صورت رابہ بوار باب معنی را

ہمیشہ دیکھا گیا ہے کہ حضرت والا کے وعظ میں ہر مذاق کے لوگ شریک ہوتے اور نہایت دلچسپی کے ساتھ گھنٹوں بیٹھے سنتے رہتے۔ بڑے بڑے زباندانوں کو بھی جن میں ایک بڑے شاعر اور غالب کے شاگرد بھی تھے یہ حیرت کہتے ہوئے سُنا ہے کہ یہ الفاظ مولانا کو نہ جانے کہاں سے مل جاتے ہیں۔ اور ایک پُرانے بزرگ شاعر نے حضرت والا کی مطبوعہ مواعظ کے لطیف مضامین کو سُن کر خود احقر سے فرمایا کہ مولانا تو نثر میں نظم کا لطف پیدا کر دیتے ہیں اور گویا نثر میں شعر فرماتے ہیں۔ الفاظ کی جامعیت برجستگی و شستگی اور حسن کو دیکھ کر ایک صاحب کو فن مختصر نویسی کی تعلیم بھی دلائی گئی تاکہ مواعظ بالفاظہا ضبط کئے جا سکیں لیکن افسوس ہے کہ اُن کو اس میں کامیابی نہ ہوئی۔

ایک صاحب دل عاقل نے حضرت والا کے وعظ کا خوب ہی نقشہ کھینچا۔ فرمایا کہ حضرت کا وعظ کیا ہوتا ہے حلقۂ مشائخ ہوتا ہے۔

غرض حضرت والا کا وعظ بالکل اس ارشاد خداوندی کے مطابق ہوتا ہے۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ چنانچہ سلسلۂ مواعظ ملقب بہ دعوات عبدیت اسی آیت کے تین اجزاء پر مشتمل ہے یعنی خطبات موعظت و مقالات حکمت و مجادلات معدلت کہ یہی تین طریق ہیں وعظ بالمعنی الاعم یعنی تبلیغ کے ایک وعظ بالمعنی الاخص بطریق متعارف دوسرا طریق خطابات خاصہ یعنی ملفوظات تیسرا حل اشکالات و دفع شبہات۔

اب حضرت والا نے وعظ قریب قریب ترک ہی فرما دیا ہے اور اگر کبھی اتفاق ہوتا ہے تو ہاتھ میں کوئی کتاب لیکر بیان فرماتے ہیں اور کبھی کبھی اُس کو دیکھتے جاتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ اب وہ امنگ ہی نہیں رہی جس کا سبب یہ ہے کہ بفضلہ تعالیٰ ساری ضروری باتیں بیان کی جا چکی ہیں اور بوجہ زیادت سن ضعف بھی عارض ہو گیا ہے۔ اھ۔ یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اب لمبی تقریر سے جی اُلجھتا ہے۔ بس اب تو ضرورت کے موافق خطاب خاص ہی پر اکتفاء کرنا پسند کرتا ہوں۔ اور درحقیقت خطاب خاص ہی زیادہ نافع ہوتا ہے کیونکہ اُس میں سب ضرورت ہی کی باتیں ہوتی ہیں اھ۔

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ آخر عمر میں اکثر بزرگوں کا یہی حال ہو جاتا ہے بفحوائے من عرف رَبَّهٗ كَلَّ لِسَانُهٗ اعلیٰ اللہ تعالیٰ درجات عرفانہ۔ اس کی بہت سی نظیریں بزرگوں کے تذکروں میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ حضرت والا نے اپنے رسالہ "اماثل الاقوال والاحوال لافاضل الرجال" طبقات کبریٰ للشعرانی رح سے تحت عنوان مطلوبیۃ السکوت اذا لم یبق حاجۃ الی الکلام۔ حضرت ابی حمزہ بغدادی رح کے تذکرہ میں نقل فرمایا ہے۔ روی انہ کان حسن الکلام فھتف بہ ھاتف تکلمت فاحسنت بقی علیك ان تسکت فتحسن فما تکلم بعد ذالك حتی مات اھ

وعظ تو ہزاروں کی تعداد میں فرمائے لیکن افسوس سب قلمبند نہ ہوئے اور جو قلمبند ہوئے اُن میں سے بھی جو اب تک طبع ہو چکے ہیں صرف ۳۱۱ ہیں اور بہت سے ابھی مسودات ہی کی صورت میں ہیں چونکہ وعظ کہنا اب تقریباً بند ہی فرما دیا ہے اس لئے سخت ضرورت ہے کہ ان کو بھی جلد صاف کر لیا جائے اللہ تعالیٰ لکھنے والوں کو توفیق دے۔

تمت

باب ۱۱ یازدہم

"سفر"

حضرت والا کی طبع مبارک فطری طور پر خلوت پسند واقع ہوئی ہے - لہٰذا ہجوم سے بہت گھبراتے ہیں - اور سفر میں علاوہ خللِ معمولات ہر جگہ ہجوم مشتاقانِ زیارت مخل یکسوئی ہوتا تھا اسلئے طبع والا ہمیشہ حضر کی طرف مائل اور سفر سے نفور رہی - لیکن شرعی ضروریات مثلاً حج بیت اللہ تبلیغ احکام دین، اصلاح امت، عیادت مرضیٰ وغیرہ کی غرض سے اپنے اوپر تعب جسمانی اور روحانی برداشت فرماکر اور ہر قسم کی زحمتیں اُٹھاکر نزدیک و دور کے بہت سے سفر فرمائے جس سے بفضلہ تعالیٰ اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو نفع عظیم پہونچا - اور مختلف ممالک کے مسلمان جو بوجہ دوری و معذوری آستانۂ مبارک تک نہ پہونچ سکتے تھے وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ایک سچے وارث اور سلف صالحین کے ایک صحیح نمونے کی زیارت سے مشرف، ملفوظات و مواعظ نافعہ سے مستفیض ہفیض صحبت سے مستفید اور اسوۂ حسنہ سے بہرہ اندوز ہوئے - علاوہ بریں حضرت والا کا ہر سفر ہمراہیوں کے لئے (جو ہر مقام پر کثرت سے ساتھ ہو لیتے تھے) خصوصاً اور دیگر اشخاص کے لئے عموماً سبق آموز احکام و آداب سفر ہوتا تھا - کیونکہ حضرت والا نے خالی الذہن ہو کر کبھی سفر نہیں فرمایا - جیسا کہ عام دستور ہے بلکہ ہر موقع پر شریعت مقدسہ کے احکام اور حسن معاشرت کے اصول پر نہ صرف خود نہایت سختی کے ساتھ کاربند رہے بلکہ اپنے سب ہمراہیوں اور ملاقات کرنے والوں کو بھی بڑے اہتمام سے پابند رکھا - اور یہ ایک حکیم امت اور مجدد ملت ہی کی امتیازی شان ہو سکتی تھی ورنہ اس دور آزادی اور ابتلا میں ایسے امور اور ایسے دقائق تقویٰ کی طرف کون توجہ کرتا ہے - بالخصوص جبکہ اُن سے سفر کی صعوبتوں میں بھی اضافہ ہو جائے - سفر کے صدہا سبق آموز واقعات اور اُن کے متعلق اصلاحات کی تفصیل لکھنے کی اس مختصر میں گنجائش نہیں - اس غرض کے لئے حضرت والا کے مطبوعہ سفر نامجات اور ملفوظات حُسن العزیز وغیرہ ملاحظہ ہوں جو ایسے مضامین سے لبریز ہیں - ان سب کے ملنے کا پتہ اور ضروری تفصیل مضامین "تالیفات اشرفیہ" میں مذکور ہے جو سوانح ہٰذا کے حصۂ دوم کے آخر میں ملحق ہے

اطراف وجوانب سے شائقین وطالبین اس کثرت کے ساتھ حضرت والا کی طلبی کی درخواستیں پیش کیا کرتے تھے کہ اگر ان میں سے فی صدی دس بھی منظور فرمالی جایا کریں تو سال کے ۳۶۰ دنوں میں سے ایک دن بھی وطن مالوف میں قیام فرمانے کا موقع نہ ملا کرتا۔ بہت ہی اصرار کے بعد اور بہت سے ضروری قیود و شرائط کے ساتھ صرف خاص ہی خاص ضرورت کے موقعوں پر حضرت والا سفر کے لئے آمادہ ہوتے تھے۔ مثلاً نواب صاحب ڈھاکہ جناب معلی القاب سلیم اللہ خاں صاحب مرحوم ومغفور کے بیحد اشتیاق اور اصرار پر بشرائط ذیل سفر ڈھاکہ منظور فرمایا تھا۔

۱۔ کسی قسم کا نقد یا غیر نقد ہدیہ نہ دیا جائے۔

۲۔ قیام کا انتظام ایوان خاص سے جدا ایسی جگہ ہو جہاں عام مسلمان بے تکلف آجا سکیں۔

۳۔ خود اپنی ملاقات کے لئے کوئی خاص وقت متعین کرلیں جس میں کوئی اور شخص شریک نہ ہو تاکہ جانبین سے بے تکلف افادہ واستفادہ ہو سکے۔

۴۔ کسی خاص مضمون پر وعظ کہنے کی فرمائش نہ کی جائے۔

چونکہ اشتیاق غالب تھا اور فطرت نہایت سلیم تھی۔ اسم با مسمیٰ تھے اس لئے انھوں نے ان سب شرائط کو منظور فرمالیا۔

نواب صاحب نے حضرت والا کا نہایت شاندار استقبال اُس پیمانہ پر کرنا چاہا تھا جس پیمانہ پر وہ ویسرائے کا کیا کرتے تھے۔ مثلاً پلیٹ فارم پر مخملی فرش۔ راستہ میں جھنڈیاں اور جلوس وغیرہ۔ جب حضرت والا کو نواب صاحب کے چچا صاحب سے یہ معلوم ہوا تو حضرت والا نے یہ جواب دے کر روک دیا کہ یہ خلاف شریعت ہے، پھر نواب صاحب نے اس کی اجازت چاہی کہ ایک جم غفیر کے ساتھ استقبال کیا جائے جس میں ان کی ریاست کے عمال اور روساء شہر شامل ہوں اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ "یہ خلاف طبیعت ہے" پھر بھی بلا اہتمام اسٹیشن پر بڑا مجمع ہو گیا۔ نواب صاحب نے حضرت والا کو اپنی خاص گاڑی پر سوار کیا اور خود دوسری گاڑی میں سوار ہوئے۔ جب حضرت والا نے ساتھ بیٹھنے کے لئے ارشاد فرمایا تو عذر کر دیا اور لوگوں سے کہا کہ ساتھ بیٹھنا خلاف ادب تھا۔ غایت ادب سے کبھی دسترخوان پر ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی نہیں کھایا اپنی بیگمات سے نئے نئے قسم کے کھانے پکواتے اور خود اپنے ہاتھوں پر پلیٹیں رکھ رکھ کر لاتے اور چونکہ حضرت والا سے بوجہ مناسبت باہمی طبیعت کھل گئی تھی لطف کے ساتھ فرماتے کہ دیکھئے یہ میری چھوٹی بیگم نے آپ کے لئے پکایا ہے۔ پہچانئے

کیا چیز ہے؟ مثلاً - حضرت والا بھی بے تکلف ہو کر فرماتے کہ کیا کھانے کے لئے پہچاننا بھی شرط ہے؟ جو اس کا مزہ ہے وہ تو پہچاننے پر موقوف نہیں کھانے سے خود حاصل ہو جائے گا۔ اور یہی مقصود ہے لیکن اگر آپ کے نزدیک پہچاننا بھی کھانے کی شرط ہے تو مجھے اس کے کھانے کی بھی ضرورت نہیں - اور ہم تو قصباتی ہیں ہم کیا جانیں آپ کے نوابی کھانے - پھر وہ ہر چیز کو خود ہی بتاتے کہ یہ فلاں چیز ہے اس طرح پکائی جاتی ہے۔

حضرت والا نواب صاحب مرحوم کی تہذیب اور فہم سلیم کی اکثر تعریف فرمایا کرتے ہیں اور اُن کی دانشمندی تواضع اور دینداری کے بہت سے دلچسپ واقعات بیان فرمایا کرتے ہیں اُنھوں نے بیعت کی بھی درخواست کی لیکن حضرت والا نے انکار فرما دیا کیونکہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ایسوں کو مرید کرنے سے کچھ فائدہ نہیں جنکا لحاظ کرنا پڑے - مرید ایسے کو کرے جس کو بضرورت اصلاح اگر یہ نہ کہہ سکے کہ تم نالائق ہو تو کم از کم اتنا تو کہہ سکے کہ یہ تمھاری حرکت بڑی نالائق ہے باوجود انکار کے بھی نواب صاحب خطوط میں مدت تک یہ لکھتے رہے "آپ کا مرید سلیم اللہ" حضرت والا کے بہت ہی معتقد ہو گئے تھے - اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین - گو حضرت والا کو سفر سے طبعی اعراض رہتا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو حجۃ اللہ فی الارض بنا کر دنیا میں بھیجا تھا جس کا خود حضرت والا کو بھی علم ضروری کے درجہ میں احساس تھا اس لئے جب مشتاقان وعظ و زیارت کے تقاضے حد سے گذر جاتے تو مجبور ہو کر منظور فرما لیتے اور لمبے لمبے سفر اختیار فرماتے اور جب ایک مرتبہ سفر میں نکلنا ہوتا تو پھر مسلسل درخواستوں کی وجہ سے جگہ جگہ جانا ہوتا اور مہینوں سفر ہی میں گذر جاتے غرض مشیت خداوندی یہی تھی کہ حضرت والا سے دور و دراز کے سفر کرائے جائیں - اور تبلیغ احکام دینیہ کرا کر اپنے بندوں پر اتمام حجت کیا جائے چنانچہ ایک بار دوران سفر میں حضرت والا نے سفر کے متعلق احقر کے کسی استفسار کے جواب میں عجب کیف کے ساتھ یہ شعر پڑھا ؎

رشتہ در گردنم افگندہ دوست می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

بعد فراغ درسیات حضرت والا کا سب سے پہلا سفر صفر ۱۳۰۱ھ میں ہوا جب آپ مدرس ہو کر کانپور تشریف لیگئے تھے اور سب سے آخری سفر بروایت جناب مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلوی غالباً شوال ۱۳۴۳ھ میں گنگوہ کا ہوا اس درمیان میں بفضلہ تعالیٰ وبعونہ ہندوستان کا کوئی ایسا خطہ باقی نہیں رہا جو حضرت والا کے اقدام میمنت التزام سے مشرف نہ ہو گیا ہو اور جہاں حضرت والا

بہ حیثیت حجۃ اللہ فی الارض ہونے کے تبلیغ احکام الٰہیہ فرما کر اتمام حجت نہ فرما چکے ہوں۔ کیا کراچی کیا بمبئی کیا کلکتہ کیا رنگون کیا ڈھاکہ کیا شملہ کیا گجرات کیا مارواڑ کیا لاہور کیا بھاولپور کیا حیدرآباد دکن کیا سندھ کیا گورکھپور کیا اعظم گڈھ کیا غازی پور کیا بنارس وغیرہ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد حضرت والا کا اصل رنگ طبیعت جس کو بربنا ضرورت بہ جبر دبا رکھا تھا ظہور پذیر ہوا اور حضرت والا نے سفر بالکلیہ ترک فرما دیا۔ عرصہ سے اس کی تمنا اور فکر تھی کہ سفر منقطع کر دیا جائے چنانچہ اپنے سات عذر بھی ایک ورق پر چھپوا کر شائع کر دئے تھے۔ لیکن پھر بھی مشتاقوں پر اس کا بھی معتد بہ اثر نہ ہوا کیونکہ وہ ایسے مسکت نہ تھے کہ مشتاقوں کے اشتیاق پر غالب آسکیں۔ یہ تو ضرور رہا کہ سفر کم ہو گئے لیکن بالکل منقطع نہ کئے جا سکے اور حضرت والا برابر اس فکر میں رہے کہ کوئی عذر ایسا سمجھ میں آجائے جو سب کے لئے مسکت ہو مگر کوئی ایسا عذر سمجھ میں نہ آتا تھا جو اُن پر حجت ہو سکے۔

بالآخر جب حق تعالیٰ ہی کو حضرت والا کا ایک مدت تک ایک جگہ بٹھانا منظور ہوا جیسا کہ اکثر بزرگوں کے ساتھ اخیر میں یہی معاملہ ہوتا ہے بالخصوص اقطاب وقت کے ساتھ تو غیب سے حضرت والا کو ایک ایسا عذر لاحق ہو گیا جس میں بفضلہ تعالیٰ کوئی تکلیف بھی نہیں اور دوسروں پر حجت قائم کرنے کے درجہ میں نہایت معقول اور قابل قبول ہو۔ وہ یہ کہ حضرت والا کی اُتری ہوئی آنت میں جو سالہا سال سے بلا کسی قسم کی تکلیف کے اتری ہوئی حالت میں رہتی تھی یکایک سخت تکلیف پیدا ہوئی جب کسی تدبیر سے تکلیف رفع نہ ہوئی تو خود بخود حضرت والا کے دل میں یہ آیا کہ اس کو چڑھانا چاہئے چنانچہ اسکو چڑھایا تو وہ باوجود اتنے عرصہ تک اُتری ہوئی حالت میں رہنے کے بسہولت چڑھ گئی۔ اور تکلیف فوراً رفع ہو گئی۔ بس اُس کے بعد سے ہمیشہ چڑھی ہوئی حالت میں رکھنے سے تو راحت رہتی اور اُتر جانے کی حالت میں وہی تکلیف پھر عود کر آتی لہٰذا کمانی کا استعمال ضروری ہوا۔ لیکن چھینک لینے یا کھانسنے سے یا سخت حرکت سے کمانی بھی ہٹ جاتی اور اس کی فوری ضرورت واقع ہوتی کہ لیٹ کر اس کو چڑھایا جائے۔ بس یہ عذر خوب حضرت والا کے ہاتھ آگیا فرما دیا کرتے کہ اب میں سفر کیسے کر سکتا ہوں کیونکہ اگر سفر میں ایسا اتفاق پیش آیا تو اُسی وقت مجمع کے سامنے لیٹ کر درست کرنا پڑا کرے گا جس کو حیا ہرگز گوارہ نہیں کرتی۔ حضرت والا نے یہ عذر بھی چھپوا کر شائع فرما دیا جس کی نقل آگے کیجاتی ہے۔

۷۸۶

عذرِ سفر

جو مصرع ذیل کا مصداق ہے

از ضعف بہر جا کہ نشستیم وطن شد

اکثر احباب کو معلوم ہے کہ آنت اترنے کا عارضہ مجھ کو تیس۳۰ برس سے زائد عرصہ کا ہے مگر جب تک بدن میں کافی قوت رہی تکلیف کم تھی اب قوت کم ہو جانے سے تین برس سے زیادہ زمانہ ہوا کہ یہ حالت ہو گئی ہے کہ باوجودیکہ ایک سخت کمانی (جسکی سختی بعض اوقات بہت ناگوار رہتی ہے اور جس کے نیچے ہوا نہ لگنے سے یا پسینہ آجانے سے کھال میں دانے بھی پیدا ہو جاتے ہیں جن میں سوزش ہونے لگتی ہے تو ایسی سخت کمانی) ہر وقت لگی رہتی ہے مگر پھر بھی بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ (۱) کھانسنے سے (۲) دھسک اٹھنے سے (۳) چھینکنے سے (۴) پکار کر بولنے سے (۵) مسلسل بولنے سے (۶) دیر تک کھڑے رہنے سے (۷) دور تک چلنے سے آنت اتر آتی ہے۔ بعض دفعہ تو ایک ایک گھنٹہ میں دو دو تین تین بار اترنے کی نوبت آجاتی ہے جس کو اگر فوراً ٹھیک نہ کیا جائے تو تکلیف اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ سہار نہیں ہو سکتی اور بعض دفعہ اترتے ہی پیٹ اور سینہ کی رگیں کھنچنے لگتی ہیں جن سے سخت تکلیف ہوتی ہے اور ٹھیک کرنے کے لئے اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ پردہ کے مکان میں لیٹ کر کپڑا ہٹا کر کمانی اتار کر ہاتھ کے دباؤ سے آنت کو چڑھا کر پھر کمانی لگائی جاوے اور ظاہر بات ہے کہ اس مجموعی حالت میں کسی طرح بھی سفر ممکن نہیں اسی بنا پر اطباء اور ڈاکٹروں نے زیادہ چلنے پھرنے کو بلکہ زیادہ دیر کھڑے رہنے کو بھی مضر بتلا رکھا ہے اور خود مجھ کو بھی مضر ہونے کا شب و روز مشاہدہ و تجربہ ہو رہا ہے اسی لئے تین سال سے زائد زمانہ ہوا کہ میں نے کوئی چھوٹا یا بڑا سفر نہیں کیا بلکہ اگر کوئی عزیز دوسرے محلہ میں مر گیا تو بذریعہ رقعہ اس کا پرسہ دیدیا خود نہیں جا سکا اور چونکہ سبب اس کا جھلی کا پھٹ جانا ہے اور قاعدہ کی رو سے اب اس کا جڑنا عادتاً غیر ممکن ہے اس لئے اس عارضہ کے جانے کی آئندہ بھی کوئی امید نہیں۔ چنانچہ متعدد ہندوستانی و بنگالی و یورپین ڈاکٹروں کا اسپر اتفاق ہے کہ بجز اپریشن کے اس کا کوئی علاج نہیں اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اپریشن اس عمر میں خطرناک ہے یہ سب مجموعی واقعات سفر سے میری دائمی معذوری کو صاف ثابت کر رہے ہیں۔ چونکہ بعض بعض احباب جنھوں نے اس حالت کا مشاہدہ نہیں کیا اب بھی اپنی تقریبات وغیرہا میں میرے بلانے کی تحریک کیا کرتے ہیں

ان کی اطلاع کے لئے یہ اعلان شائع کرتا ہوں تاکہ میرے اس تو ی عذر پر نظر فرما کر ایسی تحریک شرفرماویں والسلام کتبہٗ اشرف علی تھانہ بھون فی الیوم العاشر من الشھر الخامس من السنۃ السابعۃ من العشرۃ الخامسۃ من الماءۃ الثالثۃ من الالف الثانی من ھجرۃ من خصہ اللہ تعالےٰ بنزول الثانی (یعنی ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ)

گو شائقین نے پھر بھی بڑے بڑے زور لگائے لیکن چونکہ حضرت والا قطع سفر کا تہیہ فرما چکے تھے اس لئے ایک پیش نہ گئی اور اب تقریباً دس سال سے سفر بالکل بند ہے اور اب حضرت والا بفضلہ تعالیٰ قطب وقت ہو کر اپنے مرکز ہی پر بیٹھے خلق خدا کو اپنے فیوض و برکات سے بہرہ اندوز کرنے میں پیشتر سے بھی زیادہ مشغول ہیں۔ متعنا اللہ تعالیٰ بطول بقائہ

حضرت والا جب سفر کا قصد فرماتے تو اول سفر کی مقدار۔ اور غرض اور مدت سب میں غور کر کے تہیہ فرماتے اور تمام سفر میں اُن کی پابندی فرماتے اور کئی دن پہلے سے دن رات مشغول رہ کر مناسب معاملات کو اتنی مدت کیلئے طے فرما کر روانہ ہوتے تاکہ عین وقت پر عجلت میں کوئی کام رہ نہ جائے۔ یا کوئی ضروری چیز چھوٹ نہ جائے۔

اسی طرح سامان کا بڑا انتظام رکھتے اسٹیشن پر اُترتے ہی مصافحہ وغیرہ چھوڑ کر سب سے پہلے سامان کو گنواتے اور جب تک ایک معین شخص کے سپرد نہ کر دیتے بے فکر نہ ہوتے۔ یہ نہیں کہ کوئی چیز کسی نے اُٹھالی کوئی چیز کسی نے لے لی۔ ذمہ دار صرف ایک یا دو شخص کو کیا جاتا تھا جائے قیام پر پہونچکر بھی سب سے پہلے اپنے اسباب کا جائزہ لیتے اور اُس کو ٹھکانے لگوادیتے اور بیت الخلا بھی پہلے سے معلوم فرما لیتے تاکہ عین وقت پر بالخصوص شب میں دقت واقع نہ ہو۔ سواری وغیرہ کا وقت روانگی سے بہت پہلے انتظام فرماتے اور اگر سواری میں توقف ہوتا تو پاپیادہ چل کھڑے ہوتے اسپر لوگ عجلت کر کے سواری لاتے اور راستہ سے حضرت والا کو بٹھا لیتے۔ یہی مصلحت چل کھڑے ہونے میں ہوتی تھی۔

جتنے دن سفر کے لئے تجویز فرماتے اتنے دن کے لئے ڈاک کا انتظام پہلے فرما لیتے ہر جگہ سے مکان کو برابر خطوط روانہ فرماتے رہتے تاکہ گھر پر کسی کو تشویش نہ ہو۔ نیز اُن مہمانوں کو اطلاع ہوتی رہے جو حضرت والا کی عدم موجودگی میں تشریف لائے ہوں۔ خطوط کے جوابات اور تصنیف کا کام بھی سفر میں برابر جاری رہتا حتیٰ کہ چلتی ریل میں بھی تصنیف کا کام جاری رکھتے۔ اگر ضرورت

ہوتی تو ایک خادم اور کاتب وعظ بھی ساتھ لے لیتے۔

سادگی اس قدر کہ جس درجہ میں ریل کے بیٹھ گئے بیٹھ گئے کچھ پرواہ نہیں کی بلکہ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ تیسرے درجہ میں جو لطف اور آرام ہے وہ بڑے درجوں میں نہیں کیونکہ تیسرے درجہ والے تو خود ہمارا لحاظ کرتے ہیں اور بڑے درجہ والے اپنی اینٹھ مروڑھی میں رہتے ہیں وہ تو کیا لحاظ کرتے الٹا ہمیں اُن کا لحاظ کرنا پڑتا ہے کہ بے تکلف ہنس بول بھی نہیں سکتے۔

ایک مرتبہ سہارنپور سے ریاست رامپور تشریف لئے جارہے تھے۔ وہاں قادیانیوں سے علماء اہل حق کا مناظرہ تھا محض اپنے مجمع کی رعایت سے اور صرف شرکت کے لئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کی معیت میں تھے۔ ٹکٹ درمیانہ درجہ کا تھا لیکن ریل میں ایک خالی درجہ پر نظر پڑی تو سب اُسی میں بیٹھ گئے کسی نے کہا کہ یہ تو تیسرا درجہ ہے تو حضرت والا نے فرمایا اجی مقصود تو آسائش ہے اور یہ درجہ خالی مل گیا ہے ڈیوڑھے میں اس سے زیادہ کیا آسائش ہوگی چنانچہ اُسی میں سفر فرمایا۔ نواب صاحب ڈھاکہ نے کرایہ کافی بھیجا تھا جس سے بڑے درجہ میں سفر ممکن تھا لیکن تیسرے درجہ میں سفر فرما کر بقیہ رقم وطن پہونچکر حسب معمول واپس فرمادی۔ مگر واپسی کی صورت میں نواب صاحب کے احترام کا لحاظ کرکے یہ تغیر کی کہ اُس بقیہ رقم سے ٹین کی چادریں خرید کر مسجد میں وضوخانہ کا سائبان بنوا کر نواب صاحب کو اطلاع کردی کیونکہ روپیہ واپس کرنا اُن کے احترام کے خلاف تھا۔ اور واپس نہ کرنا اپنی وضع کے خلاف تھا۔

سفر کے متعلق جو نظام اوقات قرار پا جاتا اُس کی پوری پابندی فرماتے۔ ایک مرتبہ کانپور سے تھانہ بھون تشریف لارہے تھے راستہ میں ایک خادم نے بالحاح عرض کیا کہ ایک دن کیواسطے خورجہ میں اُتر لیں۔ فرمایا کہ میں مظفرنگر سواری کو لکھ چکا ہوں اگر وقت پر نہ پہونچونگا تو وہاں بیجد تشویش ہوگی کیونکہ بفضلہ کبھی آج تک ایسا نہیں ہوا کہ میں حسب اطلاع وعدہ نہ پہونچا ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ میں تار دیدوں فرمایا نہیں۔ بدنظمی پھر بھی باقی رہے گی کیونکہ گاڑی کرایہ کی آئی ہوگی نہ معلوم وہ ٹھہرے یا نہ ٹھہرے پھر دوسری گاڑی مل سکے یا نہ مل سکے غرض بڑا خلل واقع ہوگا پھر اطلاع کے بعد وقت پر نہ پہونچنے میں کچھ نہ کچھ مایوسی اور حسرت تو ضرور ہی ہوتی ہے ہاں اگر خط لکھنے سے پہلے کہتے تو ممکن تھا۔

حضرت والا اپنے ساتھ صرف ضروری سامان لیتے تھے اور ایک دن پہلے سب سامان درست فرمالیتے تھے تاکہ عین وقت پر دقت نہ ہو۔ یا کوئی چیز ضرورت کی بھول نہ جائیں۔ قلیوں سے اجرت

طے کر کے پھر اسباب اٹھواتے کیونکہ ریلوے کی مقرر کردہ اجرت پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ اگر سامان کے وزن کی زیادتی کا احتمال ہوتا تو فوراً تلواتے اور زیادتی کا محصول ادا کرتے۔

ایک مرتبہ سہارنپور سے کانپور تشریف لئے جا رہے تھے۔ کچھ گنّے ساتھ تھے بغرض ادائگی محصول ان کو اسٹیشن پر تلوانا چاہا تو کسی نے تو لے نہیں بلکہ از راہ عقیدت غیر مسلم ملازمین ریلوے نے بھی یہ کہدیا کہ آپ یوں ہی لے جائیے تلوانے کی ضرورت نہیں ہم گارڈ سے کہدیں گے حضرت والا نے فرمایا یہ گارڈ کہاں تک جائے گا۔ کہا گیا کہ غازی آباد تک فرمایا غازی آباد سے آگے کیا ہوگا؟ کہا گیا یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے کہدے گا۔ حضرت والا نے فرمایا پھر آگے کیا ہوگا کہا بس وہ کانپور تک پہونچا دیگا اور وہاں آپ کا سفر ختم ہو جائے گا۔ حضرت والا نے اسپر فرمایا کہ نہیں وہاں سفر ختم نہ ہوگا بلکہ آگے ایک اور سفر آخرت کا بھی ہے وہاں کا انتظام کیا ہوگا؟ یہ سنکر سب دنگ رہ گئے اور بیحد متأثر ہوئے۔ بہت سے اور بھی تعلیم یافتہ ہندو بابو وغیرہ کھڑے تھے سب آپس میں کہنے لگے کہ ایسے بھی خدا کے ایماندار بندے موجود ہیں جو اس قدر احتیاط کرتے ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں۔

حضرت والا کے منتسبین پر قریب کے ریل والوں کو اتنا اعتماد ہو گیا ہے کہ جب کوئی صاحب ثقہ صورت تھانہ بھون آتے ہوئے ملتے ہیں تو ان کے اسباب کو تلوانے کے لئے روکتے ٹوکتے نہیں اور جزم کے ساتھ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تھانہ بھون والے مولانا صاحب کے پاس جا رہے ہیں۔ وہاں جانے والے بلا اسباب تلوائے سفر نہیں کیا کرتے۔

ایک مرتبہ ایک طالب علم حضرت والا کی زیارت کے لئے تھانہ بھون آئے تھے۔ مگر حضرت والا سفر میں تشریف لئے جا رہے تھے۔ لہٰذا اسٹیشن پر ملاقات ہوئی۔ چونکہ وقت بہت تنگ تھا اس لئے وہ طالب علم گارڈ سے کہکر بلا ٹکٹ سوار ہوئے دوسرے اسٹیشن یعنی نانوتہ پر ٹکٹ لیا گیا جب وہ نانوتہ تک کا کرایہ گارڈ کو دینے لگے تو اس نے کہا کہ تم غریب آدمی ہو یہاں تک کے ٹکٹ کی ضرورت نہیں جاؤ۔ جب حضرت والا سے انھوں نے یہ واقعہ نقل کیا تو فرمایا کہ گارڈ ریلوے کمپنی کا ملازم ہے ریل کا مالک نہیں۔ اس لئے یہاں تک کا کرایہ بہر حال تمہارے ذمہ واجب الادا ہے اب یہ کرنا کہ اتنے داموں کا کوئی ٹکٹ اسی لین کا خرید کر پھاڑ دینا اس طرح دام کمپنی کو پہونچ جائیں گے۔ اور تم حق العباد سے بری الذمہ ہو جاؤ گے۔

ایک آریہ مبلغ انگریزی داں بھی اُسی ڈبہ میں بیٹھا ہوا تھا وہ بولا کہ صاحب میں اب آپ سے اپنے دل کی ایک چوری ظاہر کرتا ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ جب انھوں نے آکر یہ بیان کیا کہ

گارڈ نے ان کو یہاں تک کا کرایہ معاف کر دیا تو مجھے خوشی ہوئی کہ اچھا ہے ایک غریب آدمی کا بھلا ہو گیا لیکن اب آپ کی تقریر سن کر مجھے یہ معلوم ہوا کہ میری وہ خوشی بے ایمانی کی خوشی تھی۔

اُس آریہ کے اور بھی کچھ ہندو ساتھی تھے اُن میں سے ایک بولا کہ ان لوگوں کی باتوں کی طرف دل کو کشش ہوتی ہے۔ دوسرا بولا کہ یہ حق پر ہونے کی دلیل ہے۔ یہ سچے لوگ ہیں اسی لئے انکی باتوں میں بھی اثر ہے۔ پھر تھوڑی دیر بعد اُس آریہ مبلغ نے حضرت والا سے عرض کیا کہ کیا میں ایک بات دریافت کر سکتا ہوں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ جی ہاں فرمائیے۔ اُس نے کہا کہ دو شخص ہیں اُن میں ایک مسلم ہے اور ایک غیر مسلم دونوں نے کوئی نیک عمل کیا اور دونوں نے اچھی ہی نیت سے کیا تو اس عمل کا اجر دونوں کو یکساں ملے گا یا کچھ تفاوت ہو گا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ سوال آپ کی دانشمندی اور تہذیب سے نہایت بعید ہے کیونکہ یہ آپ نے ایسا سوال کیا ہے کہ جس کا جواب آپ کے ذہن میں پہلے سے موجود ہے اُس نے کہا یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ اسکا جواب میرے ذہن میں موجود ہے۔ فرمایا کہ جب اُس جواب کے سب مقدمات آپ کے ذہن میں موجود ہیں تو وہ جواب بھی موجود ہے کیونکہ جب ملزوم موجود ہے تو لازم کا وجود بھی ضروری ہے اُس نے کہا کہ یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ مقدمات میرے ذہن میں موجود ہیں۔ فرمایا کہ لیجئے میں آپ ہی کے منہ سے اُن مقدمات کے موجود فی الذہن ہونے کا اقرار کرائے لیتا ہوں کیا آپ یہ نہیں جانتے کہ مختلف مذاہب میں حق مذہب تو ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اور اس وقت اس کی بحث نہیں کہ حق مذہب کونسا ہے اُس نے کہا کہ بیشک حق تو ایک ہی مذہب ہو سکتا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ایک مقدمہ تو یہ ہوا جو آپ کے ذہن میں پہلے سے موجود ہے۔ دوسری بات میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا مذہب حق والے کی مثال مطیع سلطنت کی سی اور باطل والے کی مثال باغی سلطنت کی سی نہیں۔ اس کا بھی اُس آریہ نے اقرار کیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ دوسرا مقدمہ ہوا جس کو آپ نے تسلیم کر لیا۔ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ کیا باغی کے سارے کمالات محض اس وجہ سے کہ وہ باغی ہے نظر انداز نہیں کر دئے جاتے اور کیا باوجود صاحب کمالات ہونے کے اُس کو عدالت سے سزا نہیں دیدی جاتی اور کیا وہ سزا عقل و انصاف کے خلاف ہوتی ہے؟ اُس نے ان سب باتوں کا بھی اقرار کیا۔ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ بس جب یہ تینوں مقدمات آپ کے ذہن میں پہلے سے موجود ہیں تو ان کا نتیجہ بھی ضرور آپ کے ذہن میں ہے اور وہی جواب ہے آپ کے سوال کا۔ تو ایسی حالت میں آپ کے سوال کا صاف یہ مطلب ہوا کہ میں

اپنے منھ سے آپ کو کافر کہوں؟ سو ہمیں ہماری شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ بلا ضرورت ہم کسی کو کافر کہیں۔ اُس آریہ نے خوش ہو کر کہا کہ واقعی مجھے اسی کا شوق تھا کہ میں اپنے بارہ میں آپ کے منھ سے یہ لفظ سنوں۔ ایسے مُنھ سے اپنے بارہ میں کافر کا لفظ سننے میں بھی مزہ ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ خیر یہ آپ کیلئے تو خوبی ہے لیکن میرے لئے سخت بدنما بات ہے اھ۔

غرض وہ حضرت والا کی اس مہذب اور معقول گفتگو سے بہت ہی مسرور ہوا اور نام اور وطن پوچھا اور معلوم ہونے کے بعد کہا کہ میں تو تھانہ بھون کے آریہ سماج میں لیکچر دینے کے لئے اکثر آیا کرتا ہوں ابکی مرتبہ آؤں گا تو آپ سے ضرور ملوں گا۔

چونکہ حضرت والا کو سفر میں ہر خیال کے لوگوں سے سابقہ پڑتا تھا اس لئے اس قسم کے چھوٹے چھوٹے مناظرے اکثر ہوتے رہتے تھے اور حضرت والا ہمیشہ دو چار باتوں ہی میں بند فرما دیتے تھے۔

مولوی ذکاء اللہ صاحب مرحوم سے جو ریاضی کے پروفیسر تھے اور مشہور اہل قلم تھے دہلی میں ملاقات ہوئی۔ انھوں نے حضرت والا سے پوچھا کہ آپ کے مدرسوں میں طلبہ کو کچھ لیاقت بھی پیدا ہوتی ہے؟ حضرت والا نے پوچھا کہ پہلے مجھے لیاقت کا مفہوم معلوم ہو جائے تو جواب دوں۔ بس۔ یہ سنکر وہ چپ ہو گئے کیونکہ سمجھے کہ اگر جواب دونگا تو لیاقت کے مفہوم کا مدعی بنکر ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا۔ بولونگا تو جھگڑا ہوگا اور پھر جان چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔

ایک بار ریل کے سفر میں ایک ہندو نے جو بڑا آدمی معلوم ہوتا تھا اور حضرت والا کے ڈبہ میں بیٹھا تھا بہت محبت سے پوچھا کہ تمھاری آنکھوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تم کچھ کام کرتے ہو۔ (یعنی ذکر و شغل)۔ ایک بار حضرت والا رفقاء کے کہنے سے ریل کے اُس ڈبہ سے جس میں بیٹھے ہوئے تھے کسی اور ڈبہ میں تشریف لیجانے لگے جہاں غالباً جگہ زیادہ فراخ تھی تو اُس ڈبہ میں جو ہندو بیٹھے ہوئے تھے افسوس کے ساتھ کہنے لگے کہ ابھی آپ کی وجہ سے تو یہاں نور ہی نور تھا آپ اپنے ساتھ نور کو بھی لیچلے۔

قادیانیوں کے مناظرہ میں جس کو نواب صاحب رامپور نے منعقد کیا تھا بہت سے اکابر علماء تشریف لے گئے تھے۔ اپنے حضرات کے اصرار سے حضرت والا نے بھی بادل ناخواستہ شرکت

فرمائی تھی ۔ روزانہ ایک بار نواب صاحب کے پاس بھی سب علماء کو جانا پڑتا حضرت والا بھی تشریف لیجاتے لیکن بہت فاصلہ پر نظریں نیچی کئے ہوئے خاموش بیٹھے رہتے ۔ نواب صاحب نے بعد کو اپنے ایک مصاحب سے پوچھا کہ یہ کون صاحب تھے جو گردن جھکائے خاموش بیٹھے رہتے تھے یہ کوئی صاحب اثر شخص معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان کی طرف خواہ مخواہ قلب کو کشش ہوتی تھی ۔ نواب صاحب کا یہ قول خود اُن مصاحب نے حضرت والا سے نقل کیا تھا کیونکہ وہ حضرت والا کے بھی ملنے والے تھے

اُسی سفر رامپور میں جب بوقت واپسی نواب صاحب نے کرایہ میں کچھ زیادہ رقم دینی چاہی تو حضرت والا نے بواسطہ پیام کے یہ کہکر واپس فرما دی کہ ریاست کو بیت المال میں سے زائد از ضرورت صرف کرنے کا شرعاً اختیار حاصل نہیں ہے ۔

دیوبند کے بڑے جلسہ میں وعظ میں بیٹھا ایک شخص جو غالباً سرحدی تھا اور خود احقر کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا بڑے مزے لے لے کر یہ کہہ رہا تھا کہ ارے مولوی تجھے اللہ سلامت رکھے ہم تو بس اتنی دور سے یہ تیری صورت ہی دیکھنے آئے تھے ۔ اس قسم کے صدہا واقعات حضرت والا کی محبوبیت عامہ کے ہیں کہاں تک بیان کئے جائیں ۔ حضرت والا سفر میں جس طرف نکلجاتے تھے سب کی نظریں بے اختیار اُٹھ جاتی تھیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو و انگریز ہوں یا پارسی متقی ہوں یا فسّاق و فجّار ۔

حضرت والا کا شاندار سراپا دیکھکر بعض کابلیوں نے اپنی ولایتی اُردو میں کہا کہ مولانا صاحب آپ تو کابلی معلوم ہوتا ہے ۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میں خود تو کابلی نہیں مگر ہاں میرے اجداد ضرور کابلی تھے اھ ۔ اور یہ ایک ناقابل انکار مشاہدہ ہے کہ حضرت والا کا شاہانہ چہرۂ مبارک اور نورانی صورت مقدس ہزاروں کے مجمع میں بھی حضرت والا ہی کو ممتاز بنا کر رکھتی ہے ۔ میرے ایک خواجہ تاش دوست نے حضرت والا کی شان میں بحالت خواب ایک شعر تصنیف کیا تھا اور وہ اُن کو بعد بیداری بھی یاد رہا ۔ میں تو اس شعر کو الہامی شعر سمجھتا ہوں کیونکہ حضرت والا پر حرف بحرف صادق آتا ہے وہ شعر یہ ہے ؎

کب کوئی ثانی ہے تیرا لاجواب ایسا تو ہو
چن لیا لاکھوں میں تجھ کو انتخاب ایسا تو ہو

ایک مشہور صاحب فضل و کمال نو تعلیم یافتہ فلسفی نے بھی ایک بار حضرت والا کی شان میں حالی مرحوم کا یہ مصرع لکھا ع

عالم میں تم سے لاکھ سہی تم مگر کہاں

اب اس داستان جمال و کمال کو حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر پر ختم کر کے اصل مقصود کی طرف عود کرتا ہوں ؎

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

حضرت والا جہاں قیام فرماتے۔ میزبان پر کسی قسم کا بار ڈالنا پسند نہ فرماتے۔ نہ کبھی کوئی فرمائش کرتے۔ بلکہ پر تکلف دعوت سے اس قدر خوش نہ ہوتے جس قدر سادہ اور معمولی کھانوں سے خوش ہوتے۔ اعظم گڈھ میں یہ دستور تھا کہ حضرت والا کے ساتھ ایک جم غفیر کی دعوت کرتے جس سے میزبان پر بہت بار پڑتا اسکا انسداد اس طرح فرمایا کہ جو شخص دعوت کرتا یہ قید لگا دیتے کہ میں تنہا کھاؤں گا اور محض خشکہ اور ارہر کی دال کھاؤں گا کیونکہ یہاں بیلن کی روٹیوں کا دستور ہے جو ذرا سخت ہوتی ہیں اور مجھے موافق نہیں آتیں۔ اسی طرح سفر بنگال میں وہاں کے اس دستور کو کہ لوگ آکر پاؤں چھوتے تھے اس ترکیب سے بند کیا کہ اول منع فرما دیتے جو اس کے بعد بھی حضرت والا کے پاؤں پکڑتا حضرت والا بھی فوراً اُسکے پاؤں پکڑ لیتے اور جب وہ شرمندہ ہو کر روکتا تو فرماتے کہ اگر یہ کوئی اچھی بات ہے تو مجھے اس سے کیوں روکتے ہو اور اگر بُری بات ہے تو تم ایسی حرکت کیوں کرتے ہو۔ جہاں دو چار مرتبہ ایسا کیا بس اکی شہرت ہو گئی اور لوگوں نے اِس بیہودہ رسم کو ترک کر دیا۔ ضلع اعظم گڈھ میں یہ دستور تھا کہ چند لوگ آگے آگے ہٹو بچو کہتے ہوئے چلتے جو کوئی آگے آتا ہوا ہوتا اُس کو سامنے سے ہٹا دیتے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ راستہ کسی کی ملک نہیں سب کو چلنے کا برابر حق حاصل ہے۔ یہ حرکت خلاف شرع ہے اس کو چھوڑنا چاہئے۔ ایسا ہرگز نہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ رسم بھی موقوف ہو گئی۔ ایک انگریزی اسکول کے پاس سے ہو کر گذرے تو سب ہندو طلباء اور مدرسین تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ یہ دیکھکر حضرت والا اسکول کے اندر تشریف لے گئے اور نہایت سادگی اور ملاطفت کے ساتھ سب سے ملے اور باتیں کرتے رہے وہ لوگ بہت مسرور ہوئے اور تعجب کرنے لگے کیونکہ وہاں کا یہ دستور تھا کہ علماء ہندوؤں سے بات بھی نہ کرتے تھے اور اگر کوئی علماء کی تعظیم کے لئے نہ اُٹھتا تو اُس کی اہانت کرتے۔ یہ بھی دستور تھا کہ لوگ پالکی کے ساتھ ساتھ دائیں بائیں دوڑتے ہوئے چلتے حضرت والا نے منع فرمایا کہ مجھ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے عرض کیا کہ ہم تو محبت سے ایسا کرتے ہیں فرمایا تو پھر مجھے دکھاتے کیوں ہو۔ دائیں بائیں نہ چلو پالکی کے پیچھے چلو جہاں سے مجھ کو نظر نہ آؤ۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد جو حضرت والا نے مڑکر دیکھا تو کوئی بھی نہ تھا معلوم ہوا کہ محض دکھلانا ہی مقصود تھا مگر وہ بیچارے کیا کرتے کسی مقتدا نے کبھی ٹوکا ہی نہ تھا

بلکہ اس سے اور خوش ہوتے تھے۔

ایک مقام پر رخصت کے وقت گاؤں کے چودھری نے دو سو روپیہ چندہ جمع کر کے حضرت والا کو نذرانہ دیا لیکن یہ ظاہر نہ کیا کہ یہ رقم سب گاؤں والوں سے جمع کی گئی ہے۔ حضرت والا کو شبہہ ہوا کہ اکیلے چودھری صاحب تو اتنی بڑی رقم دینے کی حیثیت نہیں رکھتے ضرور لوگوں سے چندہ جمع کیا گیا ہے لہذا حضرت والا نے سوال کیا کہ یہ اکیلے آپ ہی کی طرف سے ہے یا اس میں اور بھی شریک ہیں۔ جواب ملا کہ اوروں سے بھی لیا گیا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ہدیہ تو محبت کے لئے ہوتا ہے جب دینے والے کو میں نہیں جانتا تو مجھ کو ان کی محبت کیسے ہوگی اس لئے ہر ایک کی رقم اس کو واپس کر دو پھر جس کو دینا ہو ہر ایک خود آ آ کر الگ الگ اپنے ہاتھ سے مجھے دے تاکہ مجھے بھی تو معلوم ہو کہ یہ میرا محسن ہے اور مجھے اُس سے محبت ہو چودھری جی نے عذر کیا کہ آپ تو اب جا رہے ہیں۔ فرمایا کہ میں بہت قریب مقام پر جا رہا ہوں جہاں پہونچنا سب کو آسان ہے جس کو شوق ہو وہاں آ کر ہدیہ دے مگر کسی نے آ کر ایک روپیہ بھی تو نہ دیا۔ محض رسم تھی اور کچھ نہیں پھر معلوم ہوا کہ بعضے علماء جو یہاں آتے ہیں اگر ان کی خدمت نہیں کی جاتی یا نذرانہ کم دیا جاتا ہے تو وہ بُرا مانتے ہیں۔

حضرت والا اعظم گڈھ کے ان واقعات کو بیان فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے وہاں کی اور رسموں کو تو مٹایا لیکن ایک رسم کے مٹانے میں کامیاب نہ ہو سکا وہ یہ کہ جب کوئی عالم آتا ہے تو موضع کے اکثر لوگ یہاں تک کہ چھوٹے لڑکے بھی استقبال کے لئے دور تک آتے ہیں۔ اور یہی صورت رخصت کے وقت ہوتی ہے یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اُس ضلع کے لوگوں میں بہت ہی صلاحیت اور دینداری ہے۔ وہاں کے انگریزی خوان بھی خوش عقیدہ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ بیچارے ضرورت معاش ہی کے لئے انگریزی پڑھتے ہیں۔

حضرت والا بہت ہی اصرار کے بعد کہیں کا سفر اختیار فرماتے تھے اور بہت کم درخواستیں شرف قبولیت حاصل کرتی تھیں۔ لیکن اگر کوئی مریض درخواست کرتا تو اس کی درخواست بجز کسی خاص مجبوری کے کبھی مسترد نہ ہوتی۔ ایسے مواقع پر حضرت والا کا قلب مبارک بالکل پگھل جاتا اور یہ شعر پڑھتے ؎

خستگاں راچو طلب باشد و قوت نبود گر تو بیداد کنی شرط مروت نبود

بہت سے مریضوں کی تو یہ آرزو پوری ہوئی کہ حضرت والا کی موجودگی ہی میں دم نکلے بعض مرتبہ بعذر

تاخیر سے جانا ہوتا تو اُس میں یہی مصلحتِ خداوندی ظاہر ہوتی کہ حضرت والا کی موجودگی ہی میں قبل وہیں مریض کا انتقال ہو جاتا اور اس کی یہ دلی آرزو پوری ہو جاتی۔

بریلی میں ایک معزز ذی علم رئیس کی درخواست پر جن کو مرض الموت میں اس درجہ وساوس کا ہجوم تھا کہ اُنھیں سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہونے لگا تھا۔ حضرت والا فوراً تھانہ بھون سے تکالیف سفر گوارا فرما کر تشریف لیگئے اور ایسی تسلی بخش تقریر فرمائی کہ سب وساوس کافور ہو گئے اور نہایت ہشاش بشاش دنیا سے رخصت ہوئے اس واقعہ کا مفصل حال باب "شرف بیعت و استفاضۂ باطنی" میں بعد تنبیہ متعلق مضمون مسمّٰی بہ الغیبیہ فی الہبیہ آئندہ آئے گا

غرض جس نے حضرت والا کو بنظرِ انصاف دیکھا ہے اُس پر یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ جتنا حضرت والا کے اندر شفقت اور دلسوزی کا مادہ ہے شاید ہی کسی کے اندر ہو۔ لیکن جہاں واقعی اُسکی ضرورت اور حاجت ہو وہاں اُس کا ظہور ہوتا ہے اور جہاں بغرض اصلاح سیاست کی ضرورت ہو وہاں سیاست ہی شفقت ہے۔ اگر وہاں بھی ظاہری شفقت کا برتاؤ کیا جائے تو وہ صورۃً شفقت ہو گی لیکن معناً عداوت ہے

درشتی و نرمی بہم در بہ است ۔۔۔ چو رگ زن کہ جرّاح و مرہم نہ است

بعض مواقع پر مریض کی تمنائے زیارت کا اُس کے انتقال کے بعد علم ہوتا تو حضرت والا کو نہایت قلق ہوتا اور فرماتے کہ اگر مجھ کو اطلاع ہو جاتی تو ضرور جا کر اُن کی اس تمنا کو پوری کرتا۔

حضرت والا کی دلسوزی اور شفقت پر خود حضرت والا کا ارشاد یاد آیا فرمایا کہ میں ویسے تو بہت آزاد مزاج ہوں لیکن تکلیف کسی دشمن کی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ جہاں کسی کو ذرا سی بھی تکلیف میں دیکھتا ہوں بس یہ جی چاہتا ہے کہ اپنا دل نکال کر اُسکے سامنے رکھدوں۔

حضرت والا کا سفر میں کوئی خاص لباس نہ ہوتا تھا بلکہ وہی معمولی سادہ لباس جو حضر میں استعمال فرماتے وہی پہنے ہوئے سفر میں تشریف لیجاتے یعنی نہ عبا نہ قبا نہ عمامہ صرف کرتا پاجامہ ٹوپی۔ چنانچہ ایک بار حضرت والا معمولی لباس پہنے ہوئے سفر میں تشریف لیجانے لگے جو اُس وقت زیر استعمال تھا۔ جناب بڑی پیرانی صاحبہ مدظلہا نے مشورہ دیا کہ نیا جوڑہ پہن لیا جائے حضرت والا نے فرمایا کیوں کیا کسی کو دکھلانا ہے؟۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ یہ میرا مطلب نہیں۔ بلکہ مصلحت یہی ہے کہ آپ ہمیشہ ایسے لباس میں سفر کیا کریں کہ معتقدین آپ کو دیکھ کر مطمئن ہو جائیں کہ ماشاءاللہ فراخی ہے تنگدستی نہیں ورنہ اگر شکستہ حال دیکھیں گے تو سمجھیں گے کہ آجکل ناداری معلوم ہوتی ہے

لہذا خواہ مخواہ ہدایا دینے کا خیال پیدا ہوگا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ نیت تو واقعی بہت اچھی ہے اور اُن کے اس قول کو اکثر نہایت تحسین کے ساتھ نقل بھی فرمایا کرتے ہیں لیکن پھر بھی اس مصلحت پر ہمیشہ مذاق فطری ہی غالب رہا اور سفر میں بھی حضر کی طرح اپنا وہی سادہ طرز رکھا۔ چنانچہ ایکبار تھانہ بھون آتے ہوئے سہارنپور کے اسٹیشن پر حضرت والا ریل گاڑی کے انتظار میں پلیٹ فارم پر بیٹھے ہوئے تھے اور سامنے ایک ڈلیا رکھی ہوئی تھی جس میں کھیرے تھے۔ سہارن پور کے کھیرے مشہور ہیں کسی نے ہدیۃً دئے تھے۔ ایک دیہاتی اُدھر سے گذرا تو کیا پوچھتا ہے کہ یہ کھیرے کس بھاؤ دئے۔ حضرت والا نے نہایت سادگی کے ساتھ جواب دیا کہ یہ بکری کے نہیں ہیں

اسی طرح ایک بار جب پانی پت سے واپس ہو رہے تھے تو چھوٹی لین پر سوار ہونے کے لئے دہلی سے شاہدرہ جانے والی ریل گاڑی میں سوار ہوئے۔ چونکہ دہلی اطلاع نہیں دی گئی تھی اسلئے کوئی دہلی کا ملنے والا بھی موجود نہ تھا۔ صرف ایک شخص تھے جو پانی پت سے پہونچانے آئے تھے۔ ایک پنجابی صاحب بھی اُسی ڈبہ میں بیٹھے ہوئے تھے جس میں حضرت والا سوار ہوئے تھے۔ اُنھوں نے حضرت والا سے پوچھا کہ آپ کہاں تشریف رکھتے ہیں حضرت والا نے فرمایا تھانہ بھون۔ یہ سن کر اُنھوں نے بہت اشتیاق سے پوچھا کہ آپ حضرت مولانا اشرف علی صاحب کو بھی جانتے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میرا ہی نام اشرف علی ہے۔ اُنھوں نے استعجاب کے ساتھ حضرت والا کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور مکرّر پوچھا کہ کیا آپ ہی مولانا اشرف علی صاحب ہیں حضرت نے فرمایا کہ کیا اُس کا کوئی خاص حلیہ ہے جس کو آپ مجھ پر منطبق نہیں پاتے اس پر وہ خاموش تو ہوگئے لیکن پھر بھی اُنھیں تسلی نہ ہوئی تردد ہی رہا۔ کیونکہ حضرت والا کی شہرت عامہ سن کر اور تصانیف عالیہ دیکھکر اُنھوں نے اپنے ذہن میں یہ خیال جما رکھا ہوگا کہ جب اتنے بڑے عالم ہیں تو بڑی شان سے اور مولویانہ لباس عبا و قبا جُبّہ و دستاریں رہتے ہوں گے۔ بالخصوص سفر کی حالت کے متعلق تو اُن کا یہ خیال ہوگا کہ اگر مولانا ہوتے تو اُن کے ساتھ بڑا مجمع ہوتا اور بہت سے خادم ہوتے لیکن ان کے ساتھ تو ایک بھی خادم نہیں۔ گو عموماً سفر میں حضرت والا کے ہمراہ بطور خود بہت سے خدام مختلف مقامات سے ساتھ ہو لیتے تھے اور واقعی بہت حشم و خدم ہوتا تھا لیکن اتفاقاً اُس روز بوجہ عدم اطلاع کوئی ساتھ نہ تھا اور لباس بھی حسب معمول بالکل سادہ تھا۔ غرضکہ حضرت والا کو اس حال میں دیکھکر اُن پنجابی صاحب کو یقین نہ آیا کہ یہ حضرت مولانا ہی ہیں۔ لہذا اُنھوں نے امتحاناً ایک علمی سوال کیا جس کا حضرت والا نے نہایت معقول اور مدلل و مفصل جواب دیا جب اُنھوں نے حضرت والا

کی جامع مانع اور فصیح و بلیغ علمی تقریر سنی تب اُنھیں یقین آیا کہ ہاں یہی حضرت مولانا اشرف علی صاحب ہیں۔ پھر تو بہت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آئے اور حضرت والا کی زیارت سے بہت مسرور و محظوظ ہوئے۔ جب حضرت والا شاہدرہ کے اسٹیشن پر اُترے تو حضرت والا کا اسباب اُنھیں نے اُتارا اور بہت عقیدتمندی کے ساتھ مصافحہ کرکے رخصت کیا۔

حضرت والا کا یہ بھی دستور تھا کہ بلا میزبان کی اجازت کے کبھی کسی دوسرے کی دعوت منظور نہ فرماتے نیز یہ بھی معمول تھا کہ اگر حضرت والا کے ساتھ کوئی شخص خواہ اپنا عزیز ہی کیوں نہ ہو جانے کو تیار ہوتا تو فرماتے کہ اپنے کرایہ اور کھانے کا انتظام کرکے چلو بلا درخواست میزبان اس پر کرایہ کا بار ڈالنا یا اس کا کھانا کھانا جائز نہیں۔ بلکہ کچھ رقم اپنے پاس محض اس غرض کے لئے رکھتے کہ اگر کسی مقام سے کوئی نادار معتقد غایت اشتیاق سے حضرت والا کے ہمراہ سفر کرنا چاہے تو اس کی اعانت فرما کر اس کی اس خواہش کو پورا کرسکیں چنانچہ احقر کو اچھی طرح یاد ہے کہ چند شائقین رنگون تک کے لمبے سفر میں حضرت والا کے ذاتی کرایہ سے گئے تھے۔

سب ہمراہیوں سے اپنے کھانے کا خود انتظام کرنے کے لئے فرماتے اور اگر میزبان اُنکی بھی دعوت کرنا چاہتا تو میزبان سے فرما دیتے کہ اُن سے خود درخواست کیجئے اگر وہ مجھ سے اجازت لیں گے میں دیدونگا غرض ہر طرح حضرت والا اپنے ہمراہیوں کو ذلت سے بچاتے مگر کسی ساتھی کو بطور خود بلا حضرت والا سے پوچھے میزبان کی درخواست پر بھی دعوت قبول کرنے کی اجازت نہ تھی۔ باقی بے تکلف موقعوں پر حضرت والا بھی تنگی نہ فرماتے بلکہ اجازت دیدیتے ورنہ نہیں۔

اگر کوئی صاحب بلا میزبان کی درخواست کے محض ہمراہی ہونے کی حیثیت سے بیجا بن کر کھانے پر بیٹھ جاتے تو سخت زجر و توبیخ کے ساتھ دسترخوان پر سے اُٹھا دیئے جاتے۔ جہاں زیادہ تنبیہ کی ضرورت ہوتی سفر میں ساتھ رہنے سے بھی روک دیئے جاتے۔ اگر کوئی میزبان حضرت والا کے ساتھ ہمراہیوں کو بھی ہدیہ دینا چاہتا تو ہرگز اس کی اجازت نہ دیتے تاکہ عادت خراب نہ ہو اور طفیلی ہونے کی ذلت سے بچیں اور ایسے مال سے بچیں جو طیب خاطر سے نہ دیا گیا ہو بلکہ محض شرما حضوری دیا گیا ہو۔ اور بطور خود تو ہمراہی کو کسی چیز کے قبول کرلینے کی مجال ہی نہ تھی۔

ایک ہمراہی نے ایک اور رفیق سفر بزرگ کے ہمراہیوں کی دیکھا دیکھی ایک عمامہ ہدیۃً لے لیا تھا حضرت والا نے معلوم ہونے پر بذریعہ ڈاک واپس کرایا تاکہ آیندہ کو سبق ہو لیکن چونکہ وہ اُنکی ملک ہو چکا تھا اس لئے بعد کو خود اپنا عمامہ جو وہیں سے ہدیۃً ملا تھا اُن کو اپنی طرف سے دیدیا تاکہ اُس کا بدل ہو جائے حضرت والا کا ساتھ بہت لمبے لمبے سفروں میں بھی ہوا لیکن نماز کی ادائیگی میں کبھی دقت واقع نہیں

ہوئی ۔ تقریباً ہمیشہ ریل کے ڈبہ کے اندر بھی لمبی لمبی جماعتوں کے ساتھ نمازیں برابر ادا ہوتی رہیں اور اللہ تعالے کا ایسا فضل شامل حال دیکھا کہ مسافروں کے بڑے بڑے ہجوموں میں بھی حضرت والا کے ڈبہ کے اندر اکثر و بیشتر جگہ خوب فراغت ہی سے رہی اور ہر سفر نہایت اطمینان ہی سے طے ہوا

حضرت والا کو صدہا سفر کرنے پڑے مگر حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمیشہ نہایت راحت اور اطمینان ہی سے سفر طے ہوئے ۔ یوں کبھی کوئی خفیف سی تھوڑی دیر کی وقتی کلفت ہوئی تو اُس کا جلدی ہی ایسا تدارک ہو گیا کہ پہلے سے بھی زیادہ راحت مل گئی ۔ کسی رفیق سفر سے احقر نے سُنا ہے کہ جب حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ مدظلہا کو حضرت والا واپسی حج پر بمبئی سے لا رہے تھے تو حضرت والا کی ربیبہ سلمہا جو اُس وقت بچی تھیں شدت تشنگی سے بیتاب تھیں اور پانی کا اسٹیشن بہت دور تھا سخت پریشانی تھی کہ کیا تدبیر کی جائے کہ یکایک ریل راستہ پر ایسی جگہ رک گئی جہاں نیچے دریا تھا ۔ وہاں سے بالٹی میں پانی کھینچکر بچی کو پلا دیا گیا ۔ یہ انعام الٰہی تھا ۔

ایک بار ایک مقام پر حضرت والا بلائے ہوئے تشریف لے گئے اسٹیشن پر اتفاق سے کوئی شخص لینے کے لئے وقت پر نہ پہونچا حضرت والا اسٹیشن ہی سے واپس تشریف لے آئے ۔ اُس کے بعد سے بلانے والوں کے ذمہ یہ بھی کر دیا گیا کہ اپنا ایک آدمی معیت کے لئے بھیجدیں جو برابر ساتھ رہے تاکہ کسی مقام پر کوئی دقت نہ ہو ۔ مگر وہ آدمی ایسا معزز نہ ہو جس سے بوقت ضرورت کوئی کام لینے میں حجاب معلوم ہو ۔ مخدوم نہ ہو بلکہ خادم ہو یا کوئی بے تکلف دوست ہو چنانچہ پھر ہمیشہ یہی معمول رہا جس سے سفر میں ہر طرح کا اطمینان رہتا ۔

یہ بھی حضرت والا کا معمول تھا کہ خواہ زائد خرچ برداشت کرنا پڑتا لیکن کسی سے یہ قرارداد نہ کرتے کہ تم فلاں اسٹیشن پر مل جانا وہاں سے ساتھ ہو جائے گا بلکہ یا تو خود اُس کو اپنے مقام روانگی پر بلاتے یا خود اُس کے مقام پر پہونچ جاتے اور دونوں ایک جگہ سے ساتھ سفر شروع کرتے ۔ اور برابر ساتھ رہتے تاکہ دونوں ایک حال میں رہیں ورنہ اگر قرارداد کی صورت میں کسی کو کوئی عذر پیش آگیا اور وقت مقررہ پر پہونچنا نہ ہوا تو دونوں کو سخت پریشانی لاحق ہوتی ہے ۔

ڈیگ ریاست بھرت پور کے سفر میں زنانی سواریاں ساتھ تھیں ۔ ریلوے اسٹیشن متھرا سے گھوڑا گاڑیوں میں جانا تھا ۔ زیادہ فاصلہ تھا دیر سے روانہ ہونے میں رات ہو جانے کا اندیشہ تھا حضرت والا نے ظہر کی نماز میں صرف دو رکعت فرض قصر پر اکتفا کیا اور روانہ ہو گئے ۔ سنتیں چھوڑ دیں اور فرمایا کہ سفر میں سنت کا درجہ نفل کا ہو جاتا ہے ۔ ضرورت کی حالت میں بالکل حذف کر دینا بھی جائز ہے

اور ضرورت کے موقع پر بھی شرعی رخصتوں پر عمل نہ کرنا اپنے اوپر بلا ضرورت تعب ڈالنا ہے جو ایک درجہ میں حق تعالیٰ کی ناشکری ہے

حضرت والا نے کبھی کوئی سفر کسی کی وجاہت ظاہری سے متاثر ہو کر نہیں کیا۔ نہ اپنے کسی اصول میں فرق آنے دیا۔ چنانچہ ایک نواب صاحب نے جو ایک نہایت ذی وجاہت اور مقتدر خاندانی رئیس ہیں حضرت والا کی خدمت میں دو سو روپیہ مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کے لئے بھیجے جو زیر سرپرستی ونگرانی حضرت والا خاص خانقاہ ہی کے اندر بلا ادنیٰ تحریکِ چندہ محض توکل پر قائم ہے اس کے ساتھ ہی انھوں نے حضرت والا کی خدمت میں تشریف آوری کی درخواست بھی پیش کی حضرت والا نے وہ روپئے واپس فرما دیئے اور لکھ دیا کہ اگر اس رقم کے ساتھ بلانے کا مضمون نہ ہوتا تو مدرسہ کے لئے روپیہ لے لیا جاتا۔ اب اس اقتران سے یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ شاید مجھکو متاثر کرنیکے لئے یہ رقم بھیجی گئی ہو۔ اور آپ کی یہ غرض نہ سہی لیکن میرے اوپر تو طبعی طور پر اس کا یہی اثر ہوگا کہ میں آزادی کے ساتھ اپنے آنے نہ آنے کے متعلق رائے قائم نہ کر سکوں گا کیونکہ انکار کرتے ہوئے شرم آئے گی۔ اسپر نواب صاحب کا معذرت نامہ آیا اور لکھا کہ آپ کے متنبہ کرنے سے اب یہ معلوم ہوا کہ واقعی یہ مجھسے سخت بد تہذیبی ہوئی میں اب اپنی درخواست تشریف آوری واپس لیتا ہوں اور روپیہ مکرر ارسال خدمت کرتا ہوں براہ کرم مدرسہ کے لئے قبول فرما لیا جائے حضرت والا نے پھر نہایت خوشی سے قبول فرما لیا اور تحریر فرمایا کہ ابھی تک تو آپ میری ملاقات کے مشتاق تھے اور اب آپ کی تہذیب اور شرافت نے خود مجھ کو آپ کی ملاقات کا مشتاق بنا دیا ہے چنانچہ بعد چندے انھوں نے پھر تحریک کی اور حضرت والا تشریف لیگئے لیکن پھر بھی اس شرط پر کہ کسی قسم کا ہدیہ پیش نہ کیا جائے۔ جب حضرت والا وہاں سے واپس تشریف لانے لگے تو اُن کی والدہ صاحبہ نے جو حضرت والا کی پیر بہن ہیں تقریباً سو روپیہ خدمت میں پیش کرنا چاہا۔ اسپر حضرت والا نے خلاف شرط ہونے کا عذر پیش کیا۔ نواب صاحب نے عرض کیا کہ یہ تو والدہ صاحبہ کیطرف سے ہے فرمایا والدہ اور ولد میں کیا فرق ہے۔ گھر تو ایک ہی ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر کسی کا جی ہی خدمت کرنے کو چاہے تو آخر وہ کیا کرے۔ فرمایا کہ میں خانہ بدوش شخص تو ہوں نہیں کہ میرا کوئی ٹھکانا نہ ہو۔ میرے ٹھکانے پر بھی تو تشریف لانا ممکن ہے۔ چونکہ نواب صاحب ماشاءاللہ نہایت عاقل اور مہذب و مؤدب ہیں اور رئیسوں کے ایک پرانے دیندار خاندان کے مایۂ ناز فرد ہیں انھوں نے اصرار نہیں فرمایا اُن کی اکثر حضرت والا تعریف فرمایا کرتے ہیں پھر ایک معتدبہ

مدت گذر جانے کے بعد تھانہ بھون خود حاضر ہو کر تین گنیاں پیش کیں جو حضرت والا نے نہایت مسرت اور احترام کے ساتھ قبول فرمالیں اور نواب صاحب کی یہ کمال دانشمندی تھی کہ پہلی رقم کی مقدار بھی بدل دی تاکہ محض وضعداری نہ سمجھی جائے اور حضرت والا کے قلب پر بار بھی نہ ہو اور ذہن بھی پچھلے واقعات کی طرف منتقل نہ ہو۔ اور یہ ایک مستقل ہدیہ سمجھا جائے پھر تو نواب صاحب کی اہلیت اور عقیدت کی بنا پر حضرت والا سے اُن کے خصوصی تعلقات قائم ہوگئے۔

اسی قسم کے دو واقعے اور یاد آئے۔ ڈھاکہ کے پہلے سفر کے بہت بعد جس کا کچھ اجمالی ذکر اوپر آچکا ہے کانفرنس کے موقع پر حضرات علماء دیوبند کا وفد بھی ڈھاکہ گیا تھا۔ نواب صاحب نے اس موقع پر بھی حضرت والا کو نہایت اشتیاق کے ساتھ دعوت دی تھی لیکن چونکہ حضرت والا اس قسم کے جلسوں کی شرکت سے بالکلیہ محترز رہتے تھے حضرت والا نے عذر فرمادیا تھا مگر حضرات دیوبند کے اصرار پر حضرت والا کو سفر کرنا ہی پڑا۔ لیکن اس احتمال پر کہ اگر کوئی ناگوار واقعہ پیش آیا تو آزادی کے ساتھ واپس آسکوں اپنے ذاتی کرایہ سے تشریف لیگئے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کلکتہ میں نواب صاحب کی طرف سے سب حضرات کے قیام وطعام کا انتظام تھا کیونکہ وہاں ہو کر ڈھاکہ جانا ہوتا ہے ایک رئیس صاحب جو نواب صاحب کے دوست تھے مہمانداری کے منتظم تھے۔ اُنھوں نے حضرت والا سے حضرت والا کی تشریف آوری پر اظہار مسرت کیا اور کہا کہ نواب صاحب کو آپ کی تشریف آوری سے بہت مسرت ہوئی کیونکہ انکار کے بعد مایوسی ہوگئی تھی۔ حضرت والا نے اُن سے پوچھا کہ نواب صاحب نے میرے انکار کی کوئی وجہ بھی آپ سے ظاہر کی۔ کہا یہ فرماتے تھے کہ اُن کی شرطیں بہت سخت ہیں جن کو قبول نہیں کر سکتے حضرت والا نے پوچھا وہ کونسی شرطیں تھیں کہا ایک تو یہی تھی کہ کوئی ہدیہ پیش نہ کیا جائے (حضرت والا فرماتے تھے کہ اُن کو غلط ہو گیا یہ شرط پہلے سفر میں لگائی گئی تھی لیکن اس سے قطع نظر کر کے) فرمایا کہ نہ دینے کی شرط کیا مشکل ہے دینا تو دشوار ہو بھی سکتا ہے نہ دینا کیا مشکل ہے۔ اسپر وہ رئیس صاحب بولے کہ صاحب جس سے محبت ہوتی ہے اُس کو تو ہدیہ دینے کے لئے جی چاہتا ہی ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنے محبوب کی خدمت نہ کی جائے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ محبوب کو اپنے گھر ہی بلا بلا کر ہدیہ دیا جائے اگر ایسا ہی شوق ہے تو اُس کے گھر جاکر یا گھر بھیجکر بھی تو ہدیہ دیا جاسکتا ہے۔ اسپر وہ صاحب بولے کہ جناب معاف فرمائیے پیاسا کنوئیں کے پاس آتا ہے کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا۔ اس بیہودگی اور بدتمیزی پر حضرت والا کو سخت ناگواری ہوئی۔ فرمایا اچھا آپ کا یہ خیال ہے کہ آپ لوگ کنواں ہیں اور ہم پیاسے اور ہمارے دماغ میں

یہ سمایا ہوا ہے کہ ہم کنواں ہیں اور آپ لوگ پیاسے اور اس کی ہمارے پاس دلیل بھی ہے وہ یہ کہ دو چیزیں حاجت کی ہیں دین اور دنیا۔ ان میں سے ایک ہماری حاجت کی چیز تو آپ کے پاس ہے اور ایک آپ کی حاجت کی چیز ہمارے پاس۔ لیکن فرق یہ ہے کہ جو چیز ہماری حاجت کی آپ کے پاس ہے یعنی دنیا وہ تو اللہ تعالےٰ نے بقدر ضرورت ہمیں بھی دے رکھی ہے لیکن جو چیز آپ کی حاجت کی ہمارے پاس ہے یعنی دین وہ آپ کے پاس بقدر ضرورت بھی نہیں لہذا آپ ہمارے محتاج ہوئے یا ہم آپ کے اور آپ پیاسے اور ہم کنواں ہوئے یا ہم پیاسے اور آپ کنواں۔ اسپر وہ چپ ہو گئے اور بہت شرمندہ ہوئے۔ حضرت والا کو اُن کی یہ بیہودگی نہایت ناگوار ہوئی اور اپنے رفقاء سے ایک لطیف عذر کر کے وہاں سے چلے آئے اور ایک مسجد میں تشریف لیجا کر وہاں کے امام کے پاس مقیم ہو گئے۔ جناب حافظ احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند نے مسجد میں تشریف لا کر ڈھاکہ ساتھ چلنے کیلئے بہت اصرار فرمایا لیکن حضرت والا نے عرض کیا کہ میں تو اب واپسی کا قطعی ارادہ کر چکا ہوں اور پہلی ریل گاڑی میں سوار ہو کر الہ آباد پہونچ گئے۔ کیونکہ واپسی پر وہاں ٹھہرنے کا وعدہ تھا۔ اوّل تو پہلے ہی سے یہ ڈھاکہ کا سفر حضرت والا کے خلاف طبیعت تھا پھر اوپر سے یہ ناگوار واقعہ بھی راستہ میں پیش آگیا اس لئے واپسی کا عذر اور بھی قوی ہو گیا اور ع می دہد یزداں مراد متقی۔ کا ظہور ہوا اُس وقت حضرت والا کا اپنے کرایہ سے سفر کرنا بہت کام آیا ورنہ بڑی تنگی پیش آتی اور ایسی آزادی کے ساتھ واپس نہ آسکتے۔ یہی وہ فراست ہے جس کی فضیلت حدیث میں آئی ہے اور جس کے مقابلہ میں کشف کا درجہ بہت متاخر ہے۔ جب نواب صاحب کو خبر پہونچی تو اُن کا تار پہونچا لیکن چونکہ حضرت والا واپسی کا عزم فرما چکے تھے۔ اس لئے نہ رُکے پھر الہ آباد پہونچکر تار کا مناسب جواب بھیجدیا۔

جناب اکبر حسین صاحب جج مرحوم و مغفور نے جو حضرت والا سے خاص عقیدت رکھتے تھے اس واپسی پر بہت اظہار مسرت فرمایا۔ کیونکہ اُن کو حضرت والا کا اس طرح وفد کے ساتھ اُمراء کے یہاں جانا بہت گراں تھا۔

اسی قسم کا دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ جب دار الطلبہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی مسجد جس کو تمام و کمال ایک دیندار رئیسہ نے اپنی ہی صرف سے تیار کرایا تھا مکمل ہو گئی تو اُس رئیسہ نے اُسکے افتتاح کا مدرسہ میں ایک جلسہ منعقد کیا۔ اور اپنی آمد کی تاریخ معین کر کے مہتمم صاحب کو لکھا

اپنے مدرسہ کے سرپرستوں اور دیگر اراکین کو اطلاع کر دیں کہ اُس تاریخ پر مدرسہ میں آجائیں۔ مہتمم صاحب نے اس اطلاع کے ساتھ شرکت کی دعوت دی۔ حضرت والا نے شرکت سے انکار فرمادیا اور مہتمم صاحب کو لکھ بھیجا کہ اُنکو اس حاکمانہ لہجہ میں بلانے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اس طرح حکمنامہ بھیجکر بلانا خلاف تہذیب ہے۔ یہ بھی کوئی بلانے کا طریقہ ہے میں نہیں آؤں گا۔ کیا وہ کسی رئیس کو ایسے طریقہ سے دعوت دے سکتی تھیں۔ جناب مہتمم صاحب نے مدرسہ کی مصالح کی بناء پر اصرار فرمایا اور لکھا کہ یہ اُن رئیسہ صاحبہ کا فعل نہیں ہے بلکہ اُن کے میر منشی کا ہے۔ حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ پھر بھی یہ شکایت ہے کہ اس معاملہ کو بالکل میر منشی ہی پر کیوں چھوڑ دیا گیا۔ مسودہ کو خود دیکھ کر منظوری دیتیں۔ جس طرح حکام کے دعوت ناموں میں اہتمام کیا جاتا ہے۔ اسکے بعد لکھا کہ اُن کے بلانے پر تو میں اب نہیں آؤں گا۔ البتہ اگر آپ حکم دیں گے تو جوتیاں چٹخاتا ہوا سر کے بل حاضر ہوں گا۔ چنانچہ اس شرط پر تشریف لیگئے کہ رئیسہ سے نہ ملوں گا نہ اُن سے کوئی گفتگو بلاواسطہ یا بواسطہ کرونگا۔ جناب مہتمم صاحب نے اسی کو بسا غنیمت سمجھا اور تشریف لانیکی درخواست کی حضرت والا تشریف لیگئے اور مدرسہ کے مہمان ہوئے اور بہت پُراثر وعظ ہوا جسمیں وہ رئیسہ بھی شریک تھیں۔ اُس کے بعد فوراً اسٹیشن پر تشریف لے گئے تاکہ مہتمم صاحب کو یا اپنے حضرات میں سے کسی کو کچھ کہنے سننے اور اصرار کا موقع ہی نہ مل سکے۔ یہاں تک کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بے ملے ہی تشریف لے آئے۔ پھر اُن رئیسہ صاحبہ نے حضرت والا کے لئے مٹھائی کا حصہ جو اُنھوں نے تقسیم کی تھی اسٹیشن پر بھیجا اور احتیاطاً یہ کہلا بھیجا کہ یہ مٹھائی عام تقسیم کی نہیں ہے بلکہ خود میرے حصہ کی ہے قبول فرمانے میں پس و پیش نہ فرمائیں۔ بوجہ مزاج شناس نہ ہونے کے اُنھیں اندیشہ ہوا کہ دماغ دار ہیں کہیں عام تقسیم کی مٹھائی لینے میں بھی تامل ہو۔ بہرحال اُنھیں یہ تو احساس ہوگیا کہ ملانوں میں بھی دماغدار ہو سکتے ہیں۔ غرض حضرت والا کو اس کا بڑا اہتمام ہے کہ اہل علم کی ذلت نہ ہو جنکو آجکل لوگ عموماً خصوص امراء نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں حالانکہ اس کا اُن کو کوئی حق نہیں اور یہ خلاف تہذیب حرکت اُن کو ہرگز زیبا نہیں بالخصوص اس حیثیت سے کہ حضرات علماء کو اللہ تعالٰے نے حاملان دین اور محافظان اسلام اور ورثۃ الانبیاء بنا کر بڑے مرتبے عطا فرمائے ہیں۔ لہذا حضرت والا نے نظر بر حال زمانہ اور بمقتضائے ضرورت وقت اپنا یہ نصب العین قرار دے رکھا ہے کہ متکبروں کو اچھی طرح محسوس کرادیا جائے کہ ؎

مبیں حقیر گدایان عشق راکایں قوم شہان بے کمر و خسروان بے کلہند

گو بعضے کوڑھ مغز اسکو تکبرؒ پر محمول کریں لیکن بقول حضرت والا تکبرؒ کی بدنامی بہ نسبت تملق کی بدنامی کے لذیذ بدنامی ہے اور آجکل تو بفحوائے التکبر مع المتکبرین عبادۃؒ ۔ اس کی سخت ضرورت بھی ہے ۔ کیونکہ اس تمرد اور فرعونیت کے زمانہ میں جبکہ اہل دین کو عموماً نہایت تحقیر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ۔ اس کی اصلاح بھی ایک مجدد وقت کے ذمہ ضروری تھی اور بمصداق ہر فرعونے راموسیٰ ۔ اس چودھویںؒ صدی کے لئے ایسا ہی مصلح درکار تھا جس نے بڑے بڑے سرکشوں سے حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کروا دیا ۔ اور اُن کو صحیح معنوں میں مسلم بناکر سچے دل سے دین اور اہل دین کی عظمت کو اُن سے منوا دیا ۔ جب اصلاح ہی کا کام اپنے ذمہ لے رکھا ہے تو پھر بدنامی کا خیال کر کے اپنے فرض منصبی میں کوتاہی کرنا خیانت تھا ۔ لیکن چونکہ حفظ مراتب بھی مقاصد شرعیہ میں سے تھے لہذا حضرت والا اپنی طرف سے کبھی تہذیب کو ذرا ہاتھ سے نہیں جانے دیتے بلکہ دنیوی ذی وجاہت صاحبان کا بھی اُن کے مرتبہ کے مطابق بہت لحاظ فرماتے ہیں اور نہایت تہذیب سے پیش آتے ہیں بشرطیکہ اُن کی طرف سے کوئی بے عنوانی نہ ہو اور جس سے جو معاملہ فرماتے ہیں باگرفت فرماتے ہیں بالکل اصول صحیحہ کے موافق حتیٰ کہ دوسرے کو اپنی غلطی کے اقرار کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہیں رہتا ۔ چنانچہ حضرت والا بہ آواز بلند فرمایا کرتے ہیں کہ جس کو اسلامی تہذیب کے مقابلہ میں تہذیب کا دعویٰ ہو کچھ دن میرے پاس رہ کر دیکھ لے ۔ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ کہتا ہوں کہ انشاءاللہ تعالیٰ خود اُسی کے مُنہ سے کہلوا دوں گا کہ واقعی ہم بدتہذیب ہیں اور حقیقی تہذیب وہی ہے جس کی شریعت مقدسہ نے تعلیم فرمائی ہے ۔ چنانچہ جناب حفیظ مرحوم جونپوری جو ایک مشہور شاعر اور شروع میں بہت ہی آزاد تھے حضرت والا سے رجوع کرنے کے بعد اپنے رسالہ موسومہ "مآل" میں لکھتے ہیں کہ جس تہذیب کو ہم نے مدت العمر اُمراء اور بڑے بڑے مہذبین کی صحبتوں میں رہ کر حاصل کیا تھا تھانہ بھون آکر معلوم ہوا کہ وہ سراسر بدتہذیبی تھی ۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے مدعیان تہذیب جدید کے منہ سے بدتہذیبی کا اقرار کرانے میں بڑا حظ ہوتا ہے کیونکہ یہ اپنے مقابلہ میں ہم ملانوں کو بالکل وحشی بدتہذیب ہی سمجھتے ہیں ۔ تو اس اقرار میں اُنکا تکبرؒ اور دعوی شکست ہوتا ہے ۔

حضرت والا نے جب بعض اسلامی ریاستوں میں سفر فرمایا تو سب سے اول بلطائف الحیل سے اس کی تدبیر فرمائی کہ والیان ریاست سے ملاقات کی نوبت نہ آنے پائے ۔ کیونکہ حضرت والا اُمراء سے از خود تو ملتے نہیں لیکن جب وہ خود ملنے آتے ہیں تو حضرت والا باوجود انتہائی شان استغناء کے

بہ تعمیل ارشاد نبوی نزلوا الناس منازلھم نہایت اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ نیز دیگر معاملات میں بھی اُن کے مراتب کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ چنانچہ جب مرحوم نواب صاحب ڈھاکہ نے حضرت والا سے اپنی بچیوں کو بسم اللہ پڑھوائی تو چونکہ حضرت والا نے قبل سفر یہ شرط ٹھہرائی تھی کہ کسی قسم کا ہدیہ نقد یا غیر نقد نہ دیا جائے گا اور نواب صاحب کا جی چاہتا تھا کہ کسی بہانہ سے کچھ خدمت کریں اس لئے نواب صاحب نے تقریب بسم اللہ سے پہلے بذریعہ رقعہ عرض کیا کہ ہمارے خاندان میں قدیم سے یہ رسم چلی آتی ہے کہ بسم اللہ پڑھوانے کی کچھ نقد سے خدمت کی جاتی ہے اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو میری سخت سبکی ہوگی امید ہے کہ آپ میری سبکی کو گوارا نہ فرمائیں گے اور کچھ ہدیہ پیش کرنے کی ضرور اجازت مرحمت فرمائیں گے ۔ حضرت والا نے جواب دیا کہ سبکی سے بچنے کی تو ایک بہت سہل صورت ہوسکتی ہے وہ یہ کہ مجمع میں تو میں آپ سے لیلوں اور خلوت میں آپ کو واپس کردوں۔ اس طرح آپ کی وضع بھی قائم رہے گی اور میری مصلحت بھی محفوظ رہے گی۔ اور یہ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس واپسی کی کبھی عمر بھر بھی کسی کو اطلاع نہ کرونگا۔ اس کو نواب صاحب نے ہرگز گوارا نہ فرمایا اور عرض کیا کہ حضرت میں آپ کی مصلحت پر اپنی وضع کو قربان کرتا ہوں۔

اسی طرح ریاست بھاولپور کی طرف سے حضرات علماء کو جو وہاں مدعو کئے گئے تھے جن میں حضرت والا بھی تھے۔ ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیہ بعنوان خلعت اور پچیس پچیس روپیہ بنام دعوت عطا کئے گئے تھے اُسوقت تو حضرت والا نے اس رقم کو دیگر حضرات علماء کے ساتھ بخیال احترام رئیس کے سامنے قبول فرمالیا۔ لیکن بعد کو خلوت میں وزیر صاحب سے عذر کیا کہ اس کو مجھ سے واپس لے لیا جائے۔ کیونکہ بیت المال میں سے دیا گیا ہے جس کا میں مصرف نہیں۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ اب تو کاغذات میں بھی اندراج ہوچکا اب اس کی واپسی کی کوئی صورت نہیں۔ حضرت والا نے فرمایا خیر اگر خزانہ میں واپسی نہیں ہوسکتی تو اس رقم کو مقامی علماء اور طلباء میں صرف کردیا جائے کیونکہ شرعاً بیت المال کے وہی مصرف قریب ہیں غرض جو کچھ ملا تھا وہ سب حضرت والا نے واپس فرمادیا لیکن نہایت سلیقہ اور بہت خوبصورتی کے ساتھ۔ یہی صورت ریاست خیرپور سندھ میں واقع ہوئی تھی۔ وہاں پر یہ عذر پیش کیا گیا تھا کہ نواب صاحب کو واپسی خلعت ناگوار ہوگی۔ اسپر فرمایا گیا کہ اگر یہ اندیشہ ہے تو اُن کو معلوم ہی کیوں کرایا جائے بلکہ جو نقد بہ عنوان خلعت ملا ہے اُس کو مساکین میں تقسیم کردیا جائے کیونکہ وہ لوگ اس کا مصرف صحیح ہیں۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ چونکہ بفضلہ تعالیٰ نیت نیک ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ ایسے موقعوں پر کوئی ایسی معقول بات

سوجھا دیتے ہیں کہ دوسرے کو ماننی ہی پڑتی ہے اور الحمدللہ مجھے کہیں خلاف شریعت یا خلاف طبیعت کرنے پر مجبور نہیں ہونا پڑتا۔ اھ

اسپر حضرت والا کا ایک اور واقعہ یاد آیا۔ حیدرآباد کے سفر میں ایک معمر صاحبِ علم نے اپنی مستورات کو حضرت والا سے مُرید کرانا چاہا۔ اُنھوں نے اس کی کوشش کی کہ بے پردہ سامنے آنیکی اجازت دیدی جائے لیکن حضرت والا نے منظور نہ فرمایا بالآخر اُنھوں نے یہ ترکیب کی کہ اُن کو برقع میں بٹھلا دیا جب مُرید کرنے کے لئے حضرت والا اُس مجلس میں بیٹھے تو بڑے میاں بولے کہ مُنھ کھولدو ان سے کیا پردہ۔ اب حضرت والا بہت تنگ ہوئے۔ لیکن بجائے اس کے کہ حضرت والا بڑے میاں سے قیل وقال کرتے جس میں کامیابی بھی نہ ہوسکتی تھی۔ اور اتنے میں وہ اپنا مُنھ کھول بھی دیتیں حضرت والا نے فوراً خود برقع والیوں ہی سے للکار کر کہا کہ خبردار جو منھ کھولا۔ اب بڑے میاں تو کہہ رہے ہیں کہ نہیں جی مُنھ کھول دو ان سے کیا پردہ اور حضرت والا ڈانٹ رہے ہیں کہ خبردار میں حکم دیتا ہوں کہ ہرگز منھ نہ کھولنا۔ چونکہ مرید ہونے کیلئے بیٹھی تھیں اُنکو حضرت والا ہی کا حکم ماننا پڑا اور منھ نہ کھولا۔ غرض حضرت والا ہی اپنی تجویز میں کامیاب رہے۔

اسی طرح ایک بڑی ریاست کی وزیر زادی صاحبہ اپنے شوہر کے ساتھ خود تھانہ بھون حاضر خدمت ہوئیں۔ اُنھوں نے بھی بے پردہ سامنے آنا چاہا اور چھوٹی پیرانی صاحبہ کے ذریعہ سے اس کی اجازت چاہی۔ حضرت والا نے صریح انکار کرنا تو مصلحت کے خلاف سمجھا کیونکہ آزاد لوگوں کے سامنے اگر حکم شرعی بتایا جاتا ہے تو وہ اُس کی بیقدری کرتے ہیں اور اُن کے جی کو نہیں لگتا بلکہ شریعت کا نام سُن کر عجب نہیں کہ شریعت کے متعلق کچھ طعن یا استخفاف کا کلمہ کہہ بیٹھیں اس لئے نہایت لطیف تدبیر کی فرمایا کہ اگر ان کو کچھ کہنا سننا ہو تو خیر اجازت ہے کیونکہ حضرت والا کو قرائن سے معلوم تھا کہ کہنا سننا ضرور ہے اس لئے سامنے نہ آویں گی۔ نیز اس جواب میں یہ سوچا کہ میں خود اپنی آنکھیں نیچی رکھوں گا پھر میرا کیا حرج ہے لیکن اُنھوں نے کہا کہ نہیں حضرت مجھے تو کچھ عرض بھی کرنا ہے۔ اسپر فرمایا کہ یہ میری طبعی بات ہے کہ میں کسی عورت سے دوبدو گفتگو کرتے ہوئے شرماتا ہوں اگر تم مجھ سے چہرہ کھولکر گفتگو کروگی تو میں گفتگو کرہی نہ سکوں گا میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں لہذا اگر گفتگو کرنی ہے تو پردہ کی آڑ سے کرو چنانچہ مجبوراً اُنھیں اسی پر راضی ہونا پڑا۔ اور واقعی حضرت والا غایت غیرت وحیا کی وجہ سے کسی عورت کے ساتھ دوبدو ہوکر بے تکلف گفتگو نہیں فرماسکتے۔

حضرت والا جب سفر میں کسی سواری پر بیٹھتے تو حتی الامکان ایسی جگہ جہاں قلب کی جانب کوئی

اور بیٹھا ہوا نہ ہوتا کیونکہ اس سے حضرت والا کو طبعاً الجھن ہوتی ہے - نیز حضرت والا ریل گاڑی کے گذرتے وقت نظر اُٹھا کر مسافروں کی طرف نہیں دیکھتے جیسا کہ عام دستور ہے کہ جب کوئی ریل گاڑی گذرتی ہے تو لوگ تماشا کے طور پر ضرور ایسا کرتے ہیں - فرماتے ہیں کہ مجھے اس سے حجاب آتا ہے احقر عرض کرتا ہے کہ علاوہ ایک فضول حرکت ہونے کے یہ بھی تو اس میں احتمال ہے کہ کسی عورت پر نظر پڑ جائے -

حضرت والا جب سفر میں تشریف لیجاتے تو مشتاقان زیارت کا ہر جگہ ایک انبوہ عظیم ہو جاتا استقبال اور رخصت کے وقت اسٹیشنوں پر اتنا اتنا ہجوم ہوتا کہ مسافروں کو چلنے کے لئے جگہ ملنی دشوار ہو جاتی - مصافحہ کرنے والوں کی اتنی کثرت ہوتی کہ اکثر حضرت والا اپنے دونوں ہاتھ جدا جدا دونوں طرف بڑھا دیتے اور لوگ بڑھ بڑھ کر والہانہ انداز سے دو طرفہ ہاتھ چومتے رہتے - اور حضرت والا ہر شخص پر نظر توجہ ڈالتے جاتے - بوقت رخصت جب تک ریل تیز نہ ہو جاتی مصافحوں کی بھی بھرمار اور یہی کیفیت رہتی -

حضرت والا کو حق تعالیٰ نے ایسی محبوبیت عامہ عطا فرمائی ہے کہ بعض ضعیف الخیال لوگوں کو گمان ہو گیا کہ حضرت والا کو کوئی تسخیر کا عمل آتا ہے یہاں تک کہ حضرت والا کے ایک متوسل سے ایک صاحب نے کہا کہ اگر تم نے حضرت سے عمل تسخیر ہی نہ حاصل کیا تو کچھ بھی حاصل نہ کیا - اور کہا کہ حضرت کے پاس کا تیر بہدف عمل ہے - حضرت والا نے اُن کے اس قول کو بہ تبسم نقل فرما کر فرمایا کہ یہی حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمہ کے بارہ میں بھی بعض لوگوں کا خیال تھا چنانچہ ایک صاحب اسی خیال کو لئے ہوئے مجلس میں بیٹھے تھے حضرت شاہ صاحب کو کشف ہوا فرمایا توبہ توبہ نعوذ باللہ استغفر اللہ عملیات کرنے سے تو نسبت سلب ہو جاتی ہے اھ - بعون اللہ تعالیٰ و بفضلہ حضرت والا کو لمبے لمبے سفروں میں بھی ایسا تکان نہیں ہوا کہ ضروری کاموں میں خلل انداز ہو جائے - اکثر دیکھا گیا کہ رات رات بھر سفر کیا اور نیند تقریباً آئی ہی نہیں لیکن صبح کو گھنٹوں کھڑے ہو کر نہایت جوش کے ساتھ وعظ فرمایا اور پھر جمع شدہ ڈاک کو بھی ختم کیا - ایک بار شب کو آدھی رات تک وعظ فرما کر ڈاک لکھنے بیٹھ گئے اور برائے نام ہی آرام فرمایا - مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سفر میں قلت نوم کی وجہ سے میرے حواس مختل ہو ہو جاتے تھے لیکن ماشاء اللہ تعالیٰ حضرت والا پر کوئی معتدبہ اثر نہ ہوتا اور برابر وعظ و ملفوظات و تحریر خطوط میں مشغول رہتے - اسپر یاد آیا کہ ایک مولوی صاحب نے خود احقر سے کہا کہ مولانا کو کوئی بوٹی معلوم ہے اُس کا استعمال کرتے ہیں - ماشاء اللہ صحت بہت اچھی

رہتی ہے اُن سے وہ بوٹی معلوم کرنی چاہئے۔ حضرت والا سے جب اس قول کو نقل کیا گیا تو ہنسے اور فرمایا کہ خبطی ہیں۔ پھر فرمایا لیجئے میں اس بوٹی کو بتلائے ہی دیتا ہوں۔ وہ بوٹی ہے تعلق مع اللہ جس سے قلب میں نہایت قوت اور طمانیت اور طبیعت میں ہر وقت فرحت و بشاشت رہتی ہے جو جڑ ہے صحت کی۔ واقعی حضرت والا کی صحت بفضلہ تعالیٰ ماشاءاللہ نہایت اچھی رہتی ہے۔ بحمداللہ ہمیشہ تندرست ہشاش بشاش اور آواز میں انتہا درجہ کی قوت اور جہوریت اور کلام میں نہایت شوکت وصولت ہی دیکھی حالانکہ حضرت والا کو بعض رنج دہ حادثات کے بعد بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا اللہ تعالیٰ حضرت والا کی صحت و قوت ظاہری و باطنی میں روز افزوں ترقی بخشے اور بایں فیوض و برکات سلامت باکرامت رکھے آمین۔

الحمدللہ حضرت والا بفضلہ تعالیٰ شاذ و نادر ہی کبھی بیمار پڑتے ہیں اور بڑی سے بڑی بیماری بھی جلد سے جلد جاتی رہتی ہے۔ جس بیماری سے لوگ مہینوں میں اچھے ہوتے ہیں حضرت والا بفضلہ تعالیٰ بس دو تین ہی دن میں صحت یاب ہو جاتے ہیں اور کبھی کام میں حرج واقع نہیں ہوتا۔ بلکہ اکثر بیماری میں بھی کام کرتے ہی رہتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالےٰ کو حضرت والا سے دین کا کام لینا ہے اسواسطے حضرت والا کے ساتھ یہ معاملہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ ایسا ہی معاملہ رکھے اور حضرت والا کو غیر معمولی طویل عمر صحت و عافیت وخیر و برکت کے ساتھ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

اور احادیث میں جو امراض کی فضیلت اور اجر وارد ہے وہ اللہ تعالےٰ نے اس طرح عطا فرمایا کہ دو عارضے مثل لازم کے ہو گئے ہیں ایک آنت اُترنا دوسرا دماغ میں تبخیر سے ایسا دھواں سا بھر جانا جس سے نیند اکثر مختل رہتی ہے بعض اوقات کئی کئی روز اسی حالت میں گذر جاتے ہیں پھر سیری سے نیند آجاتی ہے اگر حق تعالیٰ امداد نہ فرماتے تو تحمل دشوار تھا۔ چند روز سے الحمدللہ عارض اول میں خفت ہے گو سفر کے قابل نہیں۔ ثانی کی بھی تدابیر جاری ہیں امید ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ اس کو بھی سکون ہو جاوے گا۔ لیکن اس سے بفضلہ تعالےٰ کسی کام میں حرج واقع نہیں ہوتا بلکہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ نیند نہ آنے کی حالت میں دماغ کی حرارت میں انتعاش ہو کر کام کرتے وقت اور بھی تیزی سی محسوس ہونے لگتی ہے اور خوب کام ہوتا ہے۔ بہرحال اس طرح مرض کا اجر بھی عطا ہو جاتا ہے اور حرج بھی واقع نہیں ہوتا۔

چونکہ حضرت والا ابتدا الٰہی سے بزرگوں کے ساتھ غایت درجہ عقیدت رکھتے ہیں اس لئے چند سفر زیارت بزرگان کی غرض سے بھی فرمائے جن کا ذکر باب "لقائے بزرگاں و دعائے بزرگان"

میں کیا جائے گا ۔ چند سفر ہردوئی پیرانی صاحبان کے معالجہ کے سلسلہ میں بھی فرمائے اور زنانہ شفاخانہ میں بھی قیام فرمانا پڑا جہاں کی عیسائی ڈاکٹرنیاں بھی حضرت والا کا نہایت ادب واحترام کرتیں اور باوجود بے پردہ اور بیباک ہونے کے حضرت والا کے سامنے سے گذرتے ہوئے جھجکتیں اور اپنے قلبی ادب واحترام کا اظہار اور لوگوں سے کرتیں ۔

حسب روایت حافظ صغیر احمد صاحب مظفرنگر کے سفر میں ایک معزز رئیس نے جو بہت بیباک اور زبان آور اور بڑے بڑے حکام کے سامنے نہ جھکنے والے تھے حضرت والا سے کوئی بے ڈھنگی بات پوچھی حضرت والا نے حسب معمول اُنھیں ڈانٹا اور یہاں تک ناگواری بڑھی کہ مجلس سے اُٹھ جانے کے لئے کہا وہ پھر بھی بیٹھے رہے تو حضرت والا خود اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ اور فرمایا کہ اگر آپ نہیں اُٹھتے تو میں خود اُٹھا جاتا ہوں میں ایسے شخص کے ساتھ ہمنشینی بھی گوارا نہیں کرسکتا اس پر اُنھوں نے دست بستہ عرض کیا کہ حضرت آپ بیٹھے رہیں میں خود ہی جاتا ہوں پھر وہ اُٹھے اور چلے گئے بعد کو اُنھوں نے حافظ صاحب سے کہا کہ میرا تو عمر بھر کے لئے علاج ہوگیا ۔ میں علماء اور ملانوں کو بہت ذلیل سمجھا کرتا تھا ۔ اب ہر ایک مولوی اور ملانے کا میں ادب و لحاظ کرتا ہوں ۔ کیونکہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں یہ بھی ایسا ہی نہ ہو ۔ میں بڑے بڑے حکام سے بھی مرعوب نہیں ہوتا مگر اُس روز مولانا سے اتنا مرعوب ہوا کہ ڈانٹ پڑنے کے بعد ایک لفظ بھی میرے منھ سے نہ نکل سکا ۔ سچ ہے ؎

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

بہرحال سفر خواہ علاج کی غرض سے ہوتا یا اور کسی ذاتی ضرورت سے بہرصورت حضرت والا سے مسلمانوں کو دینی فیوض ضرور پہونچتے کیونکہ جہاں تشریف لیجاتے ۔ جوق جوق مشتاقین حاضر خدمت ہوکر استماع کلمات طیبات حکمت آیات سے مستفید ہوتے اور اصرار کرنے پر وعظ سے بھی بہرہ اندوز ہوتے ۔

حضرت والا دو مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے ان دونوں مبارک سفروں کا مفصل حال انشاء اللہ تعالیٰ باب "شرف بیعت و استفاضۂ باطنی" میں ملاحظہ سے گذرے گا ۔

دوسرے سفر حج سے واپسی پر جب جہاز بمبئی پہونچا تو حسب معمول وہاں کے ایک سیٹھ نے حاجیوں کو کھانا تقسیم کیا اور مسافرخانہ ہی میں بھیجا حضرت والا کے بعض ہمراہیوں نے پوچھا کہ یہ کیسا ہے تو کہا گیا کہ اللہ واسطے کا ہے ۔ یہ سُن کر اُنھوں نے لینے سے انکار کردیا کہ ہم محتاج نہیں اللہ واسطے کا نہیں لیتے ۔ حضرت والا نے فرمایا کہ بھائی اِدھر لاؤ ہم تو اللہ واسطے کا ضرور لیں گے اور مزاحاً فرمایا کہ یہ لوگ شیطان واسطے کا لیں گے اللہ واسطے کا نہیں لیتے ۔ جب حضرت والا نے

لے لیا تو پھر ہمراہیوں نے بھی لے لیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اللہ واسطے کا یہاں یہ مطلب نہیں ہے کہ محتاج سمجھ کر دیتے ہیں۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ بلا عوض اور بلا غرض ہے ورنہ کیا تقسیم کرنے والے نہیں جانتے کہ حجاج میں اکثر غنی بھی ہوتے ہیں۔

غرض حضرت والا کا ہر سفر سر بسر فیوض و برکات گوناگوں کا ایک دریائے رواں ہوتا تھا جس سے بلاد و امصار سیراب ہوتے چلے جاتے تھے۔ اور اب حضر کی بھی ماشاء اللہ وہ حالت ہے جو سمندر کی ہوتی ہے کہ وہیں سے بارش کی ہوائیں اُٹھ اُٹھ تمام عالم کو سیراب کرتی رہتی ہیں۔ اور وہ اپنی جگہ بدستور موجزن رہتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت والا نے مدت مدید تک اطراف و جوانب میں سفرہائے دور و دراز فرما کر تبلیغ احکام الٰہیہ کی خدمت انجام دی اور اب ایک عرصہ سے سفر کو بالکلیہ ترک فرما کر اپنے مرکز یعنی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں قطب ارشاد بنکر بیٹھ گئے ہیں اور خدمت اصلاح خلق میں نہایت جاہ و جلال کے ساتھ مشغول ہیں بمصداق شعر حضرت حافظ رحمہ

روزگارے شد کہ در میخانہ خدمت میکنم ۔۔۔ در لباسِ فقر کارِ اہلِ دولت میکنم

اَللّٰھُمَّ اَدِمْ فیوضہ وَعَمِّمْ وَتَمِّمْ

باب ۱۲ دوازدہم

"لقائے بزرگاں ودعائے بزرگاں"

تمہید

حضرت والا کو لڑکپن ہی سے اہل اللہ کے ساتھ بے حد عقیدت و محبت ہے اور اتنا شغف ہے کہ بزرگوں کے تذکرے اکثر و بیشتر نہایت لطف لے لے کر دیر دیر تک مجلس شریف میں بیان فرماتے رہتے ہیں۔ اور اسقدر جوش و خروش کے ساتھ کہ بیان کرتے کرتے خود بھی متاثر ہو جاتے ہیں اور سننے والوں کو بھی متاثر کر دیتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر خود فرمایا کرتے ہیں کہ یہ حضرات اہل سکر تھے ان کے تذکروں میں بھی یہ اثر ہے کہ سکر کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اکثر

ایسے تذکروں میں صبح کی مجلس وقت مقررہ سے بہت زیادہ دیر دیر تک منعقد رہی اور حضرت والا نے بہت تاخیر کے ساتھ صبح کا کھانا تناول فرمایا - اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ ان بزرگوں کے ناموں سے بھی روح میں تازگی اور قلب میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے - اسپر حضرت کو حضرت حافظ رح کا یہ شعر یاد آتا ہے

نام من رفتہ است روزے برلبِ جاناں بسہو   اہل دل را بوئے جاں می آید از نامم ہنوز

حضرت والا کو کتب بینی سے عموماً دلچسپی نہیں لیکن طبقات کبرےٰ کو جس میں بزرگوں کے اقوال واحوال درج ہیں باوجود ہجوم مشاغل اس عمر میں بھی نہایت دلچسپی سے مطالعہ فرمایا کرتے ہیں - چنانچہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بوجہ قلت فرصت قبل مغرب ہی جبکہ حروف بھی مشکل سے نظر آتے ہیں خاص طور پر وقت نکال کر مطالعہ فرماتے رہتے ہیں اور حسب فرصت خاص خاص اقوال و احوال کا اُس میں سے انتخاب بھی فرما رہے ہیں بمصداق قول پیر ہرات رح از ہر پیرے سخنے یاد گیرید واگر نتوانید نام ایشاں یاد دارید - اس انتخاب کا نام یہ رکھا ہے " اماثل الاقوال والاحوال لافاضل الرجال - بزرگوں کے تذکروں کو اسقدر نافع سمجھتے ہیں کہ ایک ہزار حکایات کا مجموعہ مرتب کرا کر شائع کرا دیا ہے جس کا نام " نزہتہ البساطین " ہے اور بہت وثوق کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں کہ یہ حضرات عشاق تھے ممکن نہیں کہ ان کے حالات پڑھے جائیں اور قلب میں محبت الٰہی پیدا نہ ہو عند ذکر الصالحین تتنزل الرحمۃ - غرض حضرت والا کو ابتداء ہی سے بزرگان دین اور اکابر صالحین سے بیحد عقیدت و محبت رہی ہے اور اُن حضرات کی بھی حضرت والا پر خاص عنایات و توجہات تھیں - چنانچہ حضرت والا اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ نہ کبھی طالبعلمی میں میں نے محنت کی نہ اس طریق میں کبھی مجاہدات و ریاضات کئے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے سب اپنے حضرات اساتذہ و مشائخ کی دعا و توجہ اور میری طرف سے غایت درجہ ادب و عقیدت کا ثمرہ ہے یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ الحمد للہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کبھی کسی بزرگ کو ایک منٹ کے لئے بھی مکدر نہیں کیا

بزرگوں کے ساتھ غایت درجہ عقیدت و محبت کا یہ مقتضا ہوا کہ حضرت والا علاوہ اپنے سلسلۂ امدادیہ نوریہ کے بزرگوں کے جن سے خصوصیت اور قوی تعلق تھا اور بکثرت اختلاط وارتباط رہتا تھا اور جن کی بعض عنایات و توجہات کا ذکر مختصراً بعد کو آئے گا بعض دیگر سلسلوں کے بھی بزرگوں کی زیارت کی اور بعض بزرگوں کی زیارت کے لئے سفر بھی فرمائے - جن کی کچھ تفصیل بطور نمونہ کے بہ عنوان واقعات ذیل میں درج کیجاتی ہے -

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب رح

واقعہ نمبر ۱

حضرت والا نے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب قدس سرہ العزیز کی زیارت کیلئے دو بار گنج مراد آباد کا سفر فرمایا۔ حضرت والا نے ان دونوں سفروں کی مفصل کیفیت بارہا نہایت لطف لے لے کر بیان فرمائی ہے جو قلمبند بھی کی جا چکی ہے اور ارواح ثلثہ میں بعنوان "نیل المراد فی السفر الی گنج مراد آباد" شائع بھی ہو چکی ہے وہاں ملاحظہ فرما لیا جائے۔ یہاں اُس کا خلاصہ لکھا جاتا ہے۔ اول بار غالباً ربیع الثانی یا جمادی الاول سنہ ۱۳۰۱ھ میں حاضری ہوئی جبکہ حضرت والا بالکل نوجوان تھے اور مدرسہ دیوبند سے فارغ التحصیل ہوتے ہی مدرسہ فیض عام کانپور میں نئے نئے مدرس ہو کر تشریف لیگئے تھے بعض وجوہ سے (جن کا ذکر "باب درس و تدریس" میں گذر چکا ہے۔ مؤلف) دو مہینہ کے بعد ملازمت چھوڑ دی اور تھانہ بھون واپسی کا ارادہ فرمایا گو بعد کو مدرسہ جامع العلوم کی بنیاد پڑ گئی اور حضرت والا وہیں رہے جب حضرت والا نے کانپور چھوڑنے کا قصد فرمایا تو یہ خیال ہوا کہ حضرت مولانا کی زیارت کا شرف بھی حاصل کرتا جاؤں کیونکہ معلوم نہیں پھر اس طرف آنے کا کبھی اتفاق ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ ایک طالب علم کو ہمراہ لیکر نہایت شوق و عقیدت کے ساتھ مولانا رح کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ راستہ کی ناواقفیت کی وجہ سے بھولتے بھٹکتے بہت دیر میں پہونچے یہانتک کہ عشاء کی جماعت بھی ہو چکی تھی۔ اور مولانا مسجد سے حجرہ میں بھی تشریف لیجا چکے تھے۔ خادم کے ذریعہ سے اطلاع کرائی گئی۔ مولانا رح نے فوراً بلا لیا اور اپنے مخصوص لہجہ میں بہت تیزی سے ایک ساتھ تین سوال کئے۔ کون ہو کہاں سے آئے ہو کیوں آئے ہو۔ مولانا کا لہجہ بوجہ غایت سادگی و بے ساختگی ذرا تیز ہوتا تھا۔ لطف و عنایت کی گفتگو میں بھی اکثر لہجہ کی یہی کیفیت ہوتی تھی۔ حضرت والا نے مولانا رح کے ان تینوں سوالوں کے جواب میں اُسی اختصار کے ساتھ نہایت ادب سے عرض کیا۔ میں ایک طالبعلم ہوں۔ کانپور سے آیا ہوں۔ زیارت کو حاضر ہوا ہوں۔ چونکہ مولانا کو وجہ تاخیر معلوم نہ تھی اور اُس وقت کھانے کے انتظام کرنے میں سخت دقت تھی اس لئے اپنے اُسی مخصوص لہجہ میں فرمایا یہ زیارت کا وقت ہے آدمی ذرا سویرے آئے تو دوسرا کچھ روٹی وغیرہ کا انتظام کرے۔ اب یہ بتلاؤ کہ تمھارے لئے کھانا کہاں سے لاؤں یہ غصہ بھی شفقت ہی پر مبنی تھا۔ اور گو حضرت والا کے پاس اس تاخیر کا نہایت معقول عذر تھا لیکن چونکہ حضرت والا ابتدا ہی سے سراپا ادب و تہذیب اور بزرگوں کے غایت درجہ معتقد ہیں لہذا اُس وقت کچھ عرض کرنا خلاف ادب و عقیدت سمجھے اور اپنے معقول عذر کو بھی لب پر لانا ناگوارا نہ فرمایا یہ واقعی

بہت بڑے ظرف کی بات ہے ورنہ آجکل کے طالبین تو اپنی تقصیرات کی جھوٹی جھوٹی تاویلیں کرکے اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے اوپر کوئی الزام ہی نہ آنے پائے اور زیادہ تر اسی تاویل فاسد پر حضرت والا کو آجکل کے طالبین پر غصہ آیا کرتا ہے اور ہمیشہ قلت ادب وعقیدت کی شکایت فرمایا کرتے ہیں۔

غرض حضرت والا چپ کھڑے تھے۔ پھر مولانا نے فرمایا تمہارے پاس کچھ پیسے ہیں عرض کیا جی ہاں ہیں فرمایا اچھا جاؤ اور بازار سے کچھ لیکر کھالو اور صبح چلے جاؤ۔ عرض کیا بہت اچھا اس ارشاد کے بعد اپنے خادم سے فرمایا کہ انھیں لیجاکر فلاں مکان میں ٹھہرادو۔ چنانچہ ٹھہرادئے گئے۔ حضرت والا سامان اُتارنے لگے اور یہی ارادہ تھا کہ بازار سے لیکر کچھ کھاپی لیں گے اور حسب الحکم صبح کو رخصت ہوجائینگے لیکن تھوڑی ہی دیر میں ایک خادم آیا اور اطلاع کی کہ مولانا نے یاد فرمایا ہے۔ حضرت والا نے دل میں کہا کہ کچھ اور یاد آیا ہوگا چلو بھائی چلیں سننے کو تو ہم آئے ہی ہیں چنانچہ اُس خادم کے ساتھ ہولئے اور جاکر سامنے کھڑے ہوگئے۔ فرمایا بیٹھ جاؤ لیکن لہجہ اب بھی ویسا ہی تیز تھا حالانکہ اُس وقت لطف وشفقت صراحۃً موجود تھی جیسا کہ بعد کے برتاؤ سے معلوم ہوگا۔ مولانا کا لہجہ کچھ طبعی طور پر تھا ہی ایسا۔ جس کی وجہ حضرت والا یہ فرمایا کرتے ہیں کہ طبیعت میں سادگی تھی تصنع اور تکلف نہ تھا۔ جب مولانا نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ تو حضرت والا غایت ادب سے بجائے تخت کے جو وہاں موجود تھا چٹائی پر بیٹھ گئے جو نیچے بچھی ہوئی تھی۔ فرمایا جی یہاں آجاؤ تخت پر بیٹھو۔ حضرت والا حسب ارشاد اُٹھکر تخت پر آبیٹھے۔ تکلف کی قیل وقال نہیں کی جیسا کہ آجکل معتقدین میں دستور ہوگیا ہے۔ پھر خادم سے فرمایا کہ ان کے لئے ہماری بیٹی کے یہاں سے کھانا لاؤ۔ چنانچہ خادم اُسی وقت جاکر کھانا لایا۔ ایک پیالہ میں سالن تھا غالباً ارہر کی دال تھی اور پیالہ ہی پر روٹیاں رکھی ہوئی تھیں جب خادم نے کھانا سامنے رکھا۔ مولانا نے دیکھ لیا۔ بہت خفا ہوئے کہ ارے بدتمیز کیا مہمان کیلئے یوں کھانا لایا کرتے ہیں۔ روٹی الگ طباق میں لاتا سالن علٰحدہ برتن میں لاتا۔ یہ کون سا طریقہ ہے کہ پیالہ پر روٹیاں رکھ کرے آیا۔ اُس نے بات بنائی کہ طباق ڈھونڈھا ملا نہیں۔ فرمایا ارے جھوٹ بولتا ہے طباق فلانے طاق میں رکھا نہیں ہے۔ مولانا کو کشف بہت ہوتا تھا یہ بھی غالباً کشف ہی سے فرمایا۔ خادم یہ سُنکر دوڑا اور طباق لے آیا۔ جب حضرت والا نے کھانا شروع کردیا تو پوچھا کیا کھانا ہے۔ عرض کیا حضرت ارہر کی دال ہے اور روٹی ہے۔ فرمایا سبحان اللہ یہ تو بڑی نعمت ہے تم تو لکھے پڑھے آدمی ہو۔ تم نے تو مولوی محمد یعقوب سے پڑھا ہے اھ۔ مولانا کو اس

امر کا کشف ہوا اور اس کے ساتھ ہی حضرت والا کی اہلیت کا بھی۔ کیونکہ عموماً مولانا کی عادت کسی کے ساتھ ایسی خصوصیت کا برتاؤ کرنے کی نہ تھی۔ بالخصوص حضرت والا جیسے نوعمر اور نووارد کے ساتھ پھر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا کہ بہت اچھے آدمی تھے۔ مولانا چونکہ کسی کی تعریف میں مبالغہ نہ فرمایا کرتے تھے اس لئے اتنا بھی فرمانا کہ بہت اچھے آدمی تھے بہت بڑی تعریف تھی اور اس سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قلبی بھی ثابت ہوا۔ غرض فرمایا کہ تم تو لکھے پڑھے آدمی ہو تم کو تو معلوم ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کیا حالت تھی ایک ایک چھوارہ کھا کر جہاد کرتے تھے اور دن دن بھر لڑتے تھے جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ بڑھا تو جوش میں آکر کھڑے ہوگئے عادت شریف یہی تھی کہ بزرگان دین کے تذکرہ کے وقت جوش میں آجایا کرتے تھے۔ غرض جوش میں آکر کھڑے ہوگئے اور پاس آکر حضرت والا کے کندھے پر اپنا دست مبارک رکھ لیا اور دیر تک حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تذکرہ فرماتے رہے۔ حضرت والا برابر کھانا نوش فرماتے رہے۔ نماز قصر کے متعلق بھی کچھ سوال و جواب ہوئے۔ اس واقعہ سے مولانا کا حضرت والا کے ساتھ خاص قلبی تعلق اور ادراک و اعتماد اہلیت والقا ملفوظات علمیہ ظاہر و باہر ہے۔

پھر فرمایا کہ بیر کھاؤ گے حضرت والا نے عرض کیا کہ جی ہاں حضرت کا تبرک ہے فرمایا جی تبرک و برگ کو تو چھوڑو یہ بتاؤ کہ بیر کھانے سے تمہارے پیٹ میں درد تو نہیں ہوجاتا۔ حضرت والا نے عرض کیا کہ حضرت نہیں درد تو نہیں ہوتا۔ پھر جا کر ایک بدھنا لائے جسمیں بڑے بڑے پیوندی بیر تھے اور اُس کو حضرت والا کے سامنے اُلٹ دیا اور فرمایا کھاؤ۔ پھر خوش طبعی کے طور پر فرمایا کہ کبھی تم اپنے دل میں کہتے کہ آپ ہی آپ کھالئے مہمان کی بات بھی نہ پوچھی۔ پھر فرمایا کہ کھانا کھا کر عشاء پڑھکر سو رہنا اب صبح کو ملاقات ہوگی۔ پھر مولانا تشریف لے گئے۔

مولانا جیسے مستغنی اور آزاد مزاج بزرگ کا اسقدر خصوصیت کا برتاؤ شاید ہی کسی اور نووارد مہمان کے ساتھ کبھی ہوا ہو کیونکہ مولانا تو بڑے بڑے امراء تک کو بھی منھ نہ لگاتے تھے۔ چنانچہ ایک ثقہ اور مقتدر رئیس کو حضرت والا ہی کے سامنے بہ جبر نکالدیا اور باوجود اصرار بسیار جمعہ کی نماز تک کے لئے بھی ٹھہرنے کی اجازت نہ مرحمت فرمائی۔ حضرت والا پر تو یہانتک عنایت بڑھی کہ صبح کو جب حضرت والا رخصت ہو کر واپس تشریف لانے لگے تو خلاف معمول حضرت والا کے ساتھ ساتھ مشایعت کے لئے جائے قیام تک تشریف لائے اور اپنے سامنے ٹٹو پر سامان لدوا کر رخصت

فرمایا۔ شروع میں جو غصہ فرمایا تھا وہ بھی غایت شفقت کی بنا ء پر تھا کہ ایسے ناوقت پہونچنے کی صورت میں کھانے کا کیا انتظام کیا جائے۔ حضرت والا نے رخصت کے وقت دعا کی درخواست کی تو فرمایا ہم نے تمھارے لئے دعا کی ہے۔ پھر حضرت والا نے کچھ پڑھنے کے لئے پوچھا تو فرمایا قل ھو اللہ شریف اور سبحان اللہ وبحمدہٖ روزانہ دو دو سو بار پڑھ لیا کرو۔ جب حضرت والا زیارت سے مشرف ہوکر کانپور واپس تشریف لائے تو کانپور والوں نے وطن نہ جانے دیا اور ایک نیا مدرسہ جامع العلوم کے نام سے قائم کرکے حضرت والا کو وہیں روک لیا جس کا مفصل ذکر باب درس و تدریس میں گذر چکا ہے۔

چند سال کے بعد حضرت والا دوبارہ حاضر خدمت ہوئے۔ اس درمیان میں مولانا کبھی کبھی آنے والوں کے ذریعہ سے سلام کہلا بھیجتے تھے۔ یہ نہایت ہی عجیب ہے کیونکہ مولانا تو ایسے آزاد مزاج تھے کہ کوئی چیز بھی اُنھیں یاد نہیں رہتی تھی یہاں تک کہ خود احقر مؤلف سوانح ہذا سے مولانا کے ایک ثقہ مرید بیان کرتے تھے کہ ایک صاحب جب مقدمہ کی دعا کراتے تو حضرت اُٹھکر نہایت غصہ کے ساتھ اُن کو مسجد سے باہر نکال آتے وہ پھر تھوڑی دیر بعد آجاتے مولانا بھول جاتے اور پھر لطف کے ساتھ باتیں فرمانے لگتے جب وہ پھر مقدمہ کا ذکر چھیڑتے تو پھر مسجد سے باہر نکال آتے وہ پھر تھوڑی دیر بعد آجاتے مولانا پھر بھول جاتے اور پھر اُسی لطف و عنایت کے ساتھ باتیں فرمانے لگتے۔ غرض اسی طرح کئی بار ہوا اور جہاں تک مجھے یاد ہے یہ واقعہ خود اُن راوی صاحب ہی کے سامنے ہوا تھا تو ایسے صاحب استغراق بزرگ کا حضرت والا کو تھوڑی سی دیر کی ملاقات ہی میں اتنا یاد رکھنا کہ سلام کہلا کہلا کر بھیجتے تھے بہت ہی بڑی خصوصیت اور غایت شفقت کی دلیل ہے حالانکہ وہ حضرت والا کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا۔ چونکہ مولانا بہت بڑے صاحب کشف بزرگ تھے اس لئے غالباً اپنی نظر کشفی سے حضرت والا کی شان عالی حالی و مآلی معلوم فرمالی تھی اور غالباً یہی مبنیٰ تھا اس عنایت خاص کا۔ دوسری بار کئی سال کے بعد جو پھر حضرت والا حاضر ہوئے تو اس بار چند ہمراہی بھی ساتھ تھے۔ نیز چونکہ رمضان شریف کا زمانہ تھا اور مدرسہ کی تعطیل تھی اس لئے کئی دن قیام بھی فرمایا تھا۔ ساتھیوں کو تو معلوم تھا کہ مولانا کو پینے کا تمباکو اور کپڑے دھونے کا صابن ہدیہ میں لانا زیادہ پسند ہوتا ہے کیونکہ مولانا حقہ بھی نوش فرماتے تھے اور کپڑے بھی اپنے گھر ہی دھلواتے تھے۔ اس لئے وہ لوگ تو تمباکو کشیدنی اور صابن ہدیہ میں لیگئے تھے لیکن چونکہ حضرت والا کو مولانا کی رغبت کا علم نہ تھا اس لئے خود اپنی رغبت کی چیز ہدیۃً لیگئے یعنی بنگالی پیڑے جو کانپور میں بہت خوبصورت خوش ذائقہ اور

خوشبودار بننے شروع ہوئے تھے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اوروں کے ہدیہ کو تو معمولی طور پر قبول فرمایا کوئی خاص اظہار مسرت نہیں فرمایا لیکن حضرت والا کے پیڑوں کو خلاف توقع بہت مسرت کے ساتھ قبول فرمایا جب پیش کئے گئے تو خوش ہو کر فرمایا کہ یہ تو ہمارے کام کی چیز ہے ہم تو انکا شربت پیا کرتے ہیں اور خادم سے فرمایا کہ انھیں اُٹھا کر حفاظت سے رکھو ہم ان کا شربت پیا کریں گے پھر از خود حضرت والا سے پوچھا کہ کیا تمھارے پاس کوئی دوا بھی ہے۔ حضرت والا کے پاس شربت انار کی بوتل تھی۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ افطار کے لئے ساتھ لے لی تھی۔ لیکن چونکہ حضرت والا اُس کو دوا ہی نہ سمجھتے تھے اس لئے عرض کیا کہ حضرت دوا تو میرے پاس کوئی نہیں ہے اسپر ساتھیوں نے حضرت والا سے چپکے سے کہا کہ شربت انار ساتھ میں ہے۔ تو حضرت والا نے مکرر عرض کیا کہ حضرت شربت انار تو البتہ ہے۔ فرمایا وہ تو تم اپنے افطار کے لئے لائے ہو۔ عرض کیا کہ حضرت لایا تو میں اسی نیت سے تھا لیکن اب جی چاہتا ہے کہ حضرت اُس کو بھی قبول فرمالیں۔ فرمایا بہت اچھا چنانچہ حضرت والا نے پیش کیا اور وہ بھی قبول فرمالیا گیا۔

حضرت والا کو بزرگوں کا ادب و احترام اسقدر ملحوظ خاطر تھا اور اُن کی خوشنودی مزاج کا اسقدر اہتمام تھا کہ دوسری زیارت کے موقع پر جب گنج مراد آباد کے قریب پہونچے تو سوچا کہ ہم لوگوں کے اعمال اچھے نہیں اور اکثر بزرگوں کو قلب کی تاریکی کا احساس ہوجاتا ہے۔ مولانا بھی شاید اسی سبب سے ڈانٹ ڈپٹ فرمایا کرتے ہوں لہذا اپنے قلب کو پاک وصاف کر کے حاضر خدمت ہونا چاہیئے۔ چنانچہ وضو کیا استغفار کی کثرت کی اور از راہ ادب سواری کو چھوڑ کر پیادہ تشریف لیچلے اور اسی حال میں حاضر خدمت ہوئے۔ ایک بوڑھے شخص بھی راستہ میں ملے وہ بھی زیارت کے لئے جا رہے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا گرمی کا زمانہ تھا۔ اور چونکہ رمضان شریف کا مہینہ تھا لہذا وہ روزہ سے تھے اور حضرت والا بھی مع اپنے ہمراہیوں کے روزے سے تھے پہلے وہ بوڑھے شخص پیش ہوئے اُن سے مولانا نے پوچھا کہ کیا روزہ سے ہو عرض کیا جی ہاں۔ اسپر بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ کس نے کہا تھا کہ سفر میں اور ایسے سخت موسم میں روزہ رکھو پھر فرمایا کہ ابھی چلے جاؤ حضرت والا کو بھی کھٹکا ہوا کہ ہم سے بھی یہی سوال ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پوچھا کہ کیا روزہ ہے حضرت والا نے باوجود قوی اندیشۂ خفگی کے جو سچی بات تھی وہی عرض کردی کہ جی حضرت روزہ تو ہے۔ یہ سنکر بجائے خفگی کے جس کا اندیشہ ہو رہا تھا خوش ہو کر فرمایا کہ ہاں بہت اچھا کیا جوان آدمی ہو تمھیں روزہ ہی رکھنا مناسب تھا۔ اس بار پہلے سے بھی بہت زیادہ شفقت کے ساتھ پیش آئے

اور اپنی خاص خاص راز کی باتیں بھی حضرت والا سے فرمادیں۔ مثلاً فرمایا کہ کہنے کی تو بات نہیں لیکن تم سے کہتا ہوں کہ جب سجدہ میں جاتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالےٰ نے پیار کر لیا۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ بھائی جنت کا مزہ برحق حوض کوثر کا مزہ برحق مگر نماز میں جو مزہ ہے کسی چیز میں نہیں یہ بھی، فرمایا کہ بھائی ہم تو قبر میں بس نماز پڑھا کریں گے دعا ہے کہ ہمیں تو اللہ میاں قبر میں یہ اجازت دیدیں کہ بس نماز پڑھے جاؤ اسی قسم کی خاص خاص باتیں فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص اندر چلا آیا۔ اسکو بہت ڈانٹا کہ بڑے بے تمیز ہو منہ اُٹھائے چلے آرہے ہو یہ نہیں دیکھتے کہ کوئی خاص بات تو نہیں کر رہا ہو۔ اس سے بھی حضرت والا کے ساتھ غایت خصوصیت کا اثبات ہوتا ہے ٹھہرنے کیلئے بھی دریافت فرمایا کہ کہاں ٹھہرو گے مسجد میں یا مکان میں کیونکہ مکان بھی موجود ہے۔ حضرت والا نے عرض کیا کہ حضرت جہاں آپکا قرب رہے وہیں ٹھہرنا چاہتا ہوں فرمایا تو مسجد میں ٹھہر جاؤ۔ چنانچہ حضرت والا مسجد میں ٹھہر گئے۔ افطار کے بعد اور سحری میں روزانہ پر تکلف کھانے کئی کئی قسم کے آتے جیسا کہ معزز مہمانوں کے لئے دستور ہے۔ یہ بہت بڑی عنایت تھی ورنہ مولانا کی وضع اور معاشرت بالکل سادہ اور آزادانہ تھی۔ وہاں تکلفات کی بھلا کہاں گنجائش۔ جب دو ایک دن بعد حضرت والا نے واپسی کی اجازت چاہی تو فرمایا ابھی جلدی ہی کیا ہے۔ مدرسہ کی تو تعطیل ہی ہے اور ٹھہرو۔ حضرت والا نے اس ارشاد کو بہت غنیمت سمجھا کیونکہ مولانا عموماً کسی کو ٹھہرنے ہی کب دیتے تھے۔ اس لئے اپنے ارادۂ واپسی کو ملتوی فرما دیا اور ٹھہر گئے۔ چونکہ ٹھہرنا ہی ہو گیا تھا لہٰذا حضرت والا نے حصن حصین پڑھنے کی درخواست چاہی مولانا نے بہت خوشی سے منظور فرمایا۔ درمیان میں کہیں کہیں کچھ تحقیق بھی فرماتے جاتے چنانچہ ایک جگہ شوقاً الیٰ لقائک آیا تو فرمایا اچھا بتاؤ شوق کا کیا ترجمہ ہے۔ حضرت والا نے بجائے خود ترجمہ کرنے کے غایت ادب سے عرض کیا کہ حضرت ہی ارشاد فرماویں فرمایا تڑپ، پڑھاتے وقت موقع بموقع ذوق و شوق میں نعرے بھی لگاتے جاتے تھے۔ کھانے برابر پر تکلف اور متعدد اقسام کے آتے رہے۔ جب حصن حصین ختم ہو گئی اور حضرت والا رخصت ہونے لگے تو حضرت والا نے عرض کیا کہ حضرت تبرکاً حدیث شریف کی بھی اجازت عطا فرما دیجئے۔ فرمایا ہاں جی ہاں اجازت ہے یہ بھی فرمایا کہ ابھی کبھی کبھی آیا کرو اور کچھ سنا جایا کرو لیکن پھر حضرت والا کو حاضری کا اتفاق ہی نہ ہوا جب حضرت والا نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں قیام کی غرض سے مکہ معظمہ تشریف لیجانے کا قصد فرمایا تو مولانا کو عریضہ لکھا کہ دعا فرمائیے کہ میں جس مقصود کے لئے جا رہا ہوں اللہ تعالیٰ مجھکو اُس میں کامیابی عطا فرمائے۔ مولانا نے اپنے قلم مبارک سے خط کے ایک گوشہ پر

حضرت محمدی شاہ صاحب ولایتی

یہ تحریر فرمادیا - از فضل رحمان سلامٌ علیکم دعائے خیر نمودم - ان سب واقعات و حالات سے بخوبی واضح ہے کہ حضرت والا پر مولانا رح کی خاص نظر توجہ و عنایت تھی -

واقعہ نمبر ۲

الہ آباد میں ایک بزرگ تھے حضرت محمدی شاہ صاحب ولایتی - ایک بار حضرت والا کے والد ماجد بہ سلسلہ مقدمات الہ آباد تشریف لے گئے چونکہ اُن کو بزرگوں سے ملنے کا بہت شوق تھا اس لئے شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اتفاق سے الہ آباد تشریف لاکر بخار میں مبتلا ہو گئے - حضرت والا اطلاع پانے پر کانپور سے الہ آباد بایں خیال تشریف لائے کہ کچھ خدمت و تیمارداری کروں گا - چونکہ حضرت والا سے والد ماجد صاحب کو محبت بے غایت تھی لہذا جب حضرت والا پہونچے تو اسقدر مسرور ہوئے کہ یا تو اٹھنا بھی دشوار تھا یا حضرت والا کو مارکیٹ یعنی سبزی منڈی دکھلانے کو لیگئے اور حضرت والا کو کھلانے کے لئے وہاں سے امرود خریدے جو الہ آباد کا ایک مشہور تحفہ ہے - پھر حضرت والا کے رہتے رہتے ہی بالکل اچھے ہو گئے اور اچھے ہونے کے بعد حضرت والا کو حضرت محمدی شاہ صاحب رح کی خدمت میں بھی لے گئے اور عرض کیا کہ یہ میرا بڑا لڑکا ہے اور دیوبند کا فارغ التحصیل ہے - اس نے فارسی میں ایک مثنوی لکھی ہے - شاہ صاحب نے حضرت والا سے مثنوی زیروبم کے کچھ اشعار سُنے جب سُن چکے تو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ قال کو حال کرے - شاہ صاحب مسائل اختلافیہ میں عملاً کسی قدر تسامح کرتے تھے لیکن چونکہ درویش تھے اس لئے احتیاط کرنے والوں سے بھی منازعت نہ کرتے تھے اُن کا مسلک صلح کُل تھا جیسا کہ بعض درویشوں کا ہوا کرتا ہے - چونکہ ان مسائل میں منازعت کرنے والوں کو اچھا نہ سمجھتے تھے اس لئے حضرت والا سے اعتراضاً پوچھا کہ مولوی اس آیت کا ترجمہ کرو لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ - حضرت والا نے فوراً فرمایا کہ فَلَا تُنَازِعْهُمْ نہیں فرمایا بلکہ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فرمایا یعنی اہل باطل کو چاہئے کہ اہل حق سے منازعت نہ کریں اہل حق کو ممانعت نہیں فرمائی کہ وہ بھی اہل باطل سے منازعت نہ کریں - اہل حق کو تو چاہئے کہ اہل باطل کی مخالفت کریں - یہ سنکر شاہ صاحب بجائے اس کے کہ ناخوش ہوں خوش ہوئے اور دعائیں دیں -

یہ واقعہ نقل فرماکر حضرت والا نے فرمایا کہ الحمدللہ میں اظہار حق میں کسی کے سامنے کبھی چُوکا تو ہوں نہیں لیکن کسی کے ساتھ بے ادبی بھی کبھی نہیں کی حضرت والا کو جب کسی سے مسائل مختلف فیہا

میں گفتگو کی نوبت آئی تو نہایت تہذیب کے ساتھ گفتگو فرمائی اور ایسے نرم عنوان سے اظہار حق فرمایا کہ مخاطب کی ذرا دل آزاری نہیں ہوئی اور اگر اُس میں ذرا بھی انصاف ہوا تو حق کو تسلیم ہی کرنا پڑا جیسا کہ واقعہ نمبر ۳ میں بھی یہی ہوا جو آگے آتا ہے۔

واقعہ نمبر ۳

حضرت حافظ سراج الیقین صاحب گرسوی رح

جناب مولانا صادق الیقین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت والا کے شاگرد اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور حضرت حاجی صاحب رح کے خلیفۂ مجاز تھے۔ اُن کے اور اُن کے والد صاحب حضرت حافظ سراج الیقین صاحب میں جو کرُسی کے ایک بہت خوش اوقات سجادہ نشین بزرگ تھے بوجہ اختلاف مشرب بہت کشیدگی ہوگئی تھی حتیٰ کہ قطع تعلق تک نوبت پہونچ گئی تھی لیکن حضرت والا نے ایسے لطیف اور نرم عنوان سے حافظ صاحب کو ان مسائل کے متعلق تحریر لکھ کر بھیجی (جو بنام مکتوب محبوب القلوب طبع بھی ہو چکی ہے) کہ اُن کی رائے بہت نرم ہوگئی اور بیٹے سے صلح ہوگئی۔ جس سے حضرت مولانا گنگوہی رح بھی بہت خوش ہوئے جیسا کہ ایک موقع پر خود بلواجہہ حضرت والا حضرت مولانا نے ایک صاحب سے فرمایا کہ ان کی بدولت صلح ہوئی اور حافظ صاحب کو باوجود اختلاف مشرب حضرت والا سے اسقدر حُسن ظن بڑھا کہ حضرت والا سے ایک مختصر گفتگو ہونے کے بعد قبر پر چادر چڑھانا ترک کردیا اور اپنے ایک ہم مشرب اور معتقد فیہ عالم سے اس مسئلہ پر سختی کے ساتھ اختلاف کیا اور حضرت والا کی جانب اشارہ کرکے فرمایا کہ موجود ہیں ہندوستان بھر میں جس عالم کا جی چاہے ان سے گفتگو کرلے میں ان کے برابر کسی کو عالم نہیں سمجھتا۔ حالانکہ اس گفتگو کو حضرت والا نے پسند نہیں فرمایا مگر وہ جوش محبت میں کہہ گئے اتنی پُرانی عادت کا دفعتاً ترک کردینا بڑی بات ہے اگرچہ کچھ عرصہ کے بعد ایک خواب کی بناء پر اُنھیں کچھ وہم ہوگیا اور پھر چادر چڑھانے لگے۔ ان حافظ صاحب کی زیارت کے لئے بھی حضرت والا بمعیت مولانا صادق الیقین صاحب کرسی تشریف لیگئے تھے۔

واقعہ نمبر ۴

حضرت شاہ عبداللطیف صاحب رح

اسی طرح باوجود اختلاف مشرب حضرت شاہ عبداللطیف صاحب رح سے ملنے کیلئے (جو ایک تارک الدنیا بزرگ تھے اور جو کانپور کی تشریف آوری میں حضرت والا سے بہت محبت سے

ملنے آیا کرتے تھے) سہتھن کا سفر فرمایا۔

واقعہ نمبر ۵

ایک عقد میں پیلی بھیت جانا ہوا تو وہاں کے مشہور بزرگ حضرت شاہ محمد شیر خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی اور یہ دعا چاہی کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اپنے دونوں ہاتھ تو رگڑو حضرت والا نے بلا تامل محض امتثالاً للامر بہ غایت عقیدت دونوں ہاتھ ملے۔ جب مل چکے تو پوچھا کہ کچھ گرمی بھی پیدا ہوئی عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا بس اسی طرح قلب کو رگڑے جاؤ انشاء اللہ تعالیٰ محبت کی گرمی پیدا ہو جائے گی۔

واقعہ نمبر ۶

حضرت حافظ عبد الرحمٰن صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ جو سائیں توکل شاہ صاحب کے خلیفہ تھے حضرت والا سے بہت محبت بلکہ اعتقاد رکھتے تھے یہاں تک کہ اپنی اہلیہ محترمہ کو حضرت والا ہی سے بیعت کرایا تھا اور احقر کی موجودگی میں ایک بار تھانہ بھون بھی حضرت والا سے ملنے تشریف لائے تھے۔

واقعہ نمبر ۷

حضرت مولانا شاہ ابو احمد صاحب مجددی بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ سے اول بار کانپور میں ملاقات ہوئی۔ پھر جب دوران سفر میں حضرت والا بھوپال تشریف لے گئے تو خود مکان پر ملنے گئے۔ اتفاق سے اُسوقت شاہ صاحب سو رہے تھے۔ حضرت والا انتظار میں بیٹھے رہے جب سو کر اُٹھے تو خادموں نے اطلاع کی۔ اُنپر بہت خفا ہوئے کہ مجھے جگا کیوں نہیں دیا حضرت والا نے فرمایا کہ کیا ہوا میں آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ فرمایا ان لوگوں کو تو چاہئے تھا کہ مجھے جگا دیتے غرض بہت لطف و محبت کے ساتھ ملے۔

واقعہ نمبر ۸

دیوبند میں ایک بزرگ تھے حضرت بہادر علی شاہ صاحب جو تھے تو بالکل اَن پڑھ

لیکن اس درجہ کے شخص تھے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اُن کی زیارت کو جایا کرتے اور کثرت سے جایا کرتے حضرت والا بھی اُنکی زیارت کے لئے حاضر ہوا کرتے اور وہ بہت محبت سے ملتے اور چاء پلاتے۔

واقعہ نمبر ۹

حضرت ملا شہاب الدین صاحب مجذوب ولایتی مقیم دیوبند ۱۲

بزمانۂ طالب علمی دیوبند میں دو مشہور مجذوب تھے ایک حضرت مُلّا شہاب الدین صاحب ولایتی اور دوسرے حضرت گھیسن شاہ صاحب۔ مُلّا صاحب بحیثیت صاحب خدمت ہونے کے ایک امر تکوینی کے متعلق ایک اہل باطل جماعت کے طرفدار تھے۔ لیکن جب حضرت والا مع دیگر طلبار کے اُن سے اُس جماعت کے لئے بد دعا کراتے تو بجائے غصہ ہونے کے لطف کے ساتھ فرماتے خدا خیر کند خدا خیر کند۔ مُلّا صاحب سے تو اکثر ملاقات ہوتی رہتی تھی کیونکہ وہ بہ اجازت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ چھتہ کی مسجد میں مقیم تھے جہاں مولانا خود بھی قیام فرماتے اور وہاں حضرت والا کی کثرت سے آمد و رفت رہتی تھی۔

واقعہ نمبر ۱۰

حضرت گھیسن شاہ صاحب مجذوب دیوبندی ۱۲

گھیسن شاہ صاحب جو بہت بوڑھے تھے یہاں تک کہ پلکیں اور بھویں بھی سفید ہو گئی تھیں اور نہایت شاندار سفید ڈاڑھی تھی۔ اکثر اُس مکان کے کوٹھے پر رہتے تھے جہاں طوائفیں رہتی تھیں اور کبھی کبھی ایک باغ میں بھی آجایا کرتے تھے۔ حضرت والا نے ایک بار سنا کہ اس وقت باغ میں ہیں تو اور طالب علموں کو لیکر پہونچے لیکن وہ واپس جا چکے تھے چونکہ اور طالب علم بھی ہمراہ تھے اس لئے حضرت والا کو جرأت ہوئی کہ یہاں نہیں ملے تو لاؤ طوائفوں والے مکان ہی چل کر مل آئیں کیونکہ بہت دن سے اس فکر میں تھے کہ اُن سے ملیں۔ وہاں بالاخانہ پر پہونچکر ملے اور مٹھائی پیش کر کے دعا کی درخواست کی۔ شاہ صاحب نے ایک بہت طویل عبارت زبان سے کہنی شروع کی جو کچھ سمجھ میں نہ آئی۔ البتہ صرف ہم قافیہ الفاظ قلم علم وغیرہ سمجھ میں آتے تھے حضرت والا مع اور طلباء کے کھڑے سنتے رہے جب وہ بہت دیر کے بعد خاموش ہوئے تو واپس چلے آئے اُن سے صرف ایک ہی بار ملاقات ہو سکی کیونکہ جہاں اُن کا زیادہ قیام رہتا تھا وہ ایسا مکان تھا جہاں آمد و رفت نامناسب تھی۔

واقعہ نمبر ۱۱

حضرت پیر احمد صاحب صاحبزادہ حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب پانی پتی

حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب مجذوب پانی پتی جن کی دعا سے حضرت والا پیدا ہوئے تھے اور جن کا حال عنوانِ ولادت میں مذکور ہو چکا ہے ایک بڑے مستند مجذوب تھے جو اُس زمانہ کے مشائخ کے نزدیک بھی مسلم تھے اور حضرت حاجی صاحب رح بھی ان کی مدح فرمایا کرتے تھے - اُن کے ایک صاحبزادے تھے حضرت پیر احمد صاحب رح وہ بڑے صاحب کشف اور صاحب حال وقال بزرگ تھے اور تھانہ بھون میں اپنے معتقدین کے یہاں اکثر تشریف لاتے رہتے تھے - حضرت والا سے بہت محبت فرماتے اور جب تھانہ بھون تشریف لاتے تو حضرت والا سے اہتمام کرکے ملتے اور اگر اطلاع مل جاتی تو حضرت والا بھی اہتمام کرکے ملتے چنانچہ ایک بار اِدھر تو حضرت والا ملنے چلے اور اُدھر وہ بھی چلے تھوڑی دور چل کر اُنھیں کشف ہو گیا اور یہ فرما کر واپس لوٹ گئے کہ اب تو وہ خود ہی آ رہے ہیں -

واقعہ نمبر ۱۲

حضرت خلیل پاشا کا اہتمام کرنا

مکہ معظمہ میں ایک مشہور بزرگ تھے حضرت خلیل پاشا اُن کی خدمت میں اکثر علماء جو حج کو آتے تھے حاضر ہوتے تھے لیکن حضرت والا حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز کی موجودگی میں کسی دوسرے شیخ کے پاس جانے کو خلاف وحدتِ مطلب سمجھتے تھے لہذا حاضر نہ ہوئے - ایک رات خواب میں دیکھا کہ کوئی صاحب فرما رہے ہیں کہ تم خلیل پاشا سے نہیں ملے - حضرت والا نے جواب دیا کہ اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کی ایسی مثال ہے - جیسے لوگ حج کو آتے ہیں تو مقصود خانہ کعبہ ہوتا ہے جس کے مختلف طرق ہیں کوئی بمبئی ہو کر آتا ہے کوئی کراچی ہو کر - اسی طرح اس طریق میں مقصود حق تعالیٰ ہیں اور شیوخ طرق ہیں - جب ہم نے حضرت حاجی صاحب کو اپنا شیخ طریقت تجویز کر لیا تو پھر دوسرے شیخ کے پاس جانے کی کوئی ضرورت نہیں - مقصود کے حصول کے لئے وہی کافی ہیں اس جواب کو سن کر وہ خاموش ہو گئے - اس خواب کو حضرت والا نے حضرت حاجی صاحب رح سے عرض کیا - حضرت حاجی صاحب رح نے فرمایا کیا مضائقہ ہے زیارت کر آؤ - بزرگ آدمی ہیں - چنانچہ حضرت والا حاضر ہوئے - فرمایا کہ میں اُردو نہیں جانتا عربی فارسی اور ترکی جانتا ہوں ان میں سے جس زبان میں چاہو گفتگو کروں - حضرت والا نے فرمایا کہ ترکی تو میں بالکل نہیں جانتا البتہ عربی و فارسی جانتا ہوں - اور عربی

سمجھ تو لیتا ہوں لیکن اُس میں بے تکلف گفتگو نہیں کر سکتا - فارسی میں گفتگو بھی کر لیتا ہوں اور سمجھ بھی لیتا ہوں - چنانچہ فارسی میں گفتگو کرتے رہے - دوران گفتگو میں ہندی علماء کی بہت تعریف فرمائی کہ اُن میں طمع دنیا نہیں ہوتی اور متقی ہوتے ہیں - حضرت والا نے پوچھا کہ کن کن ہندی علماء سے ملنے کا اتفاق ہوا - فرمایا مولانا رشید احمد صاحب اور مولانا محمد قاسم صاحب سے - حضرت والا نے دل میں کہا کہ پھر بھلا کیوں نہ تعریف کریں گے -

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ قرینۂ مقام سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بزرگ خود حضرت والا کی ملاقات سے بھی متاثر ہوئے تھے جبھی ہندی علماء کی تعریف کی طرف ذہن منتقل ہوا -

واقعہ نمبر ۱۳

حضرت صوفی شاہ سلیمان صاحب لاجپوری رح

سفر راندیر میں حضرت صوفی شاہ سلیمان صاحب لاجپوری رح نے کئی بار حضرت والا سے مختلف مقامات پر کبھی تشریف لا کر کبھی اتفاقاً ملاقات کی - وہ اُن اطراف میں ایک مشہور صاحب سلسلہ بزرگ تھے اور بہت زیادہ عمر تھی - ایک سورتی صاحب کے قول کے مطابق سو برس کے قریب عمر تھی حضرت والا کے ساتھ بہت محبت سے پیش آئے - بلکہ ایک مقام پر غالباً سورت میں حضرت والا کو دور تک سواری میں پہونچانے بھی تشریف لائے -

ایک سورتی صاحب اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت والا راندیر سے سورت تشریف لیجا رہے تھے اور صوفی صاحب سورت سے راندیر تشریف لا رہے تھے راستہ میں ایک پُل پر اپنی گاڑی سے اُتر کر حضرت والا سے ملے - حضرت والا موٹر میں تھے - ملنے کے بعد صوفی صاحب راندیر پہونچکر ایک مسجد میں بیٹھے بہت دیر تک روتے رہے - ایک صاحب نے سبب پوچھا تو حضرت والا کا نام لیکر فرمایا کہ نہ جانے آنکھوں سے کیا کر گئے - حضرت والا نے یہ واقعہ سُنکر فرمایا کہ یہ اُن کی غایت محبت و تواضع تھی کہ اتنے بڑے اور ذی وجاہت بزرگ ہو کر بھی اپنے معتقدین میں ایسی بات بے تامل فرمائی -

واقعہ نمبر ۱۴

حضرت قاری عبدالرحمن صاحب رح

جب حضرت والا کانپور میں قیام فرما تھے تو حضرت قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی رح اُدھر سے گذرے - حضرت والا خبر آمد سنکر اسٹیشن پر تشریف لیگئے اور قاری صاحب کو حضرت شاہ ولی اللہ

صاحب رح کی چہل حدیث سنا کر سند حاصل کی اور اس طرح علاوہ زیارت کے فخر تلمذ بھی حاصل کیا۔

واقعہ نمبر ۱۵

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ خاص حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم ندوہ کو حضرت والا سے بہت محبت اور خصوصیت کا تعلق تھا۔ جس زمانہ میں حضرت والا کا کانپور میں قیام تھا مولانا بھی وہیں مقیم تھے۔ پہلے مولانا رح نے ایک مدّت دراز تک کانپور قیام فرمایا بعد کو مونگیر میں جا کر مستقل طور پر قیام پذیر ہو گئے اور وہاں ایک خانقاہ رحمانی بھی قائم فرمائی۔

واقعہ نمبر ۱۶

حضرت والا غایت بے تعصبی کی بناء پر محدث سمجھکر جناب مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی جو اہل حدیث کے بہت سر برآوردہ علماء میں سے تھے دو بار ملے۔ ایک بار تو طالب علمی کے زمانہ میں بمقام دہلی ملے۔ بوقت ملاقات حضرت والا سے پوچھا کہ آپ کس غرض سے تشریف لائے ہیں حضرت والا نے فرمایا کہ آپ سے ملنے کی غرض سے آیا ہوں مدرسہ دیوبند میں پڑھتا ہوں۔ اسپر مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ کہاں ٹھہرے ہیں حضرت والا نے فرمایا کہ اپنے ایک عزیز کے یہاں ٹھہر گیا ہوں غایت عنایت سے فرمایا کہ مجھے آپ سے شکایت ہے۔ آپ ملنے تو آئے مجھسے اور ٹھہرے دوسری جگہ۔

اُس زمانہ میں ایک غیر مقلد طالبعلم مدرسۂ دیوبند میں پڑھتا تھا۔ اُس نے حضرت امام محمد رح کی شان میں کچھ گستاخانہ کلمات استعمال کئے تھے اُسپر اور طالب علموں نے اُسے پیٹ دیا تھا اس واقعہ کی شکایت بھی کی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ آپ نے واقعہ تو سُنا لیکن اُس کا سبب بھی آپ کو معلوم ہے۔ اُنھوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اُس نے حضرت امام محمد رح کی شان میں گستاخانہ کلمات استعمال کئے تھے۔ اسپر طلباء کو غصہ آگیا۔ یہ سُنکر مولوی صاحب نے فرمایا کہ واقعی یہ اُس کی بڑی بیجا حرکت تھی۔

پھر ایک بار حضرت والا سفر میں بمقام آرہ مقیم تھے کہ اتفاق سے مولوی نذیر حسین صاحب بھی وہاں تشریف لے آئے حضرت والا اُن کے قیام گاہ پر ملنے تشریف لیگئے اُس وقت ایک غالی غیر مقلد مولوی صاحب

نے جو انکے پاس بیٹھے تھے دوران گفتگو میں حضرت ابن ہمام رح کی کچھ تنقیص کی۔ مولوی صاحب نے اُن کو ڈانٹا کہ یہ بڑے لوگ تھے ہمارا منہ نہیں کہ ہم اُن کی شان میں کچھ کہہ سکیں حضرت والا نے یہ واقعات نقل کر کے فرمایا کہ مولوی صاحب کے اِن اقوال سے غیر مقلدین کو سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

اس جگہ حضرت والا کا ایک طالبعلمی کے زمانہ کا خواب یاد آگیا۔ یہ دیکھا کہ مولوی نذیر حسین صاحب کی دہلیز میں کچھ طلباء جمع ہیں اور چھاچھ تقسیم ہو رہی ہے گو حضرت والا کو چھاچھ سے طبعاً بیحد رغبت ہے لیکن خواب میں اُس چھاچھ کے لینے سے انکار کر دیا جو وہاں تقسیم ہو رہی تھی۔ حضرت والا کے ذہن میں اس خواب کی تعبیر فوراً یہ آئی کہ اس جماعت کا طریق دین کی محض صورت ہے جس میں معنی نہیں جیسے چھاچھ گو صورۃً دودھ کے مشابہ ہوتی ہے لیکن اُس میں روغن نہیں ہوتا۔ دین کی اور علم دین کی صورت مثالی دودھ ہے جس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے اور یہاں دودھ کے بجائے چھاچھ تقسیم ہوتی ہوئی دیکھی گئی جو دودھ کے مشابہ تو ہوتی ہے لیکن دودھ میں جو اصل چیز ہے یعنی روغن وہ اُس میں نہیں ہوتا۔ اہل حدیث کے متعلق حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اگر بدگمانی اور بدزبانی نہ کریں تو خیر یہ بھی سلف کا ایک طریق ہے گو خلف کا قیاس سلف پر اس باب میں مع الفارق ہے یہ بھی فرمایا کہ مجھ سے متعدد غیر مقلد بیعت بھی ہیں۔ میں اس میں سخت نہیں ہوں اُنھیں بھی بیعت کر لیتا ہوں بشرطیکہ تقلید کو جائز سمجھتے ہوں گو واجب نہ سمجھتے ہوں۔ مگر معصیت بھی نہ سمجھتے ہوں۔ لیکن جس کو دل ملنا کہتے ہیں وہ باوجود قلب کو متوجہ کرنے کے بھی نہیں ہوتا۔ اُن کی نیکی میں شک نہیں۔ لیکن نیکی بدرجۂ محبوبیت نہیں۔ کیونکہ ان حضرات میں عموماً ادب کی کمی ہوتی ہے۔ بیباک ہوتے ہیں اور تقویٰ کا اہتمام بھی بہت کم کرتے ہیں جس سے ایک گونہ انقباض ہوتا ہے۔

واقعہ نمبر ۱۷

حضرت حافظ تفضل حسین صاحب رح ساکن گھرہ ضلع مظفرنگر سے جو راس الاتقیاء حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رح سے بیعت تھے اور اُس نواح میں بہت مشہور تھے حضرت والا کو کئی بار ملنے کا اتفاق ہوا فرماتے ہیں کہ بہت اچھے بزرگ تھے اور بہت سیدھی سچی اور اچھی باتیں فرمایا کرتے تھے اور مجھ سے بہت محبت فرماتے تھے۔

واقعہ نمبر ۱۸

حضرت حافظ احمد حسین صاحب شاہجہاں پوری رح جو باوجود شاہجہاں پور کے بڑے رئیس

حضرت حافظ تفضل حسین صاحب گنگوہی رح　حضرت حافظ احمد حسین صاحب رح

ہونے کے صاحب سلسلہ بزرگ بھی تھے۔ حضرت والا سے بہت محبت فرماتے تھے۔ ایک بار کسی کے لئے بددعا کی تو وہ شخص دفعۃً مر گیا بجائے اسکے کہ اپنی اس کرامت سے خوش ہوتے ڈرے اور بذریعہ تحریر حضرت والا سے مسئلہ پوچھا کہ مجھے قتل کا گناہ تو نہیں ہوا حضرت والا نے نہایت مفصل جواب دیا جس سے اُنکی پوری تشفی ہوگئی۔

خلاصہ جواب کا یہ تھا کہ اگر آپ میں قوت تصرف ہے اور بددعا کرنے کے وقت آپ نے اُس قوت سے کام لیا تھا یعنی یہ خیال قصد اور قوت کے ساتھ کیا تھا کہ یہ شخص مرجائے تب تو قتل کا گناہ ہوا اور چونکہ یہ قتل شبہ عمد ہے اس لئے دیت اور کفارہ واجب ہوگا اور اگر ایسا نہیں تو قتل کا گناہ تو نہیں ہوا لیکن اس صورت میں یہ دیکھا جائیگا کہ کس بات پر بددعا کی تھی اور کیا بددعا کی تھی اور آیا وہ بات اس درجہ کی تھی کہ اس قسم کی بددعا کا آپ کو شرعاً حق حاصل تھا اگر وہ دعا بحق تھی تو بددعا کا بھی گناہ نہیں ہوا اور نہ بددعا کا گناہ ہوا۔ غرض نہایت مفصل جواب تحریر فرمایا تھا جس میں تمام جزئیات سے تعرض کیا گیا تھا اور ہر جزئی کا جداحکم لکھا تھا۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اس قسم کا سوال بس عمر بھر میں ایک اُنھیں نے کیا تھا جس سے اُن کا غایت درجہ کا اہتمام تقویٰ ثابت ہوتا ہے۔ یہ بزرگ بعض فرعی اجتہادی مسائل سماع وغیرہ میں مختلف المشرب تھے۔

حضرت والا چونکہ بفضلہ تعالیٰ اعلیٰ درجہ کے محقق ہیں اس لئے فرعی اختلافات کو شرعی حدود کے اندر رکھتے ہیں۔ فرمایا کرتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے میرے قلب میں کسی بزرگ کی طرف سے محض فرعی اختلافات کی بناء پر بدعقیدگی نہیں پیدا ہوتی۔ بشرطیکہ اُن میں بزرگی کے آثار غالب ہوں اللہ اللہ کرنے والوں سے حسن ظن ہی رکھتا ہوں گو وہ حضرات بعض غلطیوں میں بھی مبتلا ہوں لیکن یہ ضرور نہیں کہ اُن کے اقوال و افعال کو شریعت پر منطبق کیا جائے بلکہ مغلوب الحال بزرگوں کے اقوال و افعال کی یہ تاویل کرلیتا ہوں کہ بوجہ مغلوبیت معذور ہیں یا جو اجتہادی امور ہیں اُن میں اجتہادی اختلاف کی گنجایش سوء ظن سے مانع ہوجاتی ہے۔ چنانچہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ بھی باوجود نقشبندی ہونے کے بہ غایت رعایت مسالک دیگر ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں "علاوہ آنکہ انچہ بدعت در بعضے اعمال آنہا (یعنی صوفیہ ۱۲) راہ یافتہ بنابر خطائے اجتہادی است و مجتہد مخطی معذور ست و یک درجہ ثواب دارد و مجتہد مصیب دو درجہ ثواب دارد و اگر چنیں نباشد عافیت بر فقہا، بلکہ بر تمام عالم تنگ میشود"

اس موقع پر حضرت والا کا ایک قول یاد آیا۔ فرمایا کرتے ہیں کہ محقق اپنے عمل کے لئے تو سخت ہوتا ہے لیکن دوسروں کے لئے نرم۔ بس بالکل یہی شان حضرت والا کی ہے جو رات دن مشاہد ہے۔

واقعہ نمبر ۱۹

حضرت شاہ احسان الحق صاحب کانپوری صاحبزادہ حضرت رسول نما صاحبؒ

کانپور میں ایک بہت مشہور اور مستند بزرگ گذرے ہیں۔ حضرت شاہ غلام رسول صاحبؒ جن کا لقب رسول نما تھا کیونکہ وہ اپنے تصرف سے حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت کرادیا کرتے تھے اُن کے صاحبزادے حضرت شاہ احسان الحق صاحبؒ اُس زمانہ میں بمقام کانپور مقیم تھے جس زمانہ میں حضرت والا وہاں تشریف فرما تھے وہ بھی ایک بابرکت صاحب سلسلہ بزرگ تھے۔ چنانچہ حضرت والا نے حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا کہ اُن سے ایک بار اُن کے پیرو مرشد حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحؒ نے فرمایا کہ شاہ احسان الحق کے قلب میں برکت ہے اُن سے کبھی کبھی ملتے رہنا حضرت والا بھی کبھی کبھی اُنکی خدمت میں تشریف لیجایا کرتے تھے اور وہ بہت لطف و عنایت کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔

واقعہ نمبر ۲۰

حضرت عبدالوہاب بغدادی مکیؒ

علاوہ حضرت خلیل پاشا صاحب مہاجر مکیؒ کے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے مکہ معظمہ میں حضرت والا نے ایک اور بزرگ کی بھی زیارت کی ہے جن کا اسم شریف عبدالوہاب بغدادی تھا۔ وہ بہ تصدیق حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز بڑے صاحب کشف تھے۔ ایکبار اپنا ایک کشف حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز کی مجلس شریف میں بیان فرمایا کہ میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ اس وقت مالکی مصلیٰ پر حضرت امام مہدی علیہ السلام نماز تہجد پڑھ رہے ہیں چنانچہ میں نے وہاں جاکر دیکھا تو واقعی حضرت امام وہاں نماز پڑھ رہے تھے پھر میں نے اُن سے بیعت کی الخ۔ جب بغدادی صاحب یہ بیان کرکے مجلس سے چلے گئے تو حضرت حاجی صاحبؒ نے حاضرین سے فرمایا کہ یہ بڑے صاحب کشف ہیں۔ یہ سُنکر حضرت والا اُٹھے اور جاکر راستہ میں اُن سے مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت آپ مجھے حضرت امام کی طرف سے بیعت فرمالیں کیونکہ نہ معلوم ظہور کے وقت میں زندہ رہوں یا نہ رہوں اور اس دولت سے محروم رہوں چنانچہ اُنھوں نے بیعت کرلیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یا تو اُنکو کشف میں غلطی ہوئی یا جن بزرگ کو وہ امام سمجھ کر بیعت ہوئے تھے خود اُن بزرگ نے اپنے کو غلطی سے امام سمجھ لیا ہو چنانچہ بعض بزرگوں کو

یہ دھوکا ہو گیا ہے۔ میں نے خود ایسے لوگ دیکھے ہیں جو بہت نیک اور دیندار تھے لیکن اس دھوکہ میں تھے کہ ہم مہدی ہیں۔ میرٹھ میں ایک نیک شخص تھے اُن کو بھی یہی خبط تھا کہتے تھے کہ تمام چڑیاں مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ تم مہدی ہو میں کیونکر یقین نہ کروں۔

واقعہ نمبر ۲۱

حضرت مولانا شاہ ابوالحسن صاحب سابق مہتمم جامع مسجد سہارنپور رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے سابق پیر کے تعلق سے شاہ صاحب کے پیر بھائی تھے یعنی آپکو حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سرساوی رحمۃ اللہ علیہ سے جو حضرت شاہ آخون صاحب ولایتی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے شرف بیعت و اجازت حاصل تھا۔ آپ بہت ہی خلوت پسند اور یکسو رہنے والے مقدس بزرگ تھے صرف تھوڑی دیر کیلئے گھر سے مسجد میں روزانہ تشریف لاتے تھے اور اہتمام مسجد کے متعلق کچھ حساب کتاب دیکھ بھال کر پھر مکان تشریف لیجاتے تھے۔ آپ علاوہ درویش کامل ہونیکے عالم بھی تھے اور علاوہ جامع مسجد کی خدمتِ اہتمام کے وہیں جمعہ کے دن گاہ گاہ وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔ اُس زمانہ میں جبکہ حضرت والا کے چھوٹے بھائی منشی اکبر علی صاحب مرحوم و مغفور سہارنپور میں ملازم تھے جب کبھی حضرت والا سہارنپور تشریف لیجاتے تو شاہ صاحب ممدوح کی خدمت میں بھی خاص طور سے ملنے جاتے اور شاہ صاحب نہایت توجہ و لطف و عنایت اور محبت و خصوصیت و اکرام سے حضرت والا کے ساتھ پیش آتے اور دیر دیر تک باتیں فرماتے رہتے اور دنیوی باتیں نہیں بلکہ برابر بزرگوں کے تذکرے اور طریق کے مسائل ہی بہت ذوق و شوق سے بیان فرماتے رہتے۔

حضرت مولانا شاہ ابوالحسن صاحب سابق مہتمم جامع مسجد سہارنپور رحمۃ اللہ علیہ

واقعہ نمبر ۲۲

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے سابق پیر جو آخون صاحب ولایتی کے خلیفہ اور حضرت شاہ صاحب کے ہمنام تھے حضرت والا سے بہت محبت فرماتے تھے جب حضرت والا نے سہارنپور میں زیارت کی اور دعا کیلئے عرض کیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بدن کو امیر رکھے اور دل کو فقیر چنانچہ بفضلہ تعالیٰ ایسا ہی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ حضرت والا کو اسی طرح بدن کا امیر اور دل کا فقیر ہی رکھے۔ آمین ثم آمین۔

واقعہ نمبر ۲۳

سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا بھی دوران سفر میں معیت حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اتفاق ہوا اور دعائیں

حاصل کیں بعض خاص باتیں بھی شاہ صاحب سے سُنی تھیں جن کو حضرت والا نقل فرمایا کرتے ہیں مثلاً شاہ صاحب نے قسم کھا کر فرمایا کہ ذکر کے وقت میرا منہ بس بالکل ایسا ہی میٹھا ہو جاتا ہے جیسے مٹھائی کھانے سے ہو جایا کرتا ہے۔

واقعہ نمبر ۲۴ و ۲۵ و ۲۶

حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری رح
حضرت مولانا تاج محمود صاحب امروٹی رح
حضرت پیر جھنڈا صاحب رح

حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری جو بقید حیات ہیں اور حضرت مولانا تاج محمود صاحب امروٹی اور حضرت پیر جھنڈا صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ جو سندھ کے مشہور مشائخ ہیں ان سب حضرات سے بھی حضرت والا کو ایک سندھی مولوی صاحب نے بسلسلۂ سفر ملایا تھا۔ سب حضرات نے حضرت والا کی بہت تعظیم و تکریم فرمائی۔ مولانا غلام محمد صاحب اور بالخصوص مولانا تاج محمود صاحب سفر میں ہمراہ بھی رہے۔ پیر جھنڈا صاحب نے ایک قیمتی خرقہ بھی عطا فرمایا تھا اور اپنے مریدین کو وصیت فرما گئے ہیں کہ جس بات کے پوچھنے کی ضرورت ہو یا تم لوگوں کے درمیان کسی امر میں اختلاف ہو تو مولانا سے (یعنی حضرت والا) سے رجوع کرنا۔ مولانا تاج محمود صاحب رح کی رائے مولانا کے ایک مرید کے خط موصولہ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ حضرت والا کو لکھتے ہیں کہ چونکہ احقر کی بیعت حضرت مولانا تاج محمود صاحب امروٹی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ اُن بزرگ کے یہ الفاظ کہ "حضرت مولانا اشرف علی صاحب چونکہ اہل حق ہیں اُن کی محبت حق تعالیٰ جل شانہٗ کی محبت ہے" احقر کے گوش میں اب تک اسی طرح ہیں جس طرح سننے کے وقت تھے اور چونکہ حضور والا حکیم الامت ہیں اس لئے وسیلہ جانکر مستدعی ہوں کہ الخ راقم غلام حسین ہیڈ ماسٹر اسکول جاکیان شہزاد کوٹ ضلع لاڑکانہ ملک سندھ۔

واقعہ نمبر ۲۷

جناب مولانا محمد عادل صاحب کانپوری رح

جناب مولانا محمد عادل صاحب کانپوری رح بھی باوجود بعض فرعی اجتہادی مسائل میں قدرے اختلاف رکھنے کے حضرت والا کے ساتھ بہت لحاظ اور محبت فرماتے تھے۔

واقعات نمبر ۲۸ و ۲۹ و ۳۰

حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رح

لکھنؤ کے مشہور بزرگوں کی بھی حضرت والا نے زیارت کی مثلاً حضرت مولانا عبدالحی صاحب

فرنگی محلی و حضرت مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی و حضرت مولانا عین القضاۃ صاحب رحمہم اللہ اور ان سب حضرات نے حضرت والا کے ساتھ بہت خصوصیت کا برتاؤ فرمایا۔

آخر الذکر بزرگ کی رائے بعض فرعی اجتہادی مسائل میں بعد کو کچھ مختلف ہو گئی تھی۔ ان سب واقعات سے حضرت والا کی کمال بے تعصبی اور بزرگان دین کے ساتھ کمال عقیدت ظاہر ہے اختلافیات میں تو حضرت والا کا مذاق باوجود احتیاط فی المسلک کے اسقدر وسیع اور حسن ظن کو لئے ہوئے ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی بھی جن کی سخت ترین مخالفت اہل حق سے عموماً اور حضرت والا سے خصوصاً شہرۂ آفاق ہے اُن کے بھی بُرا بھلا کہنے والوں کے جواب میں دیر دیر تک حمایت فرمایا کرتے ہیں اور شدومد کے ساتھ رد فرمایا کرتے ہیں کہ ممکن ہے اُن کی مخالفت کا سبب واقعی حُبِ رسول ہی ہوا اور وہ غلط فہمی سے ہم لوگوں کو نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخ ہی سمجھتے ہوں۔ کیا ٹھکانا ہے اس رواداری اور حسن ظن اور اہتمام حفظ حدود کا۔ بالخصوص ایک شخص کے انتقال کے بعد کیونکہ خاتمہ کی کس کو خبر ہے کہ کیسا ہوا ہو

حضرت والا سر سید احمد خاں مرحوم کے متعلق بھی فرمایا کرتے ہیں کہ ع عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو۔ سر سید کو مسلمانوں کے دُنیوی فلاح کی بہت ہی دُھن تھی اور اس معاملہ میں بڑی دلسوزی تھی کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی صفت پر فضل فرما دیں۔ اور اکثر مرحوم کی اس صفت کے متعلق نیز بعض اکابر کے ساتھ مرحوم کے حُسن عقیدت کے واقعات نقل فرمایا کرتے ہیں۔ اور فرمایا کرتے ہیں کہ سر سید کا عقیدہ توحید اور رسالت کے متعلق جس درجہ کا بھی تھا وہ نہایت پختہ اور بلا وسوسہ تھا جیسا کہ اُن کی تصانیف سے مجھ کو اندازہ ہوا۔ اور قرآن و حدیث میں اُنھوں نے جو جو تاویلات و توجیہات کی ہیں اُنکا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کا اسلام پر کوئی اعتراض وارد نہ ہو سکے گو اس کا جو طرز اُنھوں نے اختیار کیا وہ غلط تھا۔ اسی لئے میں اُن کو نادان دوست کہا کرتا ہوں اھ

حضرت والا بڑے بڑے فاسقوں اور فاجروں کے بھی ایسے ایسے واقعات جن سے اُن کا عاشق دین ہونا ثابت ہوتا ہے بیان فرما فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ بھلا ایسی حالت میں کس کو بُرا سمجھا جائے۔ اور اسی سلسلہ میں فرمایا کرتے ہیں کہ بعضے فاسقوں میں کوئی ایسی بات ہوتی ہو کہ بڑے بڑے مشائخ میں نہیں ہوتی لہذا کسی کو حقیر نہ سمجھنا چاہیئے۔ حضرت والا میں عبدیت اور فنا اور اپنے ہیچ ہونے کا ہر وقت استحضار اس درجہ ہے کہ بات بات سے یہی صفات مترشح ہوتی ہیں اور نظر غور سے دیکھنے والے حضرت والا میں ان صفات کا ہر وقت مشاہدہ کرتے رہتے

ہیں۔ یہ سارے حسن ظن کے واقعات بھی جو اوپر مذکور ہوئے انھیں صفات سے ناشی ہیں۔ نیز احکام شرعیہ بھی ایسے ہی حسن ظن کو مقتضی ہیں۔ چونکہ حضرت والا بعون اللہ تعالے ہر حکم شرعی کی حقیقت اور حدود کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اسلئے تنگ نظر نہیں اور محقق کی یہی شان ہوتی ہے وہ ہر شے کو اس کے مرتبہ پر رکھتا ہے اور یہی اعتدال صراط مستقیم ہے جس کو اس زمانہ افراط و تفریط میں جبکہ عموماً لوگوں کا مسلک تجاوز عن الحدود ہو رہا ہے اللہ تعالٰے نے بواسطہ حضرت والا امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ پر روز روشن کی طرح واضح فرما کر اپنی حجت تمام فرما دی ہے۔ اللہ تعالٰے توفیق استفاضہ عطا فرمائے۔ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ خود بارہا فرمایا کرتے ہیں کہ میری ہر وقت یہ کوشش رہتی ہے کہ لوگوں کو امر دین کی حقیقت معلوم ہو بس اسی کو لوگ سختی سمجھتے ہیں۔

یہاں تک تو دیگر سلسلوں کے بزرگوں کی زیارات اور اُن حضرات کی توجہات و عنایات کا ذکر تھا اب اپنے سلسلۂ امدادیہ نوریہ کے بعض اکابر کی بعض عنایات و توجہات و بشارات و دعوات اور مدحیہ کلمات نقل کر کے اس مضمون کو انشاء اللہ تعالیٰ ختم کر دیا جائے گا۔ ان حضرات میں سے ہر بزرگ کے واقعات عنایت کو بھی بہ عنوان واقعات درج ذیل کیا جاتا ہے اور فرق کے لئے اُنپر جداگانہ نمبر ڈالے جاتے ہیں۔ اپنے سلسلہ کے بزرگوں میں سب سے زیادہ اُس بزرگ ترین ذات گرامی کی توجہات و عنایات بے غایات کا ذکر مستحق تقدیم ہے جس کی بدولت آج حضرت والا بفضلہ تعالےٰ اس مرتبۂ عالیہ پر متمکن ہیں اور اُسی ذات قدسی آیات کے از سر تا پا گویا ساختہ و پرداختہ اور اس شعر کے بیساختہ مصداق ہیں ؎

زِ فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

اور وہی مقدس ہستی سرچشمہ ہے حضرت والا کے جمیع انہارِ فیوض و برکات کا جن سے آج اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ بہ عنایت الٰہیہ شرقاً و غرباً متمتع و منتفع ہو رہی ہے۔ اور جن کے مآر طاہر و مطہر سے دنیائے اسلام کا ایک بہت بڑا حصہ سیراب و شاداب ہو رہا ہے۔

اُس مقدس ہستی کا نام نامی و اسم گرامی حضرت شیخ العرب والعجم شیخ العلماء والمشائخ امام الطریق حاجی شاہ امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکی قدس سرہ العزیز ہے جن سے حضرت والا کو شرف بیعت حاصل ہے۔ اللہ اللہ حضرت حاجی صاحب کی بھی کیا بابرکت ہستی تھی کہ جس کے محض تصور اور ادنیٰ ذکر سے بھی قلب میں ایک انشراح اور روح میں ایک کیف پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب رحؒ کے ادنیٰ تذکرہ سے بھی میرے اندر ایک

ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ میں اُس وقت اپنے حواس میں نہیں رہتا۔ گو دیکھنے والوں کو پتہ نہ چلے لیکن مجھ پر تو وہ حالت طاری ہوتی ہے۔ مجھے تو اچھی طرح اُس کا اندازہ ہے اھ۔

اسوقت بمصداق ارشاد حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ؎

این نفس جان دامنم برتافتہ است — بوئے پیراہانِ یوسف یافتہ است
واجب آمد چونکہ بردم نام او — شرح کردن رمزے از انعام او

احقر کا بے اختیار جی چاہتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب رح کی جو توجہات و عنایات خاص حضرت والا پر تھیں اُنکو اسی موقع پر بیان کر دیا جائے لیکن چونکہ اس کا زیادہ مناسب موقع باب "شرف بیعت و استفاضہ باطنی" ہے جو آگے آتا ہے اس لئے اِس وقت بہ جبر اپنے جذباتِ شوق کو دبا کر قلم کو روکتا ہوں اور اس مضمون کو باب مذکور پر محوّل کرتا ہوں اور اس جگہ علاوہ حضرت حاجی صاحب رح کے دیگر حضرات سلسلہ کی عنایات و توجہات کو بطور نمونہ بیان کرتا ہوں۔

واقعہ نمبر ۱

حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانوی

حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو ایک مشہور اور متبحر عالم اور بڑے پایہ کے شیخ طریقت اور حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے پیر بھائی تھے حضرت والا پر بچپن ہی سے خاص شفقت فرماتے تھے۔ جن کے بعض واقعات باب "طفولیت" میں مذکور بھی ہو چکے ہیں اُن کا یہاں بھی مختصراً اعادہ کیا جاتا ہے۔

حضرت والا ابھی بالکل نوعمر ہی تھے کہ مولانا نے اپنی بصیرت باطنی سے فرما دیا تھا کہ میرے بعد یہ لڑکا ہوگا۔ اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت والا کی خاطر اسقدر عزیز تھی کہ ایکبار حضرت والا کے والد ماجد نے جن سے مولانا کو اُس زمانہ میں کسی معاملہ زمینداری کے متعلق برادرانہ رنجش ہو گئی تھی حضرت والا کے ہاتھ کچھ پان اس مصلحت سے اُن کی خدمت میں تحفۃً بھیجے کہ باوجود رنجش کے یہ توقع تھی کہ حضرت والا کی خاطر سے مولانا قبول فرمالیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اس سے بخوبی واضح ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت والا پر بنا پر کشف استعداد فطری کس قدر شفقت تھی۔ یہانتک کہ بعد انتقال بھی حضرت والا سے خواب میں فرمایا کہ ہم کو تو تمہارے اوپر اب بھی ویسی ہی توجہ ہے جیسی کہ حیات میں تھی۔ جب مولانا نے انتقال فرمایا تو حضرت والا کی عمر صرف تقریباً سولہ ۱۶ سال کی تھی کیونکہ مولانا رح کا سال وفات ۱۲۹۶ھ تھا اور حضرت کا سال پیدائش ۱۲۸۰ھ

مولانا رح اپنے زمانہ کے اعظم مشائخ و علماء میں سے تھے اور اُن تین بزرگ ہستیوں میں سے ایک تھے جو اپنے زمانہ میں اقطاب ثلاثہ کہے جاتے تھے ۔ بقیہ دو حضرات حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور حضرت حافظ محمد ضامن صاحب رح تھے ۔ اور یہ تینوں حضرات پیر بھائی تھے اور خانقاہ امدادیہ میں مشغول ذکر و فکر رہا کرتے تھے ۔ جن کی وجہ سے اس خانقاہ کا لقب مشائخ ہین دکان معرفت ہو گیا تھا ۔ غرض حضرت والا پر حضرت مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم الشان اور جامع ظاہر و باطن بزرگ کی لڑکپن ہی سے اسدرجہ شفقت و توجہ حضرت والا کی اہلیت کی کھلی بشارت تھی جو بفضلہ تعالےٰ بالکل صحیح ثابت ہوئی اور اس کی مصداق ہوئی ع قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید ۔

واقعہ نمبر ۲

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز جس پایہ کے محقق عالم اور کامل و مکمل درویش تھے عالم آشکارا ہے ۔ اہل حق کے نزدیک آپ کا قطب الارشاد ہونا مجمع علیہ تھا ۔ آپ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے خلیفۂ اعظم تھے ۔ حضرت والا نے اپنی طالبعلمی کے زمانہ میں اول آپ ہی سے مدرسۂ دیوبند میں بیعت کی درخواست کی تھی لیکن مولانا رح نے طالبعلمی کے زمانہ میں بیعت کرنے کو خلاف مصلحت اور حارج تحصیل علوم دینیہ خیال فرماکر عذر فرمادیا ۔ پھر حضرت والا نے جہاں تک حضرت والا کو یاد ہے کیونکہ بہت پُرانی بات ہے غالباً مولانا رح ہی کے ہاتھ حضرت حاجی صاحب رح کی خدمت میں عریضہ بھیجا کہ آپ مولانا سے فرمادیں کہ مجھے بیعت کرلیں ۔ لیکن حضرت حاجی صاحب رح نے خود ہی حضرت والا کو بیعت فرمالیا ۔ اس کا مفصل حال انشاء اللہ تعالےٰ آئندہ باب شرف بیعت و استفاضۂ باطنی میں آئے گا ۔ یہاں صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی رح کی حضرت والا پر بہت ہی خاص عنایت تھی اور باوجود ہر طرح بڑے ہونے کے حضرت والا کا بہت ہی لحاظ فرماتے تھے ۔ یہانتک کہ جب حضرت والا قیام تھانہ بھون کے ابتدائی زمانہ میں حاضر خدمت ہوئے تو حضرت مولانا رح چارپائی سے اُتر کر فرش پر تشریف لاکر بیٹھ گئے جہاں سب حاضرین بیٹھے ہوئے تھے حضرت والا کو نہایت خجلت ہوئی اور عرض کیا کہ حضرت اب تو اکثر حاضری کا اتفاق ہوا کرے گا اور میں تو خادمانہ طور پر حاضر ہوتا ہوں خادموں ہی کا سا برتاؤ فرمایا کریں ۔ مولانا رح نے یہ فرماکر حضرت والا کی خجلت کو

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز

دور فرمایا کہ نہیں میں دیر سے لیٹا ہوا تھا اس لئے اُٹھ بیٹھا ہوں اھ اُسکے بعد سے خیال رکھا اور پھر حضرت والا کی تشریف آوری پر اپنی نشست کو نہ بدلتے تھے۔ لیکن پھر بھی مجموعی طور پر لحاظ ہی کا برتاؤ بلا قصد صادر ہوتا۔ اسپر ایک بار کسی خادم نے عرض کیا کہ حضرت وہ تو اپنے کو حضرت کا ادنیٰ خادم سمجھتے ہیں اور پیر کا سا ادب کرتے ہیں آپ کیوں اتنا لحاظ فرماتے ہیں فرمایا کہ تم تو اندھے ہو میں تو اندھا نہیں اھ حضرت مولانا کا یہ قول خود صاحب واقعہ نے حضرت والا سے نقل کیا۔ جب حضرت والا حاضر خدمت ہوتے تو حضرت مولانا رح حضرت حاجی صاحب رح کا تذکرہ بہت ذوق وشوق سے فرماتے اور فرماتے کہ بھائی جب تم آجاتے ہو تو زندہ ہوجاتا ہوں۔ ایک بار کچھ لوگوں نے بعض اختلافیات کے متعلق حضرت والا کی کچھ شکایت کرنا چاہی تو حضرت مولانا رح نے فرمایا کہ میں اُن کی کوئی شکایت نہیں سننا چاہتا کیونکہ وہ جو کام کرتے ہیں حق سمجھ کر کرتے ہیں، نفسانیت سے نہیں کرتے۔

ایک بار غایت تواضع سے فرمایا کہ بھائی اُنھوں نے حضرت حاجی صاحب رح کے پکے پھل کھائے ہیں (یعنی حضرت حاجی صاحب رح کے اخیر زمانہ کے فیوض و برکات حاصل کئے ہیں) اور ہم نے کچے پھل کھائے ہیں (یعنی ہم حضرت حاجی صاحب رح کے شروع زمانہ کے مستفیدین میں سے ہیں) یہ واقعہ ارواح ثلاثہ کی حکایت نمبر ۵۰۴ میں بھی بہ اختلاف الفاظ مع توجیہ منقول ہے۔ اُس توجیہ کا یہاں بھی نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے۔ یہ تواضع ہے اس کو تفاضل پر محمول نہ کیا جاوے۔ حالات کے تفاضل سے ملابس حالات کا تفاضل لازم نہیں آتا کیونکہ حالت فاضلہ کے ملابس کی استعداد کا فاضل ہونا لازم نہیں اھ۔ ایک بار حضرت والا کا گنگوہ میں وعظ ہو رہا تھا تو جو کوئی حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا اُس سے فرماتے کہ ایک عالم حقانی کا وعظ ہو رہا ہے وہاں جاؤ میرے پاس کیوں آئے ہو۔

مسئلہ ربوا فی دار الحرب میں حضرت مولانا گنگوہی رح کا حضرت امام ابو حنیفہ رح کے مشہور قول پر جواز کا فتویٰ ہے اور حضرت والا اس میں حضرت امام یوسف رح کے قول پر احتیاط کا فتویٰ دیا کرتے ہیں۔ ایک بار جمعہ کے دن مولانا رح کی مجلس میں جس میں حضرت والا بھی موجود تھے اسی مسئلہ کا ذکر تھا۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت مولانا رح کے خادم خاص تھے اور جن کو حضرت والا کی اس مسئلہ کے متعلق رائے کا علم نہ تھا حضرت والا کے متعلق عرض کیا کہ حضرت انکو (یعنی حضرت والا کو) ان کے والد صاحب کے متروکہ روپیہ کے جو بینک میں تھے لینے کی کیوں اجازت نہیں دیدیتے۔ حضرت مولانا رح نے باوجود اختلاف

رائے کے فرمایا کہ سبحان اللہ اگر کوئی تقویٰ اختیار کرے تو کیا میں اُس کو روکوں اھ۔ جب حضرت والا کے والد ماجد کا ۵ شوال ۱۳۱۵ھ میں انتقال ہوا تو حضرت والا نے ترکہ کے متعلق کچھ سوالات حجام کے ہاتھ حضرت مولانا رح کی خدمت میں بھیجے گو سوالات بہت سے تھے اور حضرت مولانا رح کو اُس وقت آشوب چشم کی تکلیف تھی لیکن اُس حال میں بھی سب سوالوں کے جواب تحریر فرما دئے اور جوابوں کے اختصار کی یہ وجہ لکھی کہ آشوب چشم میں مبتلا ہوں اور چشم بند کردہ جواب لکھ رہا ہوں۔ اھ۔

اسی ترکہ کے متعلق حضرت والا نے یہ رائے بھی لی تھی کہ اگر جائداد نہ رکھوں تو کیسا ہے۔ حضرت مولانا رح نے ارشاد فرمایا کہ اگر رکھو رخصت ہے اور نہ رکھو جب بھی حق تعالےٰ روزی سے تم کو کبھی پریشان نہ کرے گا اھ چنانچہ بفضلہ تعالےٰ ایسا ہی ہوا۔

جب حضرت والا دوسری بار اس غرض سے عازم سفر حجاز ہوئے کہ اپنے پیر و مرشد حضرت حاجی صاحب رح کی خدمت میں چھ ماہ قیام فرمائیں تو عین وقت پر حضرت مولانا قدس سرہ العزیز کو اپنی تیاری سفر کی اطلاع کی۔ حضرت مولاناؒ کا جو جواب آیا اُس میں غایت تواضع سے تحریر فرمایا کہ وہاں حضرت حاجی صاحب رح کی خدمت میں پہونچکر مجھکو بھی یاد رکھنا اور یہ شعر تحریر فرمایا ؎

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی بیاد آر حریفانِ بادہ پیما را

حضرت والا کے قیام تھانہ بھون کے بعد حضرت والا کے مواعظ اور مدرسہ امداد العلوم کے حالات سُن سُن کر حضرت مولانا رح بہت مسرور ہوا کرتے اور فرماتے کہ یہ سب کچھ ہے مگر مجھے تو پوری خوشی جب ہوگی جب کچھ اللہ اللہ کرنے والے بھی وہاں جمع ہونے لگیں گے۔ چنانچہ بفضلہ تعالےٰ ایسا ہی ہوا۔ حضرت مولانا رح کو حضرت والا کے پاس اجتماع ذاکرین و طالبین کا اسقدر شوق تھا کہ اپنے پاس آنے والے بعض طالبین کو بھی حضرت والا کے پاس بغرض تربیت بھیجد یا کرتے اھ۔

اور بہت سے واقعاتِ عنایت ہیں جن کو حضرت والا بہت لطف سے لیکر بیان فرمایا کرتے ہیں۔ چونکہ یہاں اختصار مدنظر ہے اس لئے مذکورہ بالا واقعات ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ بعض کا ذکر انشاء اللہ تعالےٰ باب شرف بیعت و استفاضۂ باطنی میں آئے گا۔ حضرت والا کو بھی حضرت مولانا رح سے اس درجہ عقیدت تھی کہ سوائے حضرت حاجی صاحب رح کے اور کسی سے اتنی نہ تھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے ایسا جامع ظاہر و باطن بزرگ کوئی نہیں دیکھا۔ یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اور لوگوں کے ساتھ تو میری عقیدت استدلالی ہے اور مولانا رح کے ساتھ غیر استدلالی۔ دلائل سوچنے سے بھی ذہن اِبا کرتا ہے کہ مولانا تو بزرگ ہیں ہی دلائل قائم کرنے کی کیا حاجت ہے ع آفتاب آمد دلیل آفتاب

بلکہ دلائل کا سوچنا بھی خلاف ادب سا معلوم ہوتا ہے۔ یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے حضرت مولاناؒ سے یہ بھی اجازت لے رکھی تھی کہ اگر کوئی اشکال ظاہری یا باطنی پیش آئے تو پوچھ لیا کروں لیکن عمر بھر میں صرف تین چار ہی بار استفسار کی نوبت آئی پھر مولانا رح کے جوابات کی ایسی برکت ہوئی کہ انھیں سے سارے اشکالات حل ہوتے رہے مزید استفسارات کی ضرورت ہی نہ واقع ہوئی اھ۔ ایک بار حضرت والا نے توسل کی حقیقت دریافت کی چونکہ مولانا رح کی ظاہری بینائی اُس زمانہ میں آنکھوں میں پانی اُتر آنے کی وجہ سے جاتی رہی تھی فرمایا کہ پوچھنے والے کون صاحب ہیں حضرت والا نے اپنا نام بتا دیا۔ فرمایا کہ تمھارا یہ پوچھنا عجیب ہے۔ یہ فرما کر خاموش ہو گئے اور کوئی جواب ارشاد نہیں فرمایا۔ حضرت والا نے پھر پوچھنا خلاف ادب سمجھا۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ ایک مدت دراز کے بعد توسل کی پوری حقیقت خود بخود اللہ تعالےٰ نے میرے قلب میں القاء فرما دی۔ چنانچہ اُس کی نہایت عجیب و غریب اور جامع مانع تحقیق رسالہ الادراک والتوسل میں لکھدی گئی ہے۔ اھ۔

واقعہ نمبر ۳

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ العزیز کا بھی شرف زیارت حضرت والا کو زمانۂ طالب علمی مدرسۂ دیوبند میں اکثر حاصل ہوتا رہتا تھا لیکن چونکہ حضرت والا اُس زمانہ میں بالکل نوعمر تھے نیز حضرت والا کے دیوبند پہونچنے کے تقریبًا سال بھر بعد ہی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال بھی ہو گیا تھا۔ اس لئے خاص خصوصیت پیدا ہونے کا کوئی موقع ہی نہ تھا تاہم احقر نے حضرت والا سے بعض ایسے واقعات سنے ہیں جن سے مولانا رح کی عنایت خاص مترشح ہوتی ہے کیونکہ عادۃً ایسا معاملہ اُسی کے ساتھ کیا جاتا ہے جس سے کچھ خصوصیت ہو مثلاً ایک بار از راہ شفقت دریافت فرمایا کہ کون سی کتابیں پڑھتے ہو۔ حضرت والا پر اسقدر رعب و ادب غالب ہوا کہ کتابوں کے نام ہی بھول گئے۔ پھر مولانا نے دوسری باتیں شروع کر دیں تاکہ ہیبت کا اثر کم ہو جائے اور حضرت والا کی طبیعت کھل جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر فرمایا کہ دیکھو ایک تو پڑھنا ہوتا ہے اور ایک گننا محض پڑھنا کافی نہیں گننے کی ضرورت ہے۔ پھر تمثیلاً فرمایا کہ ایک عالم تھے جنھوں نے ہدایہ کو حفظ کر لیا تھا اُن سے ایک دوسرے عالم نے جو حافظ ہدایہ تو نہ تھے لیکن ہدایہ کو خوب سمجھ کر پڑھا تھا ایک مسئلہ کا ذکر کیا۔ حافظ ہدایہ نے پوچھا کہ یہ مسئلہ کس کتاب میں لکھا ہے اُنھوں نے کہا ہدایہ میں۔ انھوں نے کہا نہیں ہدایہ تو مجھے حفظ یاد ہے اُس میں تو کہیں بھی نہیں۔ اسپر غیر حافظ ہدایہ نے کہا کہ یہ مسئلہ ہدایہ

ہی کا ہے اگر کتاب ہو تو میں اُس میں دکھا سکتا ہوں۔ چنانچہ کتاب منگائی گئی اور اُنھوں نے اُسکے اندر ایک عبارت نکال کر دکھائی جس میں وہ مسئلہ بعینہ تو مذکور نہ تھا لیکن اُس سے باستنباط قریب مستنبط ہوتا تھا۔ جس کی تقریر کے بعد حافظ ہدایہ کو ماننا پڑا کہ واقعی یہ ہدایہ ہی کا مسئلہ ہے اور بہت افسوس کے ساتھ کہنے لگے کہ بس جی حقیقت میں ہدایہ کو تمھیں نے پڑھا ہے ہم نے گویا پڑھا ہی نہیں محض حفظ کر لینے سے کیا ہوتا ہے۔ اھ۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حکایت نقل فرما کر حضرت والا سے فرمایا کہ بس یہ فرق ہے پڑھنے اور گننے میں اھ۔

ایک بار ایک سیاح دیوبند آئے تھے۔ اُن کے ساتھ اُن کا لڑکا بھی تھا جو قاری تھا چھتہ کی مسجد میں اُنھوں نے اُس لڑکے سے قرآن سنوایا سامعین میں حضرت مولانا رح بھی تھے اور وہیں حضرت والا بھی موجود تھے جب وہ لڑکا پڑھ چکا تو غالباً مولانا رح ہی نے حضرت والا سے فرمایش کی کہ تم بھی سناؤ۔ چنانچہ حضرت والا نے تعمیل ارشاد کی۔

ایک بار جناب مُلّا محمود صاحب دیوبندی جو حضرت والا کے اساتذہ کرام میں سے تھے اور بہت ہی حلیم الطبع تھے۔ ایک مرتبہ خلاف معمول ایک طالب علم پر بہت خفا ہوئے اور جوش غضب میں تان کر اُس کے ایک گھونسہ مارا لیکن وہ طالب علم اُس جگہ سے فوراً ہٹ گیا اور مُلّا صاحب کا ہاتھ زور سے زمین پر جا کر پڑا جس سے اُلٹی مُلّا صاحب ہی کے ہاتھ میں چوٹ آگئی اور وہ طالب علم بچ گیا۔ اسپر مُلّا صاحب کو اور غصہ آیا۔ جب اُنھوں نے پھر مارنا چاہا تو وہ طالب علم اُٹھکر بھاگا۔ اسپر مُلّا صاحب نے اپنا جوتہ پھینک کے مارا لیکن وہ بھی نہ لگا۔ اتفاق سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح بھی سامنے ہی قریب تشریف رکھتے تھے شور و غل سنکر تشریف لے آئے اور حضرت والا کو بُلا کر پوچھا کہ کیا معاملہ ہے۔ حضرت والا نے واقعہ سنایا تو بہت ہنسے اور فرمایا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ مُلّا صاحب میں صرف تین ہی عُنصر ہیں۔ عنصر آب عنصر باد عنصر خاک چوتھا عنصر نار ہے ہی نہیں لیکن آج معلوم ہوا کہ نہیں چاروں عنصر موجود ہیں اھ۔

حضرت والا مولانا رح کے درس جلالین میں بھی از راہ عقیدت و شوق تحصیل علوم گاہ گاہ شرکت فرمایا کرتے۔ حالانکہ حضرت فرمایا کرتے ہیں کہ مولانا رح کی تقریر اسقدر ادق ہوتی تھی کہ میری سمجھ میں کچھ نہ آتی تھی اور اُسوقت تو کیا سمجھ میں آتی اب بھی مولانا رح کی تحریریں میری سمجھ میں نہیں آتیں بس تھوڑی دور تک تو سمجھ میں آتی ہیں پھر جو تائیدات و تفریعات و جمل معترضہ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کہاں سے کہاں پہونچ گئے اور زیادہ غور و خوض کی مشقت مجھ سے برداشت

ہوتی نہیں اس لئے مستفید ہونے سے محروم رہتا ہوں اور اپنے دل کو یوں سمجھا لیتا ہوں کہ ضروریات کا علم حاصل کرنے کے لئے اور سہل سہل کتابیں موجود ہیں پھر کیوں مشقت اُٹھائی جائے - میری عادت ہے کہ میں کسی مضمون کے سمجھنے میں زیادہ تعب نہیں اُٹھاتا - بس جو سرسری توجہ سے سمجھ میں آگیا آگیا ورنہ چھوڑ دیتا ہوں کاوش نہیں کرتا - بس اسپر عمل ہے اذا لم تستطع شیئاً فدعه - نیز دشوار طریق کو چھوڑ کر سہل طریق کو اختیار کرنے میں اس حدیث پر عمل ہے ما خیر صلی اللہ علیہ وسلم فی امرین الا اختار ایسرھما -

واقعہ نمبر ۴

اوستاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مدرس اول مدرسہ عالیہ دیوبند نہ صرف فن درس وتدریس اور علوم ظاہرہ میں یگانہ روزگار تھے بلکہ بڑے صاحب باطن اور صاحب کشف وکرامت اولیاء کاملین میں سے تھے اور حضرت شیخ العرب والعجم حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے خلفائے عظام میں سے تھے - حضرت والا کے خاص الخاص اور سب اساتذہ سے زیادہ محبوب اور محترم اُستاد تھے حضرت والا پر بہت ہی خاص نظر عنایت و توجہ تھی اور حضرت والا کو بھی ایسی عقیدت اور گرویدگی تھی کہ جب حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز نے گنگوہ میں درس حدیث شروع فرمایا تو بہت سے طالب علم وہاں پڑھنے چلے گئے اور اُنھوں نے حضرت والا کو بھی ترغیب دی کیونکہ مولانا رح کے یہاں ناغے بہت ہوتے تھے گو جب پڑھاتے تھے تو بقول حضرت والا سیراب فرما دیتے تھے لیکن حضرت والا نے فرما دیا - کہ گو میں سمجھتا ہوں کہ وہاں درس حدیث بہتر ہوگا لیکن مجھے تو اپنے اُستاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو چھوڑنا بیوفائی معلوم ہوتا ہے جبتک کہ مولانا خود یہ نہ فرمادیں کہ بس اب میرا ذخیرۂ علمی ختم ہوگیا اب مجھ سے تمھاری تعلیم نہیں ہو سکتی - حضرت والا کے اندر یہ وفاداری کی صفت بچپن ہی سے ہے چنانچہ جب کلام مجید حفظ فرما رہے تھے تو والد ماجد نے کسی وجہ سے حضرت والا کے اُستاد کو بدلنا چاہا لیکن حضرت والا کسیطرح راضی نہ ہوئے اور مچل گئے کہ نہیں میں تو انھیں سے پڑھونگا - یہانتک کہ والد ماجد صاحب مجبور ہوگئے اور انھیں اُستاد کو رکھنا پڑا -

غرض حضرت والا کو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح سے بیحد عقیدت و محبت تھی اور حضرت مولانا بھی حضرت والا پر بیحد شفقت فرماتے تھے - اور چونکہ حضرت مولانا رح کو حضرت والا کے فہم خداداد اور استعداد و دلچسپی کا اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا اس لئے حضرت والا

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رح

کی موجودگی میں خاص طور سے حقائق و معارف اور نکات و دقائق علمیہ بیان فرماتے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت والا کو مولانا رح کے نہایت عجیب و غریب ملفوظات ابتک بہت کثرت سے یاد ہیں جنکو نہایت لطف لے لے کر بیان فرمایا کرتے ہیں۔ غایت خصوصیت کی بنار پر مولانا رح حضرت والا سے بوقت ضرورت کچھ قرض بھی لے لیا کرتے تھے اور تنخواہ ملنے پر ادا فرما دیتے تھے۔ اعتماد کی بنار پر طالب علمی ہی کے زمانہ میں افتار کا کام بھی حضرت والا سے لیتے تھے۔ اور صلاحیت کی بنار پر کبھی کبھی اپنی جگہ نماز کا امام بھی بنا دیتے تھے۔ چنانچہ امامت کے متعلق حضرت والا کو ایک واقعہ ابتک یاد ہے کہ ایک بار حضرت والا سے ظہر کی نماز پڑھانے کے لئے فرمایا تو حضرت والا نے عذر کیا کہ حضرت میں نے تو ابھی سنتیں نہیں پڑھیں فرمایا کہ ہم تو فرض میں تمھاری اقتدا کریں گے سنتوں میں تھوڑا ہی اقتدا کریں گے اھ۔ خدمت افتار کے متعلق بھی حضرت والا بعض واقعات نقل فرمایا کرتے ہیں جن میں سے ایک کا اس جگہ ذکر کیا جاتا ہے۔ ایکبار کسی کا بہت طویل استفتار آیا اُس کا حضرت والا نے ویسا ہی طویل اور مدلل جواب لکھ کر مولانا رح کی خدمت میں بغرض دستخط پیش کیا۔ مولانا رح نے سب کو پڑھ کر دستخط فرما دئے لیکن بعد کو فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے تمھیں فرصت بہت ہے ہم تو جب جانیں گے جب کہ خطوں کا ایک ڈھیر کا ڈھیر تمھارے سامنے ہوگا اور اُس وقت بھی تم ایسے ہی طویل طویل جواب لکھا کروگے اھ چنانچہ یہ پیشنگوئی بالکل صحیح ثابت ہوئی اور اب حضرت والا کی کثرت ڈاک کا یہی عالم ہے کہ ڈھیر کے ڈھیر خطوط روزمرہ آتے ہیں اور حضرت والا نہایت مختصر مختصر مگر جامع مانع جوابات ارقام فرما کر ہر روزہ ساری ڈاک ختم فرما دیتے ہیں۔ اسی طرح مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والا کے ایک خواب کی تعبیر میں یہ بشارت دی تھی کہ انشار اللہ تعالےٰ دنیا تمھارے قدموں سے لگی پھرے گی اور تم اُس کی طرف رخ بھی نہ کروگے اور ایک اور خواب کی یہ تعبیر دی تھی کہ انشاء اللہ تعالےٰ تم کو دین اور دنیا دونوں کی عزت حاصل ہوگی۔ چنانچہ بفضلہ تعالےٰ یہ دونوں بشارتیں ہوبہو صادق ہوئیں۔

مولانا رح نے ایک مختصر جماعت کی معیت میں نہایت وثوق کے ساتھ ایک اور بھی بشارت دی تھی کہ خدا کی قسم جہاں تم جاؤ گے بس تم ہی تم ہوگے باقی سارا میدان صاف ہے اھ۔ اس کا واقعہ باب تحصیل علوم میں بہ تفصیل مذکور ہو چکا ہے الحمد للہ یہ بشارت بھی بالکل صحیح نکلی اور حضرت والا جہاں رہے بفضلہ تعالےٰ اشرف العلماء والفضلاء ہی بن کر رہے سچ ہے ع

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

واقعہ نمبر ۵

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب رح دہلوی مہاجر مدنی کے خلیفہ تھے اور شاہ صاحب ہمارے حضرات حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا نانوتوی رحمہما اللہ تعالےٰ کے اساتذہ میں سے تھے ۔ مولانا ممدوح مدرسہ دیوبند کے مہتمم تھے اور غالبًا حضرت شیخ العرب والعجم سے بھی مستفیض تھے ۔

آپ باوجود ظاہری تحصیل علم نہ فرمانے کے اس درجہ کے بزرگ تھے کہ ایک موقع پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح نے فرمایا کہ مولانا رفیع الدین صاحب رح اور حضرت مولانا گنگوہی رح میں سوائے اس کے کوئی فرق نہیں کہ مولانا گنگوہی عالم ہیں اور وہ عالم نہیں ورنہ نسبت باطنی کے لحاظ سے دونوں ایک درجہ کے ہیں اھ نیز شان انتظامی ایسی تھی کہ ایک بہت بڑے جلسۂ دستار بندی کے موقع پر حضرت والا نے عرض کیا کہ اتنا بڑا تو جلسہ ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آپ کو ذرا گھبراہٹ نہیں نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ انتظامات فرما رہے ہیں اور سب کام نہایت خوبی کے ساتھ ہو رہے ہیں ۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ یہ تو خیر جلسہ ہی ہے ہمکو تو اگر سلطنت بھی سپرد کر دی جائے تو انشاء اللہ تعالےٰ اُس کا بھی ایسی ہی سہولت اور اطمینان اور حسن و خوبی کے ساتھ انتظام کر کے دکھلا دیں ۔

حضرت والا پر مولانا رح کی بھی خاص نظر عنایت تھی ۔ ایک بار مولانا چارپائی پر اس طرح تشریف فرما تھے کہ پائنتی کی طرف جگہ کم رہ گئی تھی جب حضرت والا از راہِ ادب پائنتی کی طرف بیٹھنے لگے تو مولانا رح نے ہاتھ پکڑ کر سرہانے بٹھانا چاہا ۔ حضرت والا عذر کرنے لگے تو فرمایا کہ اپنے بڑوں کا کہنا ماننا چاہئے ۔ جہاں وہ بٹھائیں وہیں بیٹھنا ادب ہے ۔ حضرت والا حکم بجالائے اور باوجود سخت گھٹن کے سرہانے بیٹھے رہے ۔ پھر مولانا نے غالبًا اسی موقع پر دارا شکوہ اور عالمگیر رح کی حکایت نقل فرمائی وہ حکایت یہ ہے کہ یہ دونوں باری باری سے ایک بزرگ کی خدمت میں حصول تخت و تاج کی دعا کرانے کے لئے حاضر ہوئے پہلے دارا شکوہ پہونچے ان کو بزرگوں کے ساتھ اعتقاد میں بہت غلو تھا ۔ اُن بزرگ نے دارا شکوہ کو اپنی مسند پر بٹھانا چاہا تو غایت ادب سے اصرار کرنے پر بھی نہیں بیٹھے نیچے جو فرش بچھا ہوا تھا اُسپر بیٹھے ۔ جب اُنھوں نے تخت سلطنت حاصل ہونے کے لئے دعا کی درخواست کی تو فرمایا کہ میں نے تو تمکو تخت پر بٹھانا چاہا تھا لیکن تم بیٹھے ہی نہیں انکار کر دیا دارا شکوہ بصد افسوس واپس چلے آئے لیکن اس واقعہ کو چھپایا تاکہ عالمگیر کو اس کا علم نہ ہونے

حضرت مولانا فیض الحسن صاحب ادیب سہارنپوری

پائے پھر عالمگیرؒ حاضر خدمت ہوئے - اُن سے بھی اُن بزرگ نے مسند پر بیٹھنے کے لئے فرمایا تو وہ بے تامل بیٹھ گئے - جب تخت و تاج ملنے کی دعا چاہی تو اُن بزرگ نے فرمایا کہ تخت پر تو تم بیٹھے ہی ہو رہا تاج وہ میرے اختیار میں نہیں ہے - اُس کا اختیار تمہارے فلاں خادم کو ہے - اگر وہ اپنے ہاتھ سے تمہارے سر پر عمامہ یا ٹوپی رکھ دے گا تو تمھیں تاج بھی نصیب ہو جائے گا - عالمگیرؒ نے یہ سن کر کہا کہ اللہ اکبر کیا وہ اس درجہ کا شخص ہے مگر خیر پھر بھی آخر وہ ہے تو میرا خادم ہی اُس سے عمامہ سر پر رکھوا لینا کیا مشکل ہے جب اُس کو حکم دوں گا فوراً تعمیل کرے گا مجال ہے کہ انکار کر سکے اُن بزرگ نے فرمایا کہ اس بھروسے نہ رہنا وہ تمہارا خادم نہیں ہے بادشاہ ہے - پھر جب عالمگیر اپنے محل میں واپس آئے تو آتے ہی خادم کو بُلا کر حکم دیا کہ پانی لاؤ اور یہیں وضو کراؤ جب وضو ختم ہوا تو اُس کو حکم دیا کہ ہمارے ہاتھ تو گیلے ہیں تم یہ ہمارا عمامہ اُٹھا کر ہمارے سر پر رکھ دو - اُس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ حضور میری کیا مجال ہے کہ میں حضور کے عمامہ کو ہاتھ لگاؤں عالمگیر نے باوجود اعتقاد و عظمت کے بہ تکلف غصہ کے لہجہ میں پھر کہا کہ نہیں ہم حکم دیتے ہیں تم کو یہ ضرور کرنا ہوگا - اُس نے پھر عذر کیا - بالآخر جب عالمگیرؒ نے بار بار اصرار کیا تو مجبوراً عمامہ اُٹھا کر اُن کے سر پر رکھ دیا اور اُن بزرگ کو کوسنے لگا کہ خدا تیرا ناس کرے کہ تو نے مجھے فضیحت کیا لیکن عمامہ سر پر رکھنے کے بعد ہی اُس نے عالمگیرؒ سے کہا کہ بس حضور اب میں رخصت ہوتا ہوں - یہ میری آخری خدمت تھی اب میں ملازمت نہیں کر سکتا - عالمگیرؒ نے کہا کہ اب کیا ہے اب تو میرا کام بن ہی گیا اور اب میں آپ سے خدمت لے بھی نہیں سکتا شوق سے تشریف لیجائیے

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ عجب نہیں مولانا رح کا حضرت والا کو اپنے سرہانے بٹھانا اور پھر اس حکایت کو نقل فرمانا حضرت والا کو اعزاز دینی کی بشارت دینا ہو حضرت والا مولانا رح کے حلقۂ توجہ میں بھی شرکت فرمایا کرتے تھے اور اس قدر اثر محسوس فرماتے تھے کہ جیسے بالکل پاک و صاف مثل فرشتوں کے ہو گئے ہوں - ایک بار جناب حافظ عبد الکریم صاحب رئیس لال کرتی میرٹھ جو مولانا رح کے پیر بھائی تھے - (اور بوجہ اس کے کہ حافظ صاحب کے بھائی یعنی جناب شیخ الٰہی بخش صاحب رئیس میرٹھ کے یہاں حضرت والا کے والد ماجد مختار ریاست تھے حضرت والا سے خوب واقف تھے اور بڑی شفقت فرماتے تھے) مدرسہ دیوبند میں مولانا رح کی زیارت کے لئے تشریف لائے حضرت والا کی ژولیدہ حالت اور وضع قطع دیکھ کر عرض کیا کہ حضرت آپ نے تو لڑکے کو بالکل فانی فی الشیخ ہی کر دیا - ایک بار مولانا رح حضرت والا کو اپنے ہمراہ سرہند شریف بھی لیگئے تھے - اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح کے مزار شریف کی زیارت کرائی تھی - اُسی سفر میں موضع براس ریاست پٹیالہ میں اُس

موقع کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے جہاں بنا بر کشف بعض اکابر چند حضرات انبیاء علیہم السلام کی قبور ہیں ۔ مولانا رحمہ نے اپنی مسجد میں مدت دراز تک حضرت والا سے امامت بھی کرائی پھر حضرت والا نے خود ہی بایں خیال کہ مولانا رحمہ جیسے بزرگ مقتدی کا امام بنتا کہیں سوء ادب نہ ہو عذر کر دیا اور اصرار سے بچنے کے لئے بجائے اُس مسجد کے چھتہ کی مسجد میں نماز پڑھنی شروع کر دی وہاں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ نماز پڑھایا کرتے تھے ۔ اور مولانا کی غیبت میں حضرت حاجی سید محمد عابد صاحب لیکن جب حضرت والا نے وہاں نماز پڑھنی شروع کی تو حاجی صاحب مولانا کی غیبت میں بجائے خود امامت کرنے کے حضرت والا سے بکثرت امامت کراتے ۔ اور کبھی کبھی خود مولانا بھی اپنی موجودگی میں حضرت والا سے نماز پڑھانے کے لئے ارشاد فرما دیتے ۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرات اکابر حضرت والا کو طالب علمی کے زمانہ میں بھی کتنا صالح سمجھتے تھے ۔ اور حضرت والا کو بھی اپنے اکابر کا کس درجہ ادب ملحوظ تھا ۔

واقعہ نمبر ۶

حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ شاگرد رشید حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ و خلیفہ خاص حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ حضرت والا کے اساتذہ خاص میں سے تھے جن سے حضرت والا نے بزمانہ طالب علمی مدرسہ عربی دیوبند میں بہت سی کتابیں پڑھی تھیں جہاں مولانا رحمہ اُس زمانہ میں مدرس رابع تھے پھر ترقی فرما کر وہیں کے مدرس اول ہو گئے ۔ آپ کے کمالات علمیہ و عملیہ مسلم و مشہور ہیں ۔ جن میں سے بعض کا ذکر حضرت والا نے اپنے رسالہ ذکر محمود میں کیا ہے جو مولانا رحمہ کے حالات میں تصنیف فرمایا گیا ہے ۔ حضرت مولانا رحمہ باوجود اتنے بڑے اور حضرت والا کے اُستاد محترم ہونے کے حضرت والا کو اپنے اُن دو والا ناموں میں جن کو حضرت والا نے اپنے مذکورہ بالا رسالہ میں نقل فرمایا ہے اور جن کو یہاں بھی عنقریب نقل کیا جائے گا ۔ ان الفاظ سے خطاب فرمایا ہے ۔

(نمبر ۱) سراپا فضل و کمال شرفکم اللہ تعالےٰ وجعلکم فوق کثیر من الناس

(نمبر ۲) معدن حسنات و خیرات دام ظلکم ۔ جب حضرت والا نے مدرسہ جامع العلوم کانپور کے جلسہ دستار بندی کے موقع پر جہاں حضرت مولانا رحمہ کو شرکت کی تکلیف دی گئی تھی وعظ فرمانے کی درخواست کی تو بغایت تواضع بایں عنوان عذر فرمایا کہ یہ ہرگز مناسب نہیں اس میں ہماری ذلت

حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی

ہوگی کہ ان کے استاد ایسے ہیں اور تمہاری جو شہرت ہے اُس میں فرق آنے کا اندیشہ ہے۔ لہذا مجھ سے وعظ کہلانا خلاف مصلحت ہے اھ۔ پھر جب حضرت والا نے بیحد اصرار فرمایا تب وعظ فرمانے کے لئے راضی ہوئے۔

سیاسی تحریکات کے زمانہ میں باوجود اختلاف رائے حضرت والا سے وہی تعلقات شفقت باقی رکھے بلکہ باوجود حضرت والا کے اس اختلاف کی اور باوجود مخالفین ولائمین کی سخت فتنہ پردازیوں اور شورش انگیزیوں کے اپنی رائے پر نہایت مضبوطی کے ساتھ برابر مردانہ وار جمے رہنے کی بایں عنوان مدح فرمائی کہ ہمیں فخر ہے اور خوشی ہے کہ ان تحریکات حاضرہ سے جو بالکل کنارہ کش ہے وہ بھی ہمیں میں سے ہے اھ۔ بمعناہ۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولانا رح کے نزدیک بھی اس مسئلہ میں گنجائش اجتہاد تھی ورنہ عدم شرکت کی مدح ہرگز جائز نہ رکھتے۔ اور یہی وجہ تھی کہ حضرت مولانا رح حضرت والا کی عدم شرکت تحریکات پر اعتراض کرنے والوں کا ہمیشہ جواب دیتے رہے اور حضرت والا کے حُسن نیت کی تصدیق اور خدمات دینی کی تعریف فرماکر اُن کوتاہ نظروں کو اعتراضات سے روکتے رہے بلکہ ایک بار ایک پانی پتی اہل علم سے یہاں تک فرمایا کہ بھائی اپنی جماعت میں اختلاف تو اچھا نہیں معلوم ہوتا لاؤ پھر میں ہی کسی قدر رائے کیوں نہ بدل دوں اور اس معاملہ میں اُن کی (یعنی حضرت والا کی) موافقت کرلوں۔ کیونکہ میرے اوپر کوئی وحی تو نازل ہوئی نہیں کہ میری رائے ٹھیک ہی ہو۔ حضرت والا بھی ہمیشہ حضرت مولانا رح کا غایت درجہ احترام فرماتے رہے اور موقع بموقع نہایت عقیدت کے ساتھ حاضر خدمت ہوتے رہے اور مولانا رح کے خلوص وایثار وخدمت اسلام واہل اسلام نیز دیگر کمالات علمیہ وعملیہ کو اکثر بکمال عقیدت نہایت لطف لے لیکر بیان فرماتے رہے اور اب بھی بیان فرماتے رہتے ہیں۔ ان حالات سے بخوبی واضح ہے کہ یہ اختلاف محض اجتہادی اختلاف تھا ورنہ جانبین اصل مقصود یعنی خیرخواہی اسلام واہل اسلام میں بالکل متحد تھے۔ ایسے امور اجتہادیہ میں تو اُستاد اور شاگرد کا اختلاف ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کی سنت ہے اور بکمال دیانت کی دلیل۔

غرض تحریکات کے متعلق حضرت والا اور حضرت مولانا رح کی رایوں میں جو اختلاف تھا وہ محض اخلاص اور للہیت پر مبنی تھا۔ دیگر جاہ پسند مدعیان قیادت کی طرح اغراض اور نفسانیت پر مبنی نہ تھا۔ اب آخر میں زیادت بصیرت کے لئے حضرت مولانا رح کے بعض واقعات جن کا تعلق خاص حضرت والا کی ذات خاص سے ہے اور جو خود حضرت والا کے ارقام فرمودہ ہیں بطور نمونہ رسالہ

"ذکر محمود" سے منتخب کر کے نقل کئے جاتے ہیں۔
(۱) سب سے پہلے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت وصحبت سے مشرف ہوا وہ زمانہ تھا جس میں تحصیل درسیات کے لئے دیوبند کے مدرسہ عالیہ میں حاضر ہوا اور منجملہ اسباق مجوزہ کے ملا حسن اور مختصر معانی کا سبق مولانا کے متعلق ہوا یہ زمانہ ۱۲۹۵ھ کا اخیر تھا یعنی ذیقعدہ کا مہینہ تھا مولانا اُسوقت مدرس رابع تھے۔ اور مدرس اول حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور مدرس دوم حضرت مولانا سید احمد صاحب اور مدرس سوم حضرت مولانا محمد محمود صاحب تھے رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً۔
(۲) مذکورہ اسباق کے سلسلہ میں احقر کے اسباق فراغ درسیات تک مولانا کی خدمت میں رہے معقولات میں حمد اللہ - میر زاہد رسالہ - میر زاہد ملا جلال اور حدیث میں متعدد کتب جن کی تفصیل رسالہ سبع سیارہ میں ہے اور فقہ میں ہدایہ اخیرین تو اس وقت مولانا سے پڑھنا یاد ہے باقی شاید سوچنے سے یاد آجاوے۔
(۳) احقر کو زمانۂ طالبعلمی میں ہر فرقہ کے ساتھ مناظرہ کرنے سے ایک خاص دلچسپی تھی جیسی اب اس سے اسی درجہ نفرت و وحشت بھی ہے۔ دیوبند میں ایک بار عیسائی مُنادیوں کا ایسا سلسلہ لگا کہ مسلسل یکے بعد دیگرے آتے اور بازار میں تقریریں کرتے۔ احقر سنتے ہی پہونچتا اور گفتگو کرتا ایک بار ایک بڑا پادری جو یورپین تھا زیادہ مجمع وسامان کے ساتھ آیا۔ اور ایک باغ متصل اسٹیشن میں خیمے نصب کر کے ٹھہرا۔ احقر مع چند طلباء کے وہاں بھی پہونچا اور اُس سے گفتگو شروع کی کسی نے حضرت مولانا کو خبر پہونچادی اس شفقت کی کچھ حد ہے کہ صرف یہ خیال کر کے کہ کم عمر اور ناتجربہ کار ہے کبھی مرعوب نہ ہو جائے خود اُس باغ میں تشریف لائے اور مجھکو ہٹا کر خود گفتگو شروع فرمائی اُس نے نام پوچھا آپ نے فرمایا "نتھا" وہ معمولی آدمی سمجھکر گفتگو کے لئے تیار ہو گیا۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ اُس گفتگو میں یہ بھی تھا کہ اُس نے کہا عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ ہیں مولانا نے اس کی تفسیر پوچھی تو وہ نہ بتلا سکا۔ اس میں مزاحاً یہ سوال بھی فرمایا کہ کلمے کے یہ اقسام ہیں پھر اُن اقسام کے یہ اقسام ہیں عیسیٰ علیہ السلام ان میں سے کلمہ کی کون قسم تھے تو وہ منھ دیکھ رہا تھا اور جواب میں پریشان تھا آخر اُس کی میم نے یہ حالت معلوم کر کے ایک رقعہ بھیجکر اُس کو بلا لیا اور اُس نے جان چھوڑا کر چلے جانے کو غنیمت سمجھا ہم سب لوگ خوش بخوش مدرسہ واپس آئے۔
(۴) ایک بار اس احقر کے پاس ایک سرفراز نامہ آیا جس میں القاب میں مخدوم و مکرم کے الفاظ

تھے میں بیحد شرمندہ ہوا اور میں نے عریضہ میں اپنی اس خجلت کو ظاہر کر کے درخواست کی کہ ایسے الفاظ تحریر نہ فرمائے جایا کریں اُس کے بعد جو والا نامہ آیا پھر اُس میں وہی الفاظ آخر میں میں نے عرض کیا کہ میری درخواست منظور نہ ہونے سے معلوم ہوا کہ حضرت کو اسی میں راحت ہے گو مجھ کو کلفت ہے مگر میں حضرت کی راحت کو اپنی راحت پر مقدم سمجھتا ہوں اب جو مرضی ہو اختیار فرمایا جاوے میں گوارا کروں گا۔

(۵) یہ میری کوتاہی ہے یا کم ہمتی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کتابت کا بہت ہی کم اتفاق ہوا اور جو بعض اوقات اس کی نوبت بھی آئی اور اُس کا جواب بھی بالالتزام عطا ہوا تو اُن کی حفاظت کا کچھ التزام نہیں ہوا اسوقت کُل تین والا نامے محفوظ یاد آتے ہیں۔ ایک تو تفسیر کے متعلق ایک سوال کے جواب میں ہے جو تتمہ جلد رابع فتاویٰ امدادیہ صفحہ ۲۶۳ میں مطبوع ہو گیا ہے وہاں ملاحظہ فرمالیا جاوے اور دو معمولی مضمون کے ہیں اُن کو ذیل میں برکت کے لئے نقل کرتا ہوں حضرت کے مذاق تواضع و شفقت پر دلالت کے لئے یہ بھی دو شاہد عدل سے کم نہیں ہیں۔

سراپا فضل و کمال شرفکم اللہ تعالےٰ وجعلکم فوق کثیر من الناس۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بارہا آپ کی خیریت معلوم ہونے کا داعیہ پیدا ہوا اور ایک دو دفعہ بعض آیندگان کی زبانی آپ کی خیریت معلوم بھی ہوئی اللہ تعالےٰ آپ کو مع جملہ متعلقین خیریت سے رکھے۔ اس وقت ایک صاحب بنگالی مسمی عبد المجید سے ملاقات ہوئی جو ہندوستان واپس ہو رہے ہیں اور جناب کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد رکھتے ہیں یہ موقع غنیمت معلوم ہوا اس لئے یہ عریضہ روانہ کرتا ہوں۔ بندہ مع رفقاء بحمد اللہ اسوقت تک بالکل خیریت اور اطمینان سے ہے شروع رجب میں مکہ معظمہ حاضر ہو گیا تھا اسوقت تک یہیں حاضر ہوں مجھکو امید ہے کہ فلاح و حُسن خاتمہ کی دعا سے اس دور افتادہ کو فراموش نہ فرماویں گے۔ آیندہ قیام کی نسبت ابھی کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ مولوی شبیر علی صاحب۔ مولوی محمد ظفر صاحب مولوی عبد اللہ صاحب وغیرہ حضرات سے سلام مسنون فرمادیجئے۔ مولانا مولوی محمد یحییٰ صاحب مولانا قمر الدین صاحب کی وفات سے افسوس بر افسوس ہے اِنا للہِ رحمہما اللہ تعالےٰ والسّلام علیکم وعلیٰ من لدیکم فقط بندہ محمود عفی عنہ۔ منشی رفیق احمد صاحب کی خدمت میں سلام خدا کرے اُن کا رسالہ روبترقی ہو۔ مکہ معظمہ ۱۲ محرم چہار شنبہ

معدن حسنات و خیرات دام ظلکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ نامہ سامی موجب مسرت و امتنان ہوا۔ جو ہوا اکرمین و مخلصین کی ادعیہ مقبولہ کا ثمرہ ہے ادام اللہ فیوضھم و برکاتھم احقر اور رفقاء

و متعلقین بحمد اللہ خیریت سے ہیں سب کا سلام مسنون قبول ہو۔ والسلام علیکم و علی من لدیکم فقط
بندہ محمود عفی عنہ از دیوبند دوئیم شوال روز یکشنبہ۔

(۶) حضرت کے انصاف اور حق پرستی اور رعایتِ دین کا نمونہ ایک قصہ سے واضح ہوتا ہے ایک قصبہ میں ایک رئیس اور عالم کے یہاں جو اپنے ہی مجمع کے ہیں ایک تقریب تھی احقر بھی اُس میں مدعو تھا اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی اور دیگر حضرات بھی۔ وہاں پہونچکر معلوم ہوا کہ رسوم بدعت میں سے کوئی رسم وہاں نہیں اور کیونکر ہوتی جبکہ صاحب تقریب خود بدعت سے مانع تھے مگر عام برادری کی دعوت تھی جس کو میں بنا برتجربہ رسوم تفاخر میں سے سمجھتا ہوں اور جن اکابر پر حسن ظن غالب ہے۔ وہ اُس میں توسّع فرماتے ہیں۔ چنانچہ اسی تفاوت کا یہ اثر ہوا کہ میں تو بلا شرکت واپس آگیا اور دیگر حضرات نے شرکت فرمائی۔ خود اپنے ہی مجمع میں اس کا مختلف عنوانوں سے بڑا غوغا ہوا اور مجھ سے تو جب اس اختلاف کے متعلق کسی نے سوال کیا میں نے تو بزرگوں کے ادب کی رعایت ہی مدنظر رکھکر جواب دیا مگر عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بھی جو بعض نے سوال کیا تو باوجودیکہ حضرت کے ذمہ اس احقر کی رعایت کی کون ضرورت تھی لیکن جو جواب عطا فرمایا اس میں جس درجہ رعایت ہے وہ قابل غور ہے وہ جواب یہ تھا کہ واقعی بات یہ ہے کہ عوام کے مفاسد کی جس قدر فلاں شخص (یعنی احقر) کو اطلاع ہے ہم کو اطلاع نہیں اس لئے اُس نے احتیاط کی "حقیقت یہ ہے کہ ع بریں نکتہ گرجاں فشانم رواست۔ یہ جواب مجھ سے بعض ثقات نے نقل کیا۔

(۷) اسی قصۂ مذکورہ متصلہ کی نظیر اسی انصاف اور حق پرستی اور رعایت کا نمونہ یہ قصہ بھی ہے (اور اس وقت اسی پر اس ذکر محمود کو ختم بھی کردوں گا) کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جب مالٹا سے تشریف لائے تو بعض خاص اسباب سے بعض خاص معاملات میں بعض خاص خیالات ظاہر فرمائے اور اعلاماً و عملاً اُن میں حصہ لیا جس کا مبنیٰ محض خلوص کے ساتھ اسلام و اہل اسلام کی خدمت تھی۔ چونکہ وہ مسائل اجتہادی تھے جن میں شرعاً گنجائش اختلاف کی ہوتی ہے اور اُن میں بعضے پہلو دنیوی اور دینی خطرات بھی رکھتے تھے جو شرعاً واجب التحرز تھے بعض اہل علم نے اُن خطرات و مضرات پر نظر کرکے اُن تحریکات میں رأیاً و عملاً شرکت نہیں کی اور احقر کا خیال بھی اُن ہی علیحدگی رکھنے والوں کے موافق تھا اور اس علیحدگی کو اکثر اہل محبت مفرطہ نعوذ باللہ حضرت کی مخالفت سمجھتے تھے مگر خود حضرت کی کیفیت تھی کہ جب میں زیارت کے لئے دیوبند حاضر ہوا تو میرے ساتھ میرے ایک دوست بھی تھے جو ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے اور

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے وہ مجھ سے کہتے تھے کہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ اشرف اسوقت آیا ہوا ہے اگر ان امور میں گفتگو فرما لیجئے تو شاید رائے متفق ہو جاوے۔ ارشاد فرمایا کہ نہیں مناسب نہیں جو شخص اپنا لحاظ کرتا ہو اُس سے ایسی گفتگو کرنا مناسب نہیں۔ نیز گفتگو سے رائے نہیں بدلا کرتی ہے۔ واقعات سے بدلا کرتی ہے اللہ اکبر اس انصاف و رعایت کی کچھ حد ہے۔

نیز ایک صاحب اسی مضمون کے متعلق کہتے تھے کہ وہ دیوبند حاضر تھے بعض لوگ اس احقر کی شکایتیں ان معاملات میں کر رہے تھے حضرت نے سُن لیا فرمایا کہ افسوس تم ایسے شخص کی شکایتیں کرتے ہو جس کو میں ایسا ایسا سمجھتا ہوں (یہاں بعض الفاظ میری شان سے بہت ارفع ہیں اس لئے میں نے اُن کو نہیں لکھا کہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک)۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں کیا مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے۔ میری ایک رائے ہے سو اُس کی (یعنی احقر کی) بھی ایک رائے ہے اس میں اعتراض و شکایت کی کیا بات ہے۔

نیز بعضے لوگوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ان ہی تحریکات کی تقویت کے لئے تھانہ بھون لانا چاہا اور درخواست کی تو ایک شخص کہتے تھے کہ حضرت نے یہ جواب دیا کہ وہاں فلاں شخص (یعنی احقر) موجود ہے میرے جانے سے اُس کو تنگی ہوگی کیونکہ موافقت تو اُس کی رائے کے خلاف ہوگی اور عدم موافقت سے شرمائے گا اس لئے وہاں نہیں جاتا۔

اسی طرح ایک موقع پر یہ ارشاد فرمایا کہ تم کیوں بار بار اُس پر اعتراض کرتے ہو۔ وہ بھی دین کا ایک کام کر رہا ہے۔ سبحان اللہ اللہ اکبر میں تو اکثر اوقات اپنے بزرگوں کے ایسے کمالات پیش کر کے دوسری جماعتوں کو خطاب کر کے کہا کرتا ہوں ؎

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

واقعہ نمبر ۷

حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے جید عالم اور کامل درویش تھے۔ آپ اول حضرت نواب قطب الدین خاں صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ پھر بعد انتقال نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ تکمیل سلوک شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکی قدس سرہٗ العزیز سے فرمائی اور مشرف بہ خلافت ہوئے۔ ہمارے حضرت والا کے استاد اوّل آپ ہی تھے۔ حضرت والا نے ابتدائی کتب فارسی و عربی آپ ہی سے پڑھی تھیں۔

انصاف

مولانا فتح محمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

اور چونکہ آپ سراپا دین اور بہت ہی با برکت اور صاحب نسبت بزرگ تھے اور اپنے شاگردوں پر بیحد شفیق تھے۔ اس لئے آپ کی صحبت و تعلیم و تربیت جو اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو بالکل نوعمری اور طالب علمی کے بالکل ابتدائی زمانہ ہی میں جبکہ قلب مبارک تمام آلودگیوں سے پاک وصاف تھا میسر فرمادی تھی۔ مفتاح برکات وسعادات اور کلید خیرات وحسنات ثابت ہوئی۔ اور دل میں دین کی محبت کا نقش اولین آپ ہی کے فیض صحبت سے کالنقش فی الحجر جاگزین ہوا۔ چنانچہ حضرت والا بہزار منت ومسرت فرمایا کرتے ہیں کہ جو اصل سرمایہ ہے جس کو دین کی محبت کہتے ہیں وہ مجھ کو مولانا رح ہی کے فیض صحبت سے حاصل ہوا۔ کیونکہ مولانا دین کے عاشق تھے۔ مولانا رح کی برکت سے دین کا یہاں تک شوق بڑھ گیا تھا کہ میں نابالغی ہی کے زمانہ میں تہجد پڑھنے لگا تھا اھ۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نہایت منکسر المزاج اور سادہ وضع تھے علاوہ بریں جثہ بھی بہت نحیف اور قد و قامت بھی نہایت مختصر تھا۔ دیکھنے میں گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ یہ اس درجہ کے شخص ہیں۔ ایکبار حضرت والا اپنے ایک عزیز مہمان کو مولانا رح کی زیارت کرانے لے گئے۔ مولانا رح نے حضرت والا کی بہت تعظیم وتکریم کی۔ جب حضرت والا قریب مغرب لوٹے تو انھیں مہمان عزیز نے پوچھا کہ آپ اپنے اُستاد کے پاس بیچلنے کہتے تھے کیا وہاں نہ چلئے گا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ وہی تو میرے اُستاد تھے جن کے پاس سے ہم ابھی آرہے ہیں۔ اُنھوں نے تعجب سے کہا کہ کیا وہی اُستاد تھے۔ وہ تو شاگرد سے بھی نہیں معلوم ہوتے تھے۔

مولانا رحمہ اللہ کو تقویٰ کا اس درجہ اہتمام تھا کہ ایک بار حضرت والا کے پاس تشریف لاکر فرمانے لگے کہ جب دو آدمی ایک جگہ رہتے ہیں تو اُن میں کچھ تعلقات بھی ہوجاتے ہیں اور اُن تعلقات کی وجہ سے کچھ حقوق بھی ہوجاتے ہیں جن میں کبھی کچھ کوتاہیاں بھی ہوجاتی ہیں لہذا مجھ سے بھی ضرور کچھ کوتاہیاں ہوئی ہوں گی اُن کی میں معافی چاہتا ہوں اھ۔

حضرت والا فوراً سمجھ گئے کہ طالبعلمی کے زمانہ میں مولانا نے جو مجکو شاذ و نادر کبھی پیٹا پاٹا تھا یہ اُس کی معافی اس لطیف عنوان سے چاہی جارہی ہے۔ عرض کیا حضرت جس چیز کی معافی چاہی جارہی ہے اُس کو میں سمجھ گیا ہوں تو بہ توبہ حضرت وہ تو عین شفقت و رحمت تھی اُس کی معافی کیسی یہ جو دو حرف آگئے ہیں یہ اُسی کی تو برکت ہے۔ فرمایا نہیں معاف ہی کردو۔ حضرت والا نے بہت عذر کیا لیکن نہ مانے بالآخر حضرت والا کو یہ کہنا ہی پڑا کہ میں نے معاف کیا۔ کیا ٹھکانا ہے مولانا رح کی احتیاط و

لحاظ کا۔

مولانا رحمہ گردونواح کے قصبات کا جب سفر فرماتے تو ہمیشہ پیادہ پا تشریف لیجاتے چنانچہ ایک بار اسی طرح گنگوہ پیادہ پا تشریف لئے جا رہے تھے۔ حضرت والا بھی بہلی میں سوار ہو کر گنگوہ ہی کے قصد سے روانہ ہوئے راستہ میں دیکھا کہ مولانا بھی تشریف لئے جا رہے ہیں۔ حضرت والا فوراً بہلی سے اُترے اور عرض کیا کہ حضرت بہلی میں جگہ کافی ہے سوار ہو لیں لیکن مولانا راضی نہ ہوئے حضرت والا بجائے اصرار کرنے کے خود بھی پیادہ پا ساتھ ہو لئے اور عرض کیا کہ بہتر ہے جس میں راحت ہو۔ میں اصرار نہیں کرتا۔ مولانا رحمہ نے فرمایا کہ یہ تو اصرار سے بھی بڑھ کر ہے۔ پھر فرمایا کہ مجھے تو عادت ہے تم کو پیادہ پا چلنے میں تکلیف ہوگی تم سوار ہو لو۔ عرض کیا کہ حضرت یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ تو پیدل چلیں اور میں سواری میں بیٹھوں۔ میرا تو سواری میں بیٹھنا آپ کے قبضہ میں ہے۔ غرض مجبور ہو کر مولانا رحمہ کو بہلی میں بیٹھنا ہی پڑا۔ اور حضرت والا بلا اصرار محض حسن تدبیر سے مولانا رحمہ کو راحت پہونچانے میں کامیاب ہو گئے۔ مولانا رحمہ غایت تواضع وشفقت کی بنا پر اکثر خود ہی حضرت والا کی ملاقات کے لئے تشریف لے آتے تھے۔ مولانا رحمہ کو کتابوں کا بڑا شوق تھا حالانکہ بوجہ بینائی کمزور ہونے کے خود مطالعہ کا موقع کم ملتا تھا۔ ایک بار کوئی نئی کتاب منگوائی تھی جو کئی بڑی بڑی جلدوں میں تھی اُن سب کو خود ہی لاد کر حضرت والا کے پاس لائے اور فرمایا کہ میں تو ان کے دیکھنے سے معذور ہوں تم دیکھو حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ جس طرح مولانا رحمہ اپنی حیات میں زیادہ تر خود ہی تکلیف فرما کر اپنی زیارت کرا جاتے تھے اُسی طرح اتفاق سے جس روز انتقال فرمایا بہت زور کی بارش ہو رہی تھی۔ اس لئے بجائے اس کے کہ میں خود جنازہ کی نماز پڑھنے کے لئے حاضر ہوتا جس کی مجکو بخوف بیمار پڑجانیکے کیونکہ زمانہ طاعون شدید کا تھا ہمت نہ پڑی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اعزّہ جنازہ ہی کو میرے پاس لے آئے اُس وقت مجھ کو مولانا رحمہ کا معمول ہمیشہ خود ہی تشریف لانے کا یاد آگیا اھ۔ اسپر احقر مؤلف کو ایک اور واقعہ یاد آگیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا رحمہ کو حضرت والا کے ساتھ عالم برزخ میں بھی شفقت کا تعلق باقی ہے۔ حضرت والا ایک بار سفر کانپور سے واپس تشریف لائے تو مولانا کے داماد جناب حافظ عصمت اللہ صاحب نے جو حضرت والا کے ہم سبق بھی بچپن میں رہے ہیں مولانا رحمہ کو خواب میں دیکھا کہ حضرت والا کے متعلق یہ فرما رہے ہیں کہ وہ کانپور سے آئے ہیں تم اُن کی دعوت کیوں نہیں کرتے۔ دعوت کرو اور یہ جو مرغا گھر میں پلا ہوا ہے اسے ذبح کر کے کھلاؤ اھ چنانچہ اُنھوں نے حضرت والا کی دعوت کی اور وہی مرغا ذبح کر کے کھلایا۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ مولانا رحمہ کو اپنے شاگردوں سے بہت ہی

محبت تھی اور پڑھانے کا بہت ہی شوق تھا۔ بس یوں چاہتے تھے کہ جو کچھ مجھے آتا ہے اُسے اپنے شاگردوں کو کسی طرح گھول کر پلا دوں اسی لئے وقت بے وقت گھیرے بیٹھے رہتے تھے یہاں تک کہ پڑھنے والا بھی تنگ آجاتا تھا۔ جب طاعون میں انتقال فرمایا تو اُس کے بعد یکے بعد دیگرے کئی شاگردوں کا طاعون ہی میں اسطرح انتقال ہوا کہ رات کو خواب میں مولانا کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں آؤ سبق پڑھ لو اور صبح کو یا دو چار دن میں انتقال ہو گیا۔ بعضے باہر کے طالب علم تھے اُن کا بھی یہاں سے چلے جانے کے بعد اسی طرح ایک ایک کر کے انتقال ہو گیا کہ مولانا نے خواب میں فرمایا کہ آؤ سبق پڑھ لو اور بس وہ رخصت ہوئے۔ اس طرح مولانا رح نے گویا اپنے انتقال کے وقت کے سارے شاگردوں کو ایک ایک کر کے اپنے پاس وہاں بھی جمع کر لیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ مولانا رح کو حضرت والا سے بہت ہی تعلق تھا اور باوجود اُستاد ہونے کے نہایت تعظیم و تکریم فرماتے تھے۔ اور حضرت والا کو بھی مولانا رح سے بیحد عقیدت تھی اور ابتک مولانا رح کے حالات مبارکہ بیان فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ سبحان اللہ کیا زمانہ تھا اور کیسے حضرات تھے۔

واقعہ نمبر ۸

حضرت حاجی سید محمد عابد صاحب دیوبندی رح شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے مُجازین خاص میں سے تھے اور عملیات میں خصوصیت کے ساتھ شہرۂ آفاق تھے۔ کچھ دن مدرسہ دیوبند کے مہتمم بھی رہے۔ اس درجہ پابند معمولات و اوقات تھے کہ ایک بار حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح نے فرمایا کہ جاننے والا ہر وقت یہ بتا سکتا ہے کہ اسوقت حاجی صاحب فلاں کام میں مشغول ہوں گے اور اگر کوئی اُس وقت جا کر دیکھے تو اُن کو اُسی کام میں مشغول پائے کبھی اس کے خلاف نہیں ہو سکتا اھ۔

حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت والا کو طالب علمی کے زمانہ میں بکثرت شرف زیارت حاصل ہوتا رہتا تھا کیونکہ اکثر حضرت والا چھتہ والی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے جہاں حاجی صاحب کا زیادہ تر قیام رہتا تھا۔ اُسی مسجد میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح بھی نماز پڑھا کرتے تھے اور امامت بھی فرماتے تھے۔ مولانا رح کی عدم موجودگی میں حاجی صاحب امامت فرماتے تھے اور اوقات کثیرہ میں بجائے خود امامت کرنے کے حضرت والا ہی سے نماز پڑھواتے اس سے حضرت والا کے ساتھ حسن ظن کا اندازہ فرما لیا جائے۔ نیز حاجی صاحب رح کا معمول تھا کہ رمضان شریف

میں افطاری کا بڑے پیمانہ پر انتظام فرماتے اور سب کو تقسیم فرماتے۔ اور یہی معمول مکہ معظمہ کے بھی قیام میں رکھا۔ اُسی زمانہ میں حضرت والا بھی مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ افطار کے وقت حرم شریف میں جس جگہ حضرت والا ہوتے۔ حاجی صاحب رح حضرت والا کے افطاری کا حصہ وہیں بھیجتے۔ اس سے خصوصیت کا اندازہ فرمالیا جائے۔ حضرت والا بھی اتنا ادب و لحاظ فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں حاجی صاحب رح سے مدرسہ دیوبند کے بعض دیگر حضرات کو کشیدگی ہوگئی تھی حضرت والا کا اتفاق دیوبند تشریف لیجانیکا ہوا۔ پُرانے تعلقات کی بناء پر حضرت والا کے دل نے یہ گوارہ نہ کیا کہ حاجی صاحب رح سے نہ ملا جائے اُدھر اپنے حضرات اساتذہ کا لحاظ بھی ضروری تھا۔ حضرت والا کو سخت کشاکشی پیش آئی۔ بالآخر ہمت کر کے حضرت مولانا محمود حسن صاحب رح سے بہ ادب عرض کیا کہ حضرت پُرانے تعلقات کی بناء پر میں جب کبھی دیوبند حاضر ہوتا ہوں حضرت حاجی سید محمد عابد صاحب کی خدمت میں بھی ضرور حاضری دیا کرتا ہوں۔ ایکی مرتبہ بڑی کشمکش میں مبتلا ہوں اگر حاضر نہیں ہوتا تو سخت بے مروتی اور بیوفائی سی معلوم ہوتی ہے اور اگر حاضر ہوتا ہوں تو ممکن ہے مدرسہ کی مصالح کے خلاف ہو مولانا نے فرمایا نہیں نہیں ضرور جاؤ۔ مصالح کے خلاف نہیں بلکہ اس میں مدرسہ کی یہ مصلحت ہے کہ اُن کی مخالفت کم ہوگی۔

چونکہ حاجی صاحب رح بڑے درجہ کے پیر بھائی تھے اس لئے حضرت والا نے حالت ہیبت کے طریان کے زمانہ میں اپنے اشکال باطنی کے متعلق مشورہ بھی لیا تھا جس کے جواب شافی ملنے پر حضرت والا کو اس کا اعتقاد ہوگیا کہ حاجی صاحب علاوہ عملیات میں ماہر ہونے کے شیخ محقق بھی ہیں اس کا مفصل ذکر انشاء اللہ تعالےٰ باب بیعت و استفاضۂ باطنی میں آئیگا۔

واقعہ نمبر ۹

حضرت حاجی محمد انور صاحب دیوبندی رح خلیفہ حضرت حاجی سید محمد عابد صاحب دیوبندی رح بھی بڑے صاحب نسبت بزرگ تھے بلکہ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ اپنے شیخ سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ حج سے واپس آنے کے بعد اُن کے اوپر ایک ایسی حالت طاری ہوئی جس سے لوگوں کا یہ گمان ہوا کہ جنون ہوگیا ہے۔ اپنی چیزیں لوگوں کو مفت دے ڈالتے کھانے بکثرت پکوا کر تقسیم عام کراتے۔ اور ہر وقت ایک سُکر کی سی کیفیت غالب رہتی۔ اُسی زمانہ میں حضرت والا اتفاق سے دیوبند تشریف لائے تو عیادت کے لئے پہونچے حاجی صاحب رح

حضرت حاجی محمد انور صاحب دیوبندی رح

نے حضرت والا سے خلوت میں فرمایا کہ میں آپ سے ایک بات کہتا ہوں جو میں نے ابتک کسی سے ظاہر نہیں کی۔ لیکن آپ اُس کو میری زندگی میں کسی پر ظاہر نہ کریں وہ بات یہ ہے کہ میں نے حرم شریف میں بعض حضرات انبیاء علیہم السلام کی بیداری میں زیارت کی ہے۔ یہ جو میری حالت ہے یہ اُنھیں حضرات کی نظر کا اثر ہے۔ اھ۔ حضرت والا سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا تنہائی میں کوئی خاص بات فرمائی ہے۔ حضرت والا نے سچی بات فرمادی کہ ہاں ایک خاص بات تو فرمائی ہے لیکن مجھے ممانعت فرمادی ہے کہ میری زندگی میں کسی پر ظاہر نہ کرنا اس لئے میں اُس کو ظاہر نہیں کرسکتا۔

حضرت والا نے حسب وصیت حاجی صاحب کی زندگی میں کسی پر وہ بات ظاہر نہ فرمائی۔ البتہ بعد وفات اخفاء کا اہتمام نہیں فرمایا۔

اس واقعہ سے بخوبی ظاہر ہے کہ حاجی صاحب رحمہ نے اپنے اس خاص راز باطنی کا اہل صرف حضرت والا کو سمجھا اور کسی پر اُس کا اظہار نہ فرمایا بلکہ حضرت والا کو بھی اُس کے اظہار سے ممانعت فرمادی۔

واقعہ نمبر ۱۰

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ کے خلیفۂ اعظم تھے۔ حضرت والا سے بہت ہی محبت فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک بار اپنے ایک معتقد خاص سے فرمایا کہ مجھے اُن سے (یعنی حضرت والا سے) اُسوقت سے محبت ہے جسوقت اس محبت کی اُنھیں خبر بھی نہ تھی۔ یہ ارشاد عنقریب رسالہ خوان خلیل سے بھی انشاء اللہ تعالیٰ نقل کیا جائے گا۔

احقر جب حضرت والا کی خدمت میں تھانہ بھون حاضر ہوتا تو راستہ میں سہارنپور بھی پڑتا۔ اور اکثر بلکہ ہمیشہ ایاباً و ذہاباً حضرت مولانا رحمہ کی زیارت کا بھی موقع ضرور نصیب ہو جاتا۔ اسپر ایکبار بغایت تواضع و شفقت فرمایا کہ میں بھی رہگذر میں پڑا ہوا ہوں۔ مجھے بھی مولانا کی خدمت میں آنے جانے والے صلحاء کی زیارت ہوتی رہتی ہے اھ۔

اب حضرت مولانا رحمہ کی جو عنایات و توجہات حضرت والا پر تھیں اُن کے چند واقعات خوان خلیل تذکرۂ حضرت مولانا رحمہ مصنفہ حضرت والا سے بطور نمونہ ذیل میں ملخصاً نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱) یوں تو مولانا رحمہ سے اس احقر کو مدت دراز سے نیاز حاصل تھا لیکن زیادہ خصوصیت اُس زمانہ سے ہوئی جب سے میں کانپور کا تعلق چھوڑ کر وطن میں مقیم ہوا اور سہارنپور کی آمد و رفت میں

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری

کثرت ہوئی جس میں مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر تو گویا بالالتزام حاضری ہوتی تھی اور متفرق طور پر بھی بکثرت آنا جانا رہتا تھا اور ہر حاضری میں طویل طویل اوقات مولانا کی صحبت سے مستفید رہتا تھا در عجیب بات یہ ہے کہ باوجودیکہ میں ہر طرح چھوٹا تھا عمر میں بھی طبقہ میں بھی اور علم و عمل میں تو مجھکو کوئی نسبت ہی نہ تھی اُس میں تو چھوٹے بڑے ہونیکی نسبت کا ذکر بھی ایک درجہ میں اقرار ہے علم و عمل کا اگر مولانا کا برتاؤ مساویانہ تو یقینی ہی تھا بعض اوقات ایسا برتاؤ فرماتے تھے جیسے چھوٹے کرتے ہیں بڑوں کے ساتھ اس سے زیادہ کیا درجہ ہوگا تواضع کا یہ بنا تو یقینی تھی اور احتمال یہ بھی ہے کہ شاید اس واقعہ کو بھی دخل ہو کہ مولانا بواسطہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ سے منتسب تھے اور یہ احقر بلاواسطہ اگر یہ بھی تھا تو اس حفظ مراتب کا جو کہ حکمت عملیہ کا اعلیٰ شعبہ ہے کامل ثبوت ہوتا ہے۔

(۲) مولانا نے اپنے ایک معتقد خاص سے فرمایا تھا کہ مجکو اشرف سے اُس وقت سے محبت ہے جس وقت اُس کو خبر بھی نہ تھی۔

(۳) باوجود میرے کم مرتبہ ہونے کے گاہ گاہ مجکو ہدایا سے بھی مشرف فرمایا ہے۔

(۴) احقر مولانا کے سامنے وعظ کہتا ہوا بیحد شرماتا تھا گو امتثال امر کے سبب عذر نہ کر سکتا تھا لیکن مولانا نہایت شوق و رغبت سے استماع فرماتے تھے۔

(۵) ایکبار احقر کے مواعظ کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ اس کے بیان میں کہیں انگلی رکھنے تک کی گنجائش نہیں

(۶) گاہ گاہ غریب خانہ کو بھی اپنے اقدام سے مشرف فرماتے تھے۔ مجھکو یاد ہے کہ غالباً جب اول بار تشریف آوری ہوئی تو احقر نے جوش محبت میں کھانے میں کسی قدر تکلف بھی کیا اور اہل قصبہ میں سے بھی بعض عمائد کو مدعو کر دیا کہ عرفاً یہ بھی معزز ضیف کا اکرام ہے (ان بعض عمائد نے میری اس خدمت کا حق ادا کیا کہ بعد جلسۂ دعوت کے مجھکو بدنام کیا کہ طالب علم ہو کر اتنا تکلف کیا۔ پانچ چھ کھانے والوں کے سامنے بہتر یا ساٹھ برتن تھے۔ میں عدد بھول گیا کہ کونسا فرمایا تھا اس روایت کے قبل مجھ کو تکلف کی مقدار کی طرف التفات بھی نہ ہوا تھا) مولانا نے مزاحاً فرمایا کہ یہ تکلف کیوں کیا گیا میں نے عرض کیا کہ اس کا سبب خود حضرت ہی ہیں اگر بکثرت کرم فرماتے تو ہرگز تکلف نہ کرتا۔ یہ تقلیل سبب ہے اس تکثیر کا اس کے بعد آمد کی تکثیر ہو گئی اور تکلف کی تقلیل۔

(۷) میرا ایک دوست سے اس مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ پشت کی طرف سے فوٹو لینے میں جس میں چہرہ نہ آوے گنجائش ہے یا نہیں جانبین سے مکاتبت کا سلسلہ چلتا رہا آخر میں احقر نے اُس دوست کو مولانا رح کے فیصلہ پر راضی کر کے تحقیق مسئلہ کی درخواست کی مولانا نے خوشی سے قبول فرما کر

مسئلہ کا فیصلہ کر دیا چنانچہ ہم دونوں نے قبول کر لیا یہ محاکمہ تتمہ جلد رابع فتاویٰ امدادیہ کے آخر میں شائع ہو چکا ہے اس محاکمہ کی تمہید میں مولانا کی عبارت قابل دید ہے وہی ہذہ - بندۂ ناچیز بہ اعتبار اپنے علم وفہم کے اس قابل نہیں کہ علماء اعلام کے اختلاف کا فیصلہ کر سکے مگر ہاں امتثالاً للامر الشریف اس مسئلہ میں جو کچھ خیال میں آیا عرض کرتا ہے الخ

(۸) بیر محمد والی مسجد کی سمت جنوب میں جو سہ دری مسجد سے ملی ہوئی ہے اُسپر سائبان ڈالا گیا تو مولانا نے اس کے متعلق ازخود کچھ تحریر فرمایا جس کا یہاں سے جواب عرض کیا گیا چند بار ہمیں مکاتبت ہوئی جس میں کوئی اخیر فیصلہ نہیں ہوا اس مکاتبت کا نام مسائلۃ اہل الخلۃ فی مسئلۃ الظلۃ ہے جو ترجیح الراجح کے حصۂ دوم کے اخیر کے قریب میں شائع ہوا ہے اس میں مکتوب سوم کے شروع میں ایک عجیب دلربا جملہ ہے وہی ہذا - گرامی نامہ موجب برکت ہوا کئی روز تک تو یہ خیال رہا کہ مسئلہ کے متعلق کچھ عرض کروں یا نہ کروں مبادا تکرار موجب بار ہو بالآخر یہ خیال ہوا کہ اپنا خیال ایک دفعہ اور عرض کر دوں الخ - ملاحظہ فرمایا جاوے اس جملہ میں رعایت حق و رعایت خاطر دونوں کو کس طرح جمع فرمایا گیا ہے اس کا اثر احقر پر یہ ہوا کہ اسپر جو عرض کیا گیا باوجودیکہ اُس کا جواب نہیں آیا مگر مجھکو ایک تنبیہ میں اس لکھنے کی ضرورت ہوئی کہ اس جواب نہ آنے کو حجت نہ سمجھا جاوے الیٰ قولی اس باب میں اہل علم سے مزید تحقیق کر لی جاوے -

(۹) ایک بار بعض عنایت فرماؤں نے بعض حکایات کی نسبت میری طرف خلاف واقع کر دی جس کا چرچا اپنے مجمع میں پھیل گیا - میں اُسوقت میرٹھ میں تھا اور اس چرچے سے بالکل غافل مجھکو ایک خیر خواہ دلسوز نے یہ خبر پہونچائی مجھکو بہت رنج ہوا اور سب سے زیادہ خیال مجھکو مولانا رح کے تکدر کا تھا اس لئے میں نے اس واقعہ کی حقیقت مولانا رح کی خدمت میں لکھ بھیجی - وہاں سے حسب ذیل جواب آیا معلوم نہیں لوگوں کو کیا مزہ آتا ہے کہ غلط روایتیں پہونچا کر اہل خیر کے قلوب کو دُکھاتے ہیں مجھ ناچیز کو جو تعلق اور محبت پہلے تھا وہی عقیدت بحمد اللہ موجود ہے - ؎

آں نیست کہ حافظ را مہرت رود از خاطر آں وعدۂ پیشینش تا روز پسیں باشد

جو قلبی محبت اور حبس کو ذخیرۂ آخرت سمجھ رکھا ہو وہ انشاء اللہ تعالےٰ بدل نہیں سکتی جو روایتیں پہنچی ہیں اُن میں مبالغہ سے بہت کام لیا گیا ہے انتہیٰ - مخلصاً بقدر الضرورت یہ واقعہ حکایات الشکایات نمبر ۲ کے آخر میں مذکور ہے بعد اختتام قصہ کے مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ اُس دلسوز خیر خواہ کے ذریعہ سے بدون اپنی طرف نسبت کرنے کے میں نے ہی یہ خبر پہونچائی تھی تاکہ تاخیر تدارک

سے بات بڑھ نہ جائے ۔

(۱۰) ایک تقریب غسل صحت ختنہ میں اتفاق سے یہاں سے احقر اور سہارن پور سے مولانا رحمہ اور دیوبند سے حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمہم اللہ تعالےٰ ایک قصبہ میں مجتمع ہوگئے مگر بعض عوارض کے سبب میں تو بلا شرکت واپس آگیا اور دیگر حضرات نے اُن عوارض کی طرف التفات نہیں فرمایا اور شرکت فرمائی اس کے بعد مولانا رح سے کسی نے اس کی وجہ پوچھی کیسا تواضع کا جواب ارشاد فرمایا کہ ہم نے فتوے پر عمل کیا اور فلاں شخص (یعنی احقر) نے تقوے پر عمل کیا ف اس جواب سے جس قدر تواضع اور اختلافی امر میں شق مقابل کے اختیار کرنے والے کے عمل کی حسن توجیہ مرعی ہے ظاہر ہے ۔

نوٹ - از مؤلف اشرف السوانح حضرت مولانا دیوبندی رح نے جو جواب ارشاد فرمایا تھا وہ مع تفصیل قصّہ واقعہ نمبرہ کے ذیلی نمبر۲ میں رسالہ ذکر محمود سے نقل کیا جاچکا ہے ۱۲

(۱۱) مولانا رح میں حضرات سلف کی سی تواضع تھی کہ مسائل واشکالات علمیہ میں اپنے چھوٹوں سے بھی مشورہ فرماتے تھے اور چھوٹوں کے معروضات کو شرح صدر کے بعد قبول فرمالیتے تھے ۔ چنانچہ ایکبار سفر بھاول پور میں اس احقر سے ارشاد فرمایا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبول ہدایا کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پہلے سے اشراف نفس نہ ہو مگر سفر میں اکثر داعی کی عادت ہوتی ہے کہ مدعو کو کچھ ہدیہ دیتے ہیں اس عادت کے سبب اکثر خطور بھی ایسے ہدایا کا ذہن میں ہوجاتا ہے سو کیا خطور بھی اشراف نفس وانتظار میں داخل ہے جس کے بعد ہدیہ لینا خلاف سنّت ہے ۔

اس احقر میں کیا قابلیت تھی کہ ایسے عظیم الشان عالم اور عارف کے استفسار کا جواب دیسکوں لیکن چونکہ لہجہ استفسار امر بالجواب پر دال تھا اس لئے الامر فوق الادب کی بنا پر جواب عرض کرنا ضروری تھا چنانچہ میں نے عرض کیا کہ میرے خیال میں اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اس احتمال کے بعد دیکھا جاوے کہ اگر وہ احتمال واقع نہ ہو تو آیا نفس میں کچھ ناگواری پیدا ہوتی ہے یا نہیں اگر ناگواری ہو تو اس احتمال کا خطور اشراف نفس ہے اور اگر ناگواری نہ ہو تو اشراف نفس نہیں ہے خالی خطرہ ہے جو حکم میں مؤثر نہیں اس جواب کو بہت پسند فرمایا اور دعا دی ۔

(۱۲) ایک بار مجھ سے ارشاد فرمایا کہ حدیث میں ہے ۔ لن یغلب اثنا عشر الفاعن قلۃ ۔ اور اس میں کوئی قید مذکور نہیں تو کیا یہ مطلق ہے اور ہر صورت کو شامل ہے گو مقابلہ میں لاکھوں کافر ہوں یا یہ کہ کسی اور دلیل سے مقید ہے اطلاق پر یہ اشکال ہے کہ بہت جگہ اس عدد سے زیادہ ہونے کی

صورت میں بھی مسلمان مغلوب ہوگئے ہیں - میں نے عرض کیا کہ ظاہر حدیث کا تو اطلاق یہی ہے اور بدون دلیل قوی کے تقئید کی کوئی وجہ نہیں اور مسلمانوں کا کہیں مغلوب ہونا کوئی دلیل نہیں کیونکہ جہاں مسلمان مغلوب ہوئے ہیں سبب اُس کا کوئی علت ہے نہ کہ قلت اور وہ علت خواہ کوئی امر ظاہر ہو جیسے نا اتفاقی خواہ کوئی امر باطن ہو جیسے عُجب و نظرا ے الاسباب و نحوہما جیسا غزوہ حنین میں مسلمان بارہ ہزار اور کفار چار ہزار تھے (کمافی الجلالین) مگر اول میں مسلمان مغلوب ہوگئے جس کا سبب عُجب بالکثرت تھا (کمافی القرآن المجید اذ اعجبتکم کثرتکم) پھر آخر میں وہی مغلوب غالب ہوگئے (کما قال اللہ تعالےٰ ثم انزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المؤمنین وانزل جنودا لم تروھا) یہ انزال سکینہ مشروط ہے زوال سبب مغلوبیۃ کے ساتھ کہ وہ عُجب ہے اور یہ زوال توبہ ہے اھ قولی بمعناہ مولانا مسرور ہوئے اور اسکو پسند فرمایا **ف** اس سے مولانا کی تواضع وعدم استنکاف فی طلب الحق وسعی زیادت فی العلم ظاہر ہے جس میں امتثال ہے امر حق رب زدنی علما کا -

(۱۳) ایک سفر میں مولانا کی معیت میں بسواری ریل بھاولپور سے واپسی ہو رہی تھی اتفاق سے اُس درجہ میں صرف میں اور مولانا ہی تھے اور رفقار دوسرے درجہ میں تھے ظہر کا وقت تھا گرمی سخت تھی اور پسینہ کثرت سے نکل رہا تھا - مولانا غایت تواضع و بے تکلفی سے پنکھا ہاتھ میں لیکر مجھکو ہوا کرنے لگے میں اسکا تحمل کب کر سکتا تھا پریشان ہو کر پنکھا پکڑ لیا فرمانے لگے کیا حرج ہے کوئی دیکھتا تھوڑا ہی ہے یہ اس لئے فرمایا تھا کہ اُسوقت درجہ میں کوئی تیسرا نہ تھا - میں نے عرض کیا کہ دیکھتا تو ہے فرمایا کون دیکھتا ہے میں نے کہا کہ جس کے لئے میں آپ کا ادب کرتا ہوں وہ دیکھتا ہے ہنسنے لگے اور پنکھا چھوڑ دیا **ف** کیا انتہا ہے اس بے نفسی کا کہ اپنے چھوٹوں کے ساتھ یہ برتاؤ اور اس سے بڑھکر یہ کمال ہے کہ جب دیکھا طبیعت پر گرانی ہے تو اپنے ارادہ پر اصرار نہیں فرمایا اور یہ کمال بڑھکر اس لئے ہے کہ پہلے عمل میں تو اپنے رفیق کے جسم کی رعایت تھی اور دوسرے عمل میں قلب کی رعایت اور ثانی کا اول سے اکمل ہونا ظاہر ہے -

(۱۴) احقر کو بعض امور اجتہادیہ ذوقیہ متعلقہ معاشرت و انتظام میں رائے کا اختلاف تھا اور اُس اختلاف کے ہوتے ہوئے میرا یہ خیال تھا کہ مجھ کو مولانا سے صرف اعتقاد عقلی ہو سکتا ہے انجذاب طبعی نہ ہو گا مگر کیفیت یہ تھی کہ حاضری تو حاضری تصور کرنے سے اسقدر انجذاب ہوتا تھا کہ میری سمجھ میں نہ آتا تھا - اور غالباً اسی کا اثر ہو گا کہ خواب میں بھی اگر کبھی زیارت ہوئی تو اُسی شان سے ہوئی یہ کھلی دلیل ہے محبوبیت کی کہ مُحب کو گمان بھی نہیں بلکہ احتمال عدم کا ہے مگر طبیعت ہے کہ کھنچی

چلی جاتی ہے اور میں اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت اپنے اوپر سمجھتا ہوں کہ اس اختلاف کے ضرر سے مجھ کو محفوظ رکھا ۔ **نوٹ از مؤلف اشرف السوانح** الحمدللہ احقر کو بھی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی جانب بعینہٖ اسی قسم کا انجذاب طبعی عالم بیداری اور عالم رؤیا میں محسوس ہوتا رہا ہے۔

واقعہ نمبر ۱۱

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا گنگوہی رح کے خلفائے عظام میں سے تھے اور بڑے صاحب فیض و بابرکت بزرگ تھے ۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ شاہ صاحب کے ساتھ بھی میرا اعتقاد وجدانی اور غیر استدلالی تھا ۔ دل ہی گواہی دیتا تھا کہ شاہ صاحب بزرگ ہیں ۔ شاہ صاحب کے اکثر خدام میں سادگی اور دینداری اور انکسار کا ایک خاص رنگ نمایاں ہے جو شاہ صاحب کے صاحب برکت ہونے کی کھلی دلیل ہے ۔ حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اگرچہ شاہ صاحب بہت ہی متواضع تھے لیکن امر حق کہنے میں کسی کا لحاظ نہ فرماتے تھے ۔ نگاہیں نیچی کر کے جو کہنا ہوتا صاف صاف فرما دیتے اھ ۔ حضرت شاہ صاحب رح حضرت والا کے ساتھ بہت محبت و عنایت سے پیش آتے تھے اور وعظوں میں نہایت شوق و رغبت سے شرکت فرماتے تھے ۔ ایک بار حضرت والا شاہ صاحب رح کی عیادت کے لئے رائپور حاضر ہوئے ۔ مرض سے صحت ہو چکی تھی صرف کمزوری باقی رہ گئی تھی ۔ حضرت شاہ صاحب رح کمرہ کی چھت پر جو خلوت خانہ تھا اس میں قیام فرما تھے اور حضرت والا باغ کے صحن میں ۔ حضرت شاہ صاحب رح کو حضرت والا کے آرام کا اس درجہ خیال تھا کہ نیچے تشریف لا لا کر بار بار پوچھتے تھے کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے اور ہر وقت اس کی نگرانی رکھتے تھے کہ کسی قسم کی تکلیف تو نہیں یہاں تک کہ حضرت والا فرماتے ہیں کہ نگرانی کا یہ حال تھا کہ رات کو جو وقت بھی میری آنکھ کھلی دیکھتا ہوں کہ شاہ صاحب رح موجود ہیں ۔ قریب قریب رات بھر یہی مشغلہ رہا ۔ کھانے بھی پر تکلف کھلائے اور اپنے ایک خادم کی سفارش فرمائی کہ یہ میرے مخلص دوست ہیں یہ چاول بہت اچھے پکانا جانتے ہیں ۔ انھوں نے بڑی محبت سے آپ کے لئے کچھ چاول پکائے ہیں قبول فرمائے جاویں غرض بڑی ہی عنایت و توجہ اور تعظیم و تکریم سے پیش آئے ۔

بعض ثقات سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب رح اپنی بیماری کے زمانہ میں عیادت

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رح

کرنے والوں کے وقت بے وقت ہجوم سے پریشان ہو کر فرمانے لگے کہ مولانا تھانوی کے اصول بڑے ہی راحت کے ہیں۔

واقعہ نمبر ۱۱

حضرت مولانا صدیق احمد صاحب انبہٹوی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز کے خلفاء عظام میں سے تھے اور آپ بھی حضرت والا سے بہت محبت و عنایت کے ساتھ پیش آتے تھے اور باوجود عالم باعمل ہونے کے وعظوں میں شرکت فرماتے تھے۔ آپکی توجہ و عنایت کا کوئی خاص واقعہ حضرت والا سے نہیں سنا بجز عام عنایت کے تذکرہ کے اور سفر حج کی معیت کے۔ آپ کے ہر دو صاحبزادگان جو اہل علم ہیں اب حضرت والا ہی سے مستفیض ہو رہے ہیں۔

واقعہ نمبر ۱۲

حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح کے بہت محبوب اور ارشد تلامذہ میں سے تھے اور طریق باطن میں غالباً شیخ العرب والعجم حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز سے مُجاز تھے۔ آپ مشاہیر علماء ہند سے تھے اور آپکی فصیح و بلیغ تقریر و تحریر اور مہارت مناظرہ شہرۂ آفاق تھی۔ آپ کا اور حضرت والا کا مختلف جلسوں میں مختلف مقامات پر بارہا ساتھ ہوا اور دونوں کو تقریر کرنے اور ایک دوسرے کے بیان سننے کا اتفاق ہوا۔ جانبین ایک دوسرے کا بہت ادب و لحاظ فرماتے تھے حالانکہ حضرت والا عمر میں بہت چھوٹے تھے۔

ایک بار حضرت والا امروہہ میں مولانا رح کے یہاں مہمان ہوئے۔ اتفاق سے بیت الخلا پوچھنا بھول گئے۔ پچھلی شب جو قضاء حاجت کی ضرورت پیش آئی تو سخت پریشان ہوئے کہ اس وقت کس سے پوچھا جائے اسی کشمکش و پنج میں تھے کہ یکایک حضرت مولانا رح گھر میں سے باہر تشریف لے آئے۔ اور دریافت فرمایا کہ استنجے کی ضرورت تو نہیں! حضرت والا نے ضرورت ظاہر فرمائی تو پردہ کرا کر زنانخانہ میں لے گئے اور بیت الخلا میں مولانا رح خود اپنے دستِ مبارک سے استنجے کے ڈھیلے اور پانی کا لوٹہ رکھ آئے۔ حضرت والا کو سخت گراں گذرا اور بہت پس و پیش کی حالت میں فرمایا

کہ یہ ڈھیلے تو تبرک ہو گئے اب استنجا کا ہے سے کیا جاوے - لیکن مولانا رہ نے بغایت تواضع فرمایا کہ کیا ہوا اگر میں نے ہی رکھ دیئے - حضرت والا اس واقعہ کو نقل فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ ہماری جماعت میں مولانا رہ بہت ہی نفیس لباس پہنتے تھے جو بظاہر تکلف کی حد تک پہونچا ہوا معلوم ہوتا تھا چنانچہ مجھ کو بھی یہی گمان تھا لیکن اُس دن کے واقعہ سے میں مولانا رہ کی تواضع اور بے تکلفی اور سادگی کا بیحد معتقد ہو گیا اور سمجھ گیا کہ مولانا رہ کی خوش لباسی کا منشاء نفاست و نظافت مزاج تھا نہ کہ تکلّف ۔

حضرت والا حضرت مولانا رہ کے بعض پُر لطف مناظرانہ مکالمے جو نو تعلیم یافتوں سے ہوئے تھے نہایت تحسین کے ساتھ نقل فرمایا کرتے ہیں -

واقعات نمبر ۱۴ و ۱۵

حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری اور حضرت مولانا شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی رحمہما اللہ تعالےٰ جو حضرت والا کے پیر بھائی اور شیخ العرب والعجم حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے خلفاء مجازین میں سے تھے حضرت والا سے نہایت محبت فرماتے تھے - گو بعض مسائل اجتہادیہ سماع وغیرہ میں علمی اختلاف بھی تھا - مولانا کانپوری رہ کو حضرت والا سے ایسا خاص تعلق تھا کہ ایک دعوت میں حضرت والا کے سامنے کا بچا ہوا کھانا بطور تبرک سب کے سامنے نوش فرمایا حالانکہ مولانا کے علم و فضل کی کانپور میں بہت شہرت تھی اور نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور حضرت والا کا ابتدائی زمانہ تھا اور نو عمر تھے - مولانا کو اسوجہ سے اور بھی زیادہ تعلق تھا کہ وہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے عاشق زار تھے اور وہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز سے حضرت والا کا نہایت خصوصیت و عنایت کے ساتھ تذکرہ خود سُن چکے تھے ۔

حضرت مولانا شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی رہ بھی حضرت والا کا اتنا لحاظ فرماتے تھے کہ ایک شخص نے مولانا رہ کے ساتھ حضرت والا کو بھی کھانے کے لئے مدعو کیا تو چونکہ مولانا رہ صاحب سماع تھے اس لئے اکثر دعوت کو اس شرط پر قبول فرمایا کرتے تھے کہ کھانے کے بعد سماع بھی ہو جسکو وہ اپنی اصطلاح میں غذائے روحانی سے تعبیر فرماتے تھے - اس لئے حضرت والا نے قبول دعوت سے عذر فرمایا لیکن داعی نے وعدہ کیا کہ حضرت والا کی موجودگی میں ہرگز مجلس سماع منعقد نہ کیجائیگی اِدھر حضرت والا نے یہ رعایت فرمائی کہ کھانے کے بعد جلد ہی رخصت ہونے لگے - لیکن جب

حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری رہ حضرت مولانا شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی رہ

حضرت والا اُٹھے تو مولانا رح بھی اُٹھے اور سواری تک تشریف لائے ۔ حضرت والا سمجھے کہ مشایعت کے لئے تشریف لائے ہیں ۔ بعد کو واپس ہو کر مجلس سماع میں شرکت فرمائیں گے لیکن ایسا نہیں کیا بلکہ ادھر حضرت والا اپنی سواری میں بیٹھے اُدھر مولانا رح بھی اپنی سواری میں بیٹھ کر رخصت ہو گئے اور اس کو خلاف مروت سمجھا کہ حضرت والا جس مجلس میں شریک نہ ہوں وہ اُس میں شریک ہوں کیونکہ اُسوقت ایسا کرنا یہ معنی رکھتا کہ گویا مولانا رح اسی انتظار میں تھے کہ کب یہ یہاں سے جائیں اور کب ہم اپنی مجلس سماع منعقد کریں ۔ مولانا رح کو حضرت والا کی خاطر اس درجہ عزیز تھی کہ اپنے معمول ہی کو بدل دیا ۔ سبحان اللہ کیسے مخلص اور بے تعصب حضرات تھے کہ باوجود اختلاف مشرب ایک دوسرے کی اس قدر رعایت فرماتے تھے اور ہر طرح کی دل آزاری سے بچتے تھے ۔ آجکل کی طرح نہیں کہ قصداً محض دل آزاری ہی کی غرض سے ایسے امور کا ارتکاب کیا جاتا ہے ۔

ایک بار مولانا رح نے ازراہ بے تکلفی حضرت والا سے فرمایا کہ آپ کبھی ردولی شریف تشریف نہیں لاتے حضرت والا نے فرمایا کہ آپ کبھی لے ہی نہیں چلتے ۔ فرمایا میں تو کہہ رہا ہوں چلئے عرض کیا کہ حضرت توجہ فرما کر مجھ میں اہلیت تو سماع کی پہلے پیدا فرما دیں اور اپنا سا بنا دیں تاکہ میں بھی شرکت کا اہل ہو جاؤں ۔ درحقیقت لے چلنا تو یہ ہے اس لطیف اور متواضعانہ پیرائے میں یہ بھی ظاہر فرما دیا کہ سماع کے جواز کے کچھ شرائط ہیں جو آپ میں موجود ہوں گے اس لئے آپ سنتے ہیں مجھ میں موجود نہیں اس لئے میں نہیں سنتا ۔

حضرت والا جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز کے مزار مقدس پر حاضر ہوئے تو مجاوروں سے خاص طور سے پوچھکر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر بھی بغرض فاتحہ تشریف لیگئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا کو اپنے پیر بھائیوں سے کسقدر تعلق ہے ۔ اس تعلق پر ایک دوسرا واقعہ یاد آیا کہ جب جناب مرتضیٰ خاں صاحب کا انتقال ہوا جو اصغر علی محمد علی کے کارخانہ عطر واقع لکھنؤ کے مہتمم اور حضرت والا کے پیر بھائی تھے اور حضرت والا سے مثل پیر کے عقیدت اور محبت رکھتے تھے اور اُن کے انتقال کی خبر اُن کے صاحبزادہ کے عریضہ سے حضرت والا کو بعد ظہر معلوم ہوئی تو حضرت والا نے بہت اظہار غم و افسوس فرمایا اور بعد نماز عصر یہ کہکر کہ مرحوم میرے پیر بھائی تھے اور میرے اوپر اُنکے بہت حقوق ہیں سب نمازیوں سے مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت کرنیکے لئے فرمایا ۔

اس موقع پر ایک تقریظ جو حضرت والا نے ۵ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ کو اپنے ایک محترم

پیر بھائی حضرت شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ خاں صاحب فضیلت جنگ علیہ الرحمۃ اُستاد حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کی سوانح حیات مسمّٰی بہ مطلع الانوار مصنفۂ علامہ مفتی محمد رکن الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر حسب درخواست جناب ابو الخیر صاحب نظامیہ تحریر فرمائی تھی درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے ظاہر ہو گا کہ حضرت والا کو جہاں مسائل اختلافیہ ہیں دوسرے مسلک والوں کے ساتھ بھی حسن ظن ہے وہیں اپنے مسلک میں بھی بفضلہ تعالےٰ اعلیٰ درجہ کی پختگی حاصل ہے۔ تقریظ ملاحظہ ہو تحریر فرماتے ہیں۔

"از ناکارہ آوارہ اشرف علی عفی عنہ بخدمت جامع الفضائل دامت الطافہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ میرے پاس زیادہ وقت نہیں اس لئے بفحوائے ؎

مرا از زلف تو موئے بسند است ہوس را رہ مدہ بوئے بسند است

جستہ جستہ مطلع الانوار سے منور ہوا۔ حضرت مولانا۔ میرے پیر بھائی تھے اور بڑے بھائی تھے بڑے ہونے کی حیثیت سے مجھ پر ادب لازم ہے اور بھائی ہونے کی حیثیت سے بے تکلفی کی بھی اجازت ہے۔ ان ہی دو حیثیتوں کو پیش نظر رکھ کر یہ رائے ظاہر کرتا ہوں جو کہ جامع ہے ادب و بے تکلفی کی کہ رسالہ قابل اسوۂ حسنہ بنانے کے ہے مگر اعمال و مسائل اختلافیہ کے حصہ کا اس اتخاذ اُسوہ سے استثناء رائے کے درجہ میں بعض کیلئے اور عمل کے درجہ میں سب کیلئے اقرب الی الاحتیاط ہے عجب نہیں کہ اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی اس معروضہ پر مطلع ہوتے تو اگر مجھ کو ماجور بھی نہ خیال فرماتے تب بھی مازور بھی نہ سمجھتے بلکہ معذور قرار دیتے۔ باقی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لئے اور حضرت کی تمام جماعت کے لئے دل سے اور خلوص سے دعا کرتا ہوں۔ اَللّٰھُمَّ کُنْ لَھُمْ وَاجْعَلْھُمْ لَکَ۔ اور اپنے لئے بھی اسی دعا کا طالب ہوں۔

واقعہ نمبر ۱۶

حضرت مولانا محمد روشن خاں صاحب رح مراد آبادی جو حضرت مولانا گنگوہی رح کے خاص خلیفۂ مجاز اور بڑے صاحب سوز و گداز بزرگ تھے خود احقر کے سامنے اُسوقت جبکہ حضرت والا ممدوح الذکر کے مرض وفات میں بغرض عیادت تشریف لیگئے تھے حالات مرض بیان فرما کر فرمایا کہ خیر یہ تو مرض کے حالات ہیں اب آپ میرے لئے دعا کر دیجئے کہ اللہ تعالےٰ میرا خاتمہ ایمان پر کرے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس صدی کا مجدد بنایا ہے اللہ تعالےٰ آپ کے فیوض و برکات سے

حضرت مولانا محمد روشن خاں صاحب مرادآبادی رح

عالم کو منور کرے اور آپ کے ذریعہ سے رسوم و بدعات کا قلع قمع کرے - احقر کو یہ الفاظ قریب قریب بعینہا یاد ہیں نہایت جوش کے ساتھ اور آبدیدہ ہو کر متغیر لہجہ میں یہ الفاظ فرمائے تھے حضرت والا گردن جھکائے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ سنتے رہے اور پھر ہاتھ اُٹھا کر عفو اور عافیت کی دعا فرمائی غالباً یہ دعا تھی۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ العفوَ والعافیةَ فِی الدین وَالدُّنیا والاٰخرة اور زبانی فرمایا کہ ہر حال میں اللہ تعالےٰ سے عافیت ہی طلب کرنی چاہیئے۔

ممدوح الذکر کے ایک ثقہ مرید بھی خود احقر سے فرماتے تھے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت والا کے مجدد ہونے کا پورا وثوق تھا یہانتک کہ مجھ کو خاص طور سے مولانا تھانوی (یعنی حضرت والا) کی خدمت میں یہ ارشاد فرما کر بھیجا تھا کہ اُن کے پاس ضرور حاضر ہو وہ اس صدی کے مجدد ہیں اور اسی طرح جناب مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت مولانا گنگوہی رح کے خادم خاص تھے ایک بار احقر سے فرمایا کہ میرا ابتک یہ گمان تھا کہ اس صدی کے مجدد حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز تھے لیکن اب میرا یہ خیال ہے کہ ہمارے مولانا رح کا فیض تو خاص تھا اور زیادہ آپ سے علماء فیضیاب ہوئے لیکن میں اب دیکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں کو اسوقت عام نفع مولانا تھانوی (یعنی حضرت والا) سے بہت پہونچ رہا ہے اس لئے مجددیت کی شان ان میں زیادہ پائی جاتی ہے گو ممکن بلکہ مظنون ہے کہ حضرت رح کا درجہ مجددیت سے بھی عالی ہو۔

الحمد للہ اپنے اور دیگر سلسلوں کے بزرگوں کی جو عنایات و توجہات حضرت والا پر مبذول رہیں اُن کے چند واقعات بطور نمونہ ہدیۂ ناظرین کئے جا چکے اُن کے مطالعہ سے قارئین کرام کو بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا کہ اللہ تعالےٰ نے شروع ہی سے حضرت والا کی جانب اکابر اولیاء کے قلوب کو متوجہ فرمایا تھا اور اہل نظر حضرات نے حضرت والا کے جوہر ذاتی اور استعداد فطری کا اپنے نور بصیرت سے ابتداہی میں مشاہدہ فرما لیا تھا اور حضرت والا نے بھی جیسا کہ اس باب کے شروع میں عرض کیا جا چکا ہے ہمیشہ اپنے اکابر کا غایت درجہ ادب و احترام ملحوظ خاطر رکھا یہانتک کہ حضرت والا اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ الحمد للہ میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کبھی اپنے کسی بزرگ کو ایک منٹ کیلئے بھی مکدر نہیں کیا اور ایکبار یہ بھی فرمایا کہ میرے پاس نہ علم ہے نہ عمل لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی نعمت عطا فرمادی ہے جس سے امید ہے کہ شائد نجات ہو جائے یعنی ادب نیز اپنے حضرات اکابر کا ذکر فرما کر موجودہ زمانہ کی روش پر سخت افسوس کا اظہار فرمایا کرتے ہیں کہ طبائع کا بالکل رنگ ہی بدگیا ہے اور حقائق سے اسقدر بیگانگی ہو گئی ہے کہ سچ جاننے کسی بات بھی کرنے کو جی نہیں چاہتا اور

کوئی رسمی بزرگ میری نظروں ہی میں نہیں جچتا چونکہ اس زمانہ میں سب حضرات ایک ہی رنگ کے دیکھے میں یہ سمجھتا تھا کہ سب بزرگ ایسے ہی ہوتے ہونگے لہذا اُن کی صفات کچھ زیادہ عجیب نہ معلوم ہوتی تھیں لیکن اب جو یاد کرتا ہوں تو اُن کی ہر بات آج کل کے اعتبار سے خرق عادت معلوم ہوتی ہے اھ

حضرت والا اپنے حضرات اکابر کو اور اس زمانہ خیر و برکت کو یاد فرما فرما کر اکثر یہ مصرع پڑھ دیا کرتے ہیں۔

اذالناس ناس والزمان زمان ۔ اور یہ شعر بھی ؎

حریفاں بادہا خوردند و رفتند تہی خمخانہا کردند و رفتند

نیز مقابلۃً عربی کا یہ شعر بھی بہت جوش اور مسرت کے ساتھ پڑھ دیا کرتے ہیں ؎

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

احقر اب اس باب کو ختم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اُن حضرات کی محبت اور توفیق اتباع طلب کرتا ہے جس کا اس زمانہ میں اکمل و اسہل ذریعہ حضرت والا کی تقلید ہے جن کی ذات بابرکات میں اُن حضرات اکابر کی ساری صفات بفضلہ تعالیٰ نمایاں طور پر مجتمع ہیں۔

ضمیمہ

الحمد للہ اس باب کا جو اصل موضوع تھا وہ تو ختم ہوا اب حضرت والا کے بعض مخصوص معاصرین کے اسمارگرامی بھی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں جن کو حضرت والا کے ساتھ خاص خصوصیت تھی اور جن کا حضرت والا کے ساتھ برتاؤ باوجود معاصر یا ہم سبق اور ہم عمر ہونے کے مساویانہ نہیں بلکہ نہایت عقیدتمندانہ اور مؤدبانہ تھا۔

ہر چند ان حضرات کی عنایات کا ذکر بمقابلہ ذکر عنایات بزرگان مذکورین ایک حیثیت سے قوت استدلال میں کم درجہ رکھتا ہے کیونکہ یہ حضرات بلحاظ شہرت عموماً اُس درجہ کے نہیں سمجھے جاتے لیکن دوسری حیثیت سے ان حضرات کی عنایت و اعتقاد زیادہ قابل استناد ہے کیونکہ بزرگوں کی عنایات میں تو یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ محض شفقت پر مبنی ہوں مگر معاصرین میں یہ احتمال ہی نہیں کیونکہ معاصرت میں عموماً منافست اور برابری میں عادتاً آزادی ہوا کرتی ہے اور یہی امتیاز اس ضم ضمیمہ کا داعی بھی ہوا ہے لیکن حضرت والا کے ساتھ ان حضرات کے معتقدانہ اور مؤدبانہ برتاؤ کے واقعات لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی کیونکہ اُس برتاؤ کے مشاہدہ کرنے والے اس وقت بکثرت موجود ہیں۔

اس ضروری عرضداشت کے بعد اُن حضرات کے اسماء گرامی ذیل میں تحریر کئے جاتے ہیں۔

(۱) جناب حافظ احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم مدرسہ عالیہ دیوبند صاحبزادہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲) جناب حکیم مسعود احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ صاحبزادۂ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۳) جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سابق نائب مہتمم مدرسہ عالیہ دیوبند۔

(۴) جناب مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی سلمہم اللہ تعالیٰ مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند۔

(۵) جناب مولانا محمد یٰسین صاحب دیوبندی سلمہم اللہ تعالیٰ سابق مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند۔

(۶) جناب مولانا حاجی شفیع الدین صاحب مہاجر مکی سلمہم اللہ تعالیٰ۔

خادم خاص و خلیفۂ مجاز حضرت شیخ العرب والعجم حاجی شاہ امداد اللہ صاحب قدس سرہ العزیز۔

ان سب حضرات معاصرین میں بلحاظ شہرت سب سے بڑے جناب حافظ احمد صاحب اور جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ تھے اور انھیں کا برتاؤ حضرت والا کے ساتھ سب سے زیادہ عقیدت اور ادب اور عظمت کا تھا حالانکہ وہ حضرت والا کے ہم سبق تھے بایں وجوہ اُن کا حضرت والا کے ساتھ معاملہ قوت استدلال میں سب سے بڑھ کر ہے۔ تمت الضمیمہ۔

باب سیزدہم ۱۳

"شرفِ بیعت و استفاضۂ باطنی"

اوراق ماسبق میں جو واقعات و حالات بیان کئے جا چکے ہیں اُن سے بخوبی واضح ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضرتِ والا کو تجدید دین اور اصلاحِ اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا السلام والتحیہ ہی کی مہتم بالشان خدمت سپرد کرنے کے لئے پیدا فرمایا ہے چنانچہ ابتداء تولد ہی سے بلکہ اس سے بھی قبل سے اس کے آثار کالشمس فی نصف النہار نمایاں ہیں۔ یہ بہ تفصیل بیان کیا جا چکا ہے کہ ابھی حضرت والا عالمِ ارواح ہی میں تھے کہ ایک برگزیدہ بزرگ اور مسلم الثبوت صاحب خدمت مجذوب حضرت حافظ غلام مرتضےٰ صاحب پانی پتی جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کے عالم وجود میں آنے کے لئے خاص طور سے

متوجہ بہ دعا فرما دیا اور قبل استقرار حمل ہی نام نامی بھی اُنھیں بزرگ کی زبان مبارک سے تجویز کرا دیا۔ حضرت والا کی ولادت باسعادت کی پیشینگوئی اور نام مبارک کے مُلہَم من اللہ ہونے کی یہ صریح دلیل ہے کہ پیشینگوئی اُس حالت میں فرمائی گئی کہ حضرت والا کے والدین شریفین بالکل مایوس الاولاد ہو چکے تھے اور جب حضرت حافظ صاحب نے بحالت حمل حضرت والا کا نام مبارک تجویز فرمایا تو ایک اور بی بی صاحبہ نے بھی جن کی بہو حاملہ تھیں اپنے پوتے کا نام تجویز کر دینے کی درخواست کی مگر حافظ صاحبؒ نے نہایت تُرشروئی کے ساتھ بایں الفاظ انکار فرما دیا کہ کیا میں بھاٹ ہوں جو نام رکھتا پھروں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت والا کے متعلق قبل ولادت ہی پیشینگوئی فرمانا اور نام بھی تجویز فرما دینا بہ الہام غیبی اور بربنا اختصاص تھا۔ غرض حضرت والا کی جانب بزرگوں کو خاص الخاص توجہ شروع ہی سے رہی جس کا مفصل ذکر تحت عنوان "لقائے بزرگاں و دعائے بزرگاں" بھی کیا جا چکا ہے اور حضرت والا کی تربیت ظاہری و باطنی کا بہتر سے بہتر سامان شروع ہی سے اللہ تعالیٰ نے جمع فرما دیا۔ اس طرح کہ (جیسا ابھی بیان کیا گیا) ایک صاحب خدمت مجذوب بزرگ کی دعا سے معرض وجود میں آئے اور ابتدائے تولد ہی سے اُن کی روحانی مجذوبانہ توجہ شامل حال رہی جس کے آثار بصورت انجذاب الی الحق و انقطاع عن الخلق ابتک موجود ہیں اور روزافزوں ہیں۔ پھر صاحب نسبت والدۂ مشفقہ کی آغوش میں پرورش پائی اور اعلےٰ درجہ کے عاقل و مدبر والد شفیق کے زیر تربیت رہے۔ نیز غزالی و رازی وقت اساتذہ سے علم ظاہری حاصل فرمایا جن میں سے خاص خاص اساتذہ اعلےٰ درجہ کے صاحب باطن اور کامل و مکمل شیخ بھی تھے۔ اور ہر ہر فرد اپنے فنونِ خاصہ میں ماہر و یگانۂ روزگار تھا۔ ان سب نعمتوں کی بقدر ضرورت تفصیل بیان کی جا چکی ہے اب اس باب میں اُس نعمت عظمےٰ کی تفصیل بیان کی جاتی ہے جو گویا میزان الکل ہے سب مذکورۂ بالا نعمتوں کی کہ وہ سب نعمتیں اُسی نعمت کی طرف راجع اور اُسی نعمت کی تمہیدات تھیں۔ وہ نعمت شرف بیعت ہے شیخ العرب والعجم امام طریق نمونۂ سلف جنید زمان شبلی دوران شیخ العلماء والمشائخ حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صاحب تھانوی چشتی صابری مہاجر مکی قدس سرہ العزیز سے چونکہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کی ذات والا صفات شہرۂ آفاق ہے اس لئے ہرگز احتیاج تعارف نہیں آپ کی شان عالی (بقول راس الاتقیاء حضرت مولانا شاہ مظفر حسین صاحب کاندھلوی قدس سرہ العزیز جن کی شہادت بہت ہی بڑے پایہ کی شہادت ہے)

بالکل اکابر سلف کی سی تھی گو پیدا اس زمانہ میں ہوئے تھے اھ (نقلہ القاری محمد علی خاں الجلال آبادی عفی عنہ) صدہا علماء کبار بلکہ دوسرے سلسلوں کے مشائخ ذوی الاقتدار نے بھی حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل کرنے کو اپنا فخر سمجھا لہذا بلا خوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ ایسا محقق و جامع شریعت و طریقت اور مرجع العلماء والمشائخ شیخ اس زمانہ میں کوئی نہیں گذرا۔ عرب و عجم کے بالخصوص ہندوستان کے جتنے چیدہ چیدہ اور مشہور و مسلّم زمانہ علماء تھے سب قریب قریب حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے حلقۂ غلامی میں داخل تھے اور خوان امداد الٰہی کے ہی زلہ ربا تھے چنانچہ حضرت والا بھی انھیں اخص الخواص حلقہ بگوشانِ امدادیہ میں سے ہیں جنکو اخص الخواص حضرات میں بھی بعض حیثیتوں سے خاص الخاص امتیاز حاصل ہے۔

حضرت والا کے دیگر مراحل دینیہ کی طرح شرف بیعت کی تحصیل اور استفاضۂ باطنی کی تکمیل بھی منجانب اللہ عجیب و غریب طور پر واقع ہوئی۔ اور یہاں بھی امداد الٰہی غیب سے اسطرح شامل حال ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب ممدوح رحمۃ اللہ علیہ جیسے شیخ المشائخ اور دنیا میں بے نظیر مربی باطن کو خود بخود حضرت والا کی جانب ابتدا ہی سے متوجہ فرما دیا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ابھی حضرت والا کمسن ہی تھے اور مدرسۂ دار العلوم دیوبند میں طالب علمی ہی فرما رہے تھے کہ اعلیٰ حضرت شیخ العرب والعجم نے حضرت والا کے والد ماجد کو مکہ معظمہ سے کہلا بھیجا کہ تم حج کو آؤ اور جب آؤ تو اپنے بڑے لڑکے کو بھی اپنے ہمراہ لیتے آنا حالانکہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت والا کی ولادت باسعادت سے بھی بہت پہلے ہندوستان سے ہجرت فرما چکے تھے اور حضرت والا سے کسی قسم کا بھی تعارف ظاہری نہ تھا۔ البتہ چونکہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ غایت محبت و شفقت سے اپنے وطن اور وطن والوں کے حالات حجاج سے دریافت فرماتے رہتے تھے اس لئے گمان ہوتا ہے کہ کسی سے حضرت والا کے متعلق بھی فی الجملہ کچھ سُن لیا ہوگا لیکن ظاہر ہے کہ کم عمری اور طالب علمی کے زمانہ کے حالات ہی ایسے کیا ہوں گے جنکو اتنے دور و دراز مقام پر اسقدر اہتمام اور تفصیل کے ساتھ پہونچایا گیا ہو کہ جس سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو غائبانہ اتنا شدید تعلق پیدا ہو گیا ہو کہ بلا تعارف از خود مکۂ معظمہ بلانا چاہا۔ لہذا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ یاد فرمائی یقیناً کسی اشارۂ غیبی یا کشش معنوی و مناسبت باہمی کی بنا پر تھی بقول حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ ؎

من از آں حُسنِ روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

اس کی تصدیق اس امر مشاہد سے بھی ہوتی ہے کہ جس خاص وضاحت و بسط و عموم کے ساتھ

حضرت حاجی صاحبؒ کے علوم و معارفِ عالیہ کی تشہیر و اشاعت اور سلوک امدادیہ کے طریق انیق کی تنویر و ارارت بعون اللہ تعالیٰ حضرت والا کی ذات بابرکات سے ہوئی اور روز افزوں ہو رہی ہے ویسی کسی اور سے ظہور پذیر نہیں ہوئی اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کسی کو گنجائش انکار نہیں۔ نیز خود حضرت حاجی صاحب نے حضرت والا سے بارہا فرمایا کہ بس تم پورے پورے میرے طریق پر ہو اور جب کبھی کوئی تحریر یا تقریر دیکھنے یا سننے کا اتفاق ہوتا تو فرماتے کہ جزاکم اللہ تم نے تو بس میرے سینہ کی شرح کر دی اور اگر بدورانِ تقریر علوم و معارف حاضرین مجلس میں سے کوئی کسی مضمونِ ارشاد فرمودہ پر کچھ سوال کرتا تو حضرت والا کی جانب اشارہ فرما کر فرما دیتے کہ ان سے پوچھ لینا یہ خوب سمجھ گئے ہیں۔ اھ حضرت والا کی یہی مناسبت تامۂ فطریہ اور اہلیت مقدرہ متوقعہ اور محبوبیت عامہ ازلیہ جس کو اصطلاح صوفیہ میں مرادیت سے تعبیر کرتے ہیں اصل بنا تھی حضرت حاجی صاحب رح کی غیبی کشش توجہ کی۔

غرض حضرت حاجی صاحب رح نے حضرت والا کو از خود بلا تعارف ظاہری مکہ معظمہ میں یاد فرمایا جیسا ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے سچ ہے۔

تشنگاں گر آب جویند از جہاں　　آب ہم جوید بعالم تشنگاں

چونکہ مصلحت اشاعتِ علوم و معارفِ امدادیہ حضرت والا کا حضرت حاجی صاحب رح سے تعلق بیعت روزِ ازل ہی سے مقدر ہو چکا تھا اس کا غیب سے اس طرح سامان شروع ہوا کہ ایکبار حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز کسی ضرورت سے مدرسۂ دیوبند تشریف لائے حضرت والا زیارت کرتے ہی غایت اشتیاق میں بغرض مصافحہ دوڑے تو ان اینٹوں کی وجہ سے جو اسوقت وہاں نودرہ کی تعمیر کے لئے پڑی ہوئی تھیں حضرت والا کا پاؤں بے اختیار پھسلا اور زمین پر گرنے ہی کو تھے کہ حضرت مولانا رح نے فوراً ہاتھ پکڑ کر سنبھال لیا۔ حضرت والا کو حضرت مولانا رح کی زیارت ہوتے ہی اس قدر کشش اور عقیدت ہوئی کہ بقول حضرت والا باوجود اسوقت حقیقت و غایت بیعت بھی نہ سمجھنے کے مولانا رح سے بیعت کی درخواست کی۔ مولانا رح نے اس بنا پر کہ بزمانۂ طالبعلمی شغل باطن مخل تحصیل علم ہوگا انکار فرما دیا۔ اس واقعہ کا مفصل ذکر خود حضرت والا نے حضرت مولانا گنگوہی رح کے تذکرہ موسومہ "یادیاراں" میں درج فرمایا ہے جس کو تفصیل کا شوق ہو وہاں دیکھ لے۔

اس واقعہ کے بعد قریب ہی جب حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز ۱۲۹۹ھ میں دوسری بار حج کو تشریف لیجانے لگے تو حضرت والا نے حضرت حاجی صاحب رح کی خدمت میں اس مضمون کا عریضہ لکھ کر غالباً خود مولانا رح ہی کے ہاتھ بھیجا کہ مولانا رح سے میں نے بیعت کے لئے عرض کیا تھا

اُنھوں نے انکار فرمادیا آپ مولانا سے فرمادیں کہ مجکو بیعت کرلیں وہاں آپس میں جو بھی گفتگو ہوئی ہو اُس کا علم نہیں لیکن حضرت حاجی صاحب رح نے جنپر گویا یہ موقع منکشف تھا جیسا بہ تفصیل اوپر ظاہر کیا جاچکا ہے بجائے مولانا رح سے بیعت کرلینے کی سفارش فرمانے کے حضرت والا کو خود ہی شرف بیعت سے غائبانہ مشرف فرمالیا اور اب معلوم ہوا کہ مولانا رح کے انکار بیعت میں یہ قدرتی سبب بھی در پردہ کارفرما تھا کہ حق تعالےٰ شانہٗ نے حضرت والا کو حضرت شیخ العرب والعجم ہی کے حصہ میں آنے کے لئے اور علوم معارفِ امدادیہ کو بہ توضیح و تنقیح تام و بہ تفصیل و تسہیل تمام شرقاً و غرباً پھیلانے کے لئے پہلے سے منتخب فرمار کھا تھا بمصداق ؏ چن لیا لاکھوں میں تجھکو انتخاب ایسا تو ہو - پھر کسی اور سے مستقلاً کیونکر متعلق ہوسکتے تھے - اس کی تصدیق اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت والا کے ایک اور ہم سبق طالب علم نے بھی اُسی دوران میں حضرت مولانا گنگوہی رح سے بیعت کی درخواست کی تو اُن سے انکار نہیں فرمایا اور اُن کو بیعت کرلیا جس سے حضرت والا کو اور بھی حسرت ہوئی -

اور ہر چند حضرت والا کا تعلق بیعت براہ راست حضرت حاجی صاحب رح سے تھا لیکن حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز کے ساتھ بھی حضرت والا کا اعتقادِ قلبی جو اول ہی نظر میں بہ شدت قائم ہوکر راسخ ہوچکا تھا اور جو باعث ہوا تھا حضرت مولانا رح سے درخواست بیعت کا وہ برابر قائم رہا اور حضرت والا نے ہمیشہ حضرت مولانا گنگوہی رح کو مثل اپنے مرشد ہی کے سمجھا اور حسب ضرورت مشکلات ظاہری و باطنی یعنی علمی و عملی میں مولانا رح سے بے تکلف مریدانہ طور ہی پر رجوع فرماتے رہے جیساکہ بعد کے حالات میں مذکور ہوگا اور حضرت مولانا رح بھی ہمیشہ بلحاظ شفقت مریدوں کا سا اور بلحاظِ احترام پیر بھائیوں کا سا معاملہ فرماتے رہے - اس امر کی تصدیق کہ مشیت خداوندی نے حضرت والا کو حضرت حاجی صاحب رح ہی کے حصہ میں آنے کیلئے منتخب فرمالیا تھا اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت حاجی صاحب رح نے قبل تعارف ظاہری ہی حضرت والا کو بذریعہ حضرت والا کے والد ماجد کے مکہ معظمہ طلب فرمایا تھا جیسا عنقریب بیان کیا گیا -

پانسو کا اجر حسن نیت

اس طلبی پر لبیک کا موقع اس طرح غیب سے پیدا ہوا کہ مدرسۂ دیوبند کی طرف سے تجارت کی ایک کمپنی قائم کیگئی جس میں ایک شخص پانچسو روپیہ سے زیادہ کے حصے لینے کا مجاز نہ تھا حضرت والا کے والد ماجد ماشاءاللہ متمول تھے اس لئے اُنھوں نے زیادہ روپیہ کی شرکت کرنی چاہی - لہٰذا اُس کی یہ صورت کی کہ پانچسو روپیہ کے حصے تو اپنے نام سے لئے اور پانچسو کے حصے حضرت والا کے نام سے اور پانچسو کے اپنے چھوٹے صاحبزادے منشی اکبر علی صاحب کے نام سے

اور اس طرح بجائے پانچسو کے مجموعہ کے ڈیڑھ ہزار روپیہ کی رقم مختلف ناموں سے کمپنی میں داخل کی کچھ عرصہ کے بعد اس رقم کو بمصلحت واپس لے لیا گیا۔ جب حضرت والا کو اس کا علم ہوا تو چونکہ حضرت والا کو بفضلہ تعالےٰ شروع ہی سے اتباع شریعت مقدسہ اور پابندی مسائل دینیہ کا نہایت درجہ اہتمام ہے اس لئے اپنے والد ماجد سے دریافت کیا کہ آیا یہ پانچسو روپیہ جو میرے نام سے آپ نے جمع کئے تھے اور اب واپس لیلئے ہیں میری ملک ہیں یا آپ کی والد ماجد نے جواب تحریر فرمایا کہ ابھی تک تو یہ رقم میری ہی ملک تھی اور تمہارا نام محض مصلحۃً درج کر دیا گیا تھا۔ لیکن اب میں اُس رقم کو در اصل تمہاری ہی ملک قرار دیتا ہوں - اسپر حضرت والا نے لکھا کہ پھر اُس رقم کی زکوٰۃ بھی میرے ذمہ واجب ہے - اور اب حج بھی میرے اوپر فرض ہو گیا۔ چنانچہ والد ماجد نے زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے تو نقد روپیہ بھیجدیا اور حج کے لئے فرمایا کہ میں تمہاری چھوٹی بہن (یعنی والدہ صاحبہ مرحومہ مولانا سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ و مولانا ظفر احمد صاحب دامت فیوضہم ۱۲ منہ) کے عقد سے فارغ ہو کر آیندہ سال حج کے لئے جاؤں گا۔ اُس وقت تم بھی چلے چلنا۔ یہ اس لئے فرمایا کہ بوجہ غایت شفقت و محبت حضرت والا کا تنہا جانا گوارا نہ تھا۔

حضرت والا باوجود اس کے کہ اپنے والد ماجد کا غایت درجہ ادب فرماتے تھے اور ڈرتے بھی تھے لیکن ناز کے موقعوں پر ناز بھی فرماتے تھے۔ جب والد ماجد نے آیندہ سال تک انتظار کرنے کے لئے فرمایا تو عرض کیا کہ آپ مجھے یہ لکھ دیدیجئے کہ تم پار سال تک ضرور زندہ رہو گے اسپر والد صاحب نے فرمایا کہ یہ میں کیسے لکھ سکتا ہوں۔ حضرت والا نے عرض کیا کہ حج تو میرے ذمہ فرض ہو چکا ہے اور نہ زندگی کا کچھ اعتبار نہیں نیز تاخیر بلا عذر شرعی جائز نہیں اس لئے مجھے تو اسی سال حج کرنا ضروری ہے۔ اسپر والد صاحب نے نہایت عجلت کر کے شوال ہی میں اپنی صاحبزادی کا عقد کر دیا اور ابھی تقریب کی پوری رسوم بھی ادا نہ ہونے پائی تھیں کہ حج کو مع حضرت والا روانہ ہو گئے۔

وہ زمانہ سمندر کی طغیانی کا تھا۔ جب غازی آباد کا اسٹیشن آیا تو وہاں والد صاحب کے ایک ملاقاتی تحصیلدار ملے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ حج کو جا رہے ہیں تو کہا کہ آپ کو کچھ خبر بھی ہے دریا میں آجکل سخت تلاطم ہے اور طوفان کی متواتر خبریں آ رہی ہیں۔ والد صاحب نے فرمایا کہ بھائی اب تو ہم جا ہی رہے ہیں اللہ مالک ہے دعا کیجئے یہ تو حضرت والا کے والد صاحب نے فرمایا اور حضرت والا نے نہایت جوش کے ساتھ یہ شعر پڑھا ؎

چہ غم دیوار امت را کہ باشد چوں تو پشتیباں — چہ باک از موج بحر آنرا کہ دارد نوح کشتیباں

غرض حضرت والا مع اپنے والد ماجد کے نہایت ذوق و شوق کے ساتھ ادائے فریضۂ حج کے لئے روانہ ہوئے۔ دریا میں واقعی سخت تلاطم تھا۔ یہانتک کہ جہاز جس کا نام حیدری تھا اور جو بوجہ چھوٹا ہونے کے طوفانی موجوں کی ٹکّروں کو سہار نہ سکتا تھا اتنا اتنا جھک جاتا کہ اُس کا جنگلہ سطح سمندر کے قریب آ آجاتا اور غرق کا اندیشہ ہو ہو جاتا اور اتنی اتنی بلند موجیں اُٹھتیں کہ چھتری کے اوپر سے ہو ہو کر گذر جاتیں اور تمام مسافروں اور اسباب کو شرابور کر جاتیں۔ کارکنانِ جہاز بڑے اہتمام اور مستعدی سے چل پھر کر ہر وقت روک تھام دیکھ بھال اور بست و کشاد میں مشغول رہتے تھے اور حُجاج دعاؤں اور الحاح و زاری میں۔

حضرت والا فرماتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں جارہے تھے الحمدللہ باوجود اندیشۂ غرق کے قلب میں وحشت اور پریشانی مطلق نہ تھی۔ اسی ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ حُجاج کی دعاؤں پر کم بخت بددین کارکنانِ جہاز ہنستے تھے اور کلمات کفریہ بکتے تھے نعوذ باللہ نعوذ باللہ کہتے تھے کہ اللہ میاں کیا کریں گے جب جہاز کی چال ہی ایسی ہے۔ یہ بھی افسوس فرمایا کہ بعض مسلمانوں کو دیکھا کہ ایسی حالت میں بھی غیر خدا ہی کو پکارتے تھے مثلاً بڑے پیر صاحب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جیسی کہ عادت پڑی ہوئی تھی۔ غرض بفضلہ تعالےٰ حضرت والا مع اپنے والد صاحب کے بخیر و عافیت مکہ معظمہ حاضر ہوگئے۔ ادب و عظمتِ ارض پاک حرم محترم کا اسقدر غلبہ تھا کہ شروع شروع تو وہاں تھوکتے ہوئے بھی تامل ہوتا تھا اور جسوقت بیت اللہ شریف پر اول بار نظر پڑی ہے اُس وقت ایسی کیفیت شوقیہ انجذابیہ پیدا ہوئی کہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ایسی کیفیت میرے اوپر کبھی عمر بھر طاری نہیں ہوئی۔

حضرت والا کی آمد سے حضرت حاجی صاحب رح بہت مسرور ہوئے اور بعد فراغ حج و زیارتِ مدینہ منورہ از خود حضرت والا سے فرمایا کہ تم میرے پاس چھ مہینے رہ جاؤ۔ حضرت والا نے اپنے والد ماجد سے اجازت چاہی لیکن اُن کی شفقت پدری نے مفارقت گوارا نہ کی۔ حضرت والا نے حضرت حاجی صاحب رح کے حضور میں بصد افسوس عرض کیا کہ والد صاحب اجازت نہیں دیتے۔ بربناء غایت اتباعِ شریعت فرمایا کہ والد کی اطاعت مقدم ہے۔ اسوقت چلے جاؤ پھر دیکھا جائے گا۔

حضرت والا کو جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے حضرت حاجی صاحب رح نے قبل حج ہی بذریعہ خط از خود بیعتِ غائبانہ سے مشرف فرمالیا تھا پھر حاضری مکہ معظمہ پر دست بدست بھی بیعت کا شرف

بخشد یا نیز حضرت والا کے والد ماجد بھی اُسی سفر حج میں حضرت حاجی صاحب رح سے شرف بہ بیعت ہوگئے حضرت والا کے والد ماجد نہایت مخلص اور پرانے زمانہ کے بے تکلّف بزرگ تھے اُسوقت جبکہ چند دیگر معتقدین حضرت حاجی صاحب رح سے بیعت ہو رہے تھے حضرت حاجی صاحب رح نے بربناء درخواست سابق اُن سے یعنی حضرت والا کے والد ماجد سے بھی فرمایا کہ میاں عبدالحق تم بھی مرید ہونے کو کہتے تھے آؤ تم بھی آجاؤ۔ تو آپ کس سادگی سے فرماتے ہیں کہ نا حضرت نا میں ابھی مرید نہیں ہوتا میں تو بعد میں ہونگا عجیب ادا تھی کہ پیر تو کہہ رہے ہیں کہ مرید ہو جاؤ اور آپ ہیں کہ انکار کر رہے ہیں لیکن یہ انکار بھی سراسر ادب و اخلاص و محبت پر مبنی تھا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔

فوراً ایک بڑی سینی میں بہت سی مٹھائی منگائی اور اُسکو لیکر مع ایک خوبصورت عمامہ اور پچیس ۲۵ روپیہ کے حاضر خدمت ہوئے اور نہایت ادب کے ساتھ پیش کر کے بیعت کی درخواست کی بس اس سامان کا انتظار تھا۔ اُسوقت یہ سامان مہیا نہ تھا اس لئے تاخیر بیعت کی درخواست کر دی تھی اُس زمانہ کے لوگوں میں چونکہ عموماً خلوص غالب تھا اور تصنع نام کو نہ ہوتا تھا جیسا کہ خود اس واقعہ کی مجموعی ہیئت ہی سے مترشح ہو رہا ہے۔ لہذا حضرت حاجی صاحب رح نے نہایت مسرت کے ساتھ یہ سب تحائف قبول فرما کر بیعت سے مشرف فرما لیا اور مٹھائی حاضرین میں تقسیم کر دی گئی۔ چونکہ حضرت والا کے والد ماجد کا سلسلۂ بیعت خود بھی مقصود بالبیان تھا نیز یہ واقعہ فوائد مختلفہ پر مشتمل تھا اور اس کا وقوع اسی سفر حج میں ہوا جسمیں خود حضرت والا کو بھی حضرت حاجی صاحب رح سے دست بدست شرف بیعت حاصل ہوا تھا اس لئے ضمناً بیان کر دیا گیا۔

حضرت والا کا یہ پہلا سفر حج تھا اور یہ اُسی سال ہوا جس سال حضرت والا فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہی مدرّس ہو کر کانپور تشریف لائے تھے۔ یعنی آخر صفر ۱۳۰۱ھ میں تو حضرت والا کانپور تشریف لائے اور اُس کے بعد شوال ہی میں یہ مبارک سفر ہو گیا۔ غرض حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت والا کے سارے مراحل دینیہ پے در پے اور بسہولت طے کرا دئے اس طرح کہ زمانہ طالبعلمی ہی ۱۲۹۹ھ میں جبکہ سن شریف صرف ۱۹ سال تھا غائبانہ شرف بیعت بذریعہ خط حاصل ہوا۔ پھر ۱۳۰۰ھ میں جبکہ تقریباً بیس سال ہی کی عمر تھی تحصیل علوم ظاہری سے فراغ نصیب ہوا۔ فوراً ہی اشاعت علوم ظاہری کی صورت پیدا ہو گئی اور صفر ۱۳۰۱ھ میں یعنی حسن اتفاق سے اسی حج وہیں

صدی کے بالکل شروع ہی میں جس کا حضرت والا کو اللہ تعالےٰ نے حدیث مشہور کی بعض تفاسیر پر مجدد بنایا ہے مدرس ہو کر کانپور تشریف لے آئے اور عمومی و خصوصی فیض رسانیٔ مخلوق میں بذریعۂ درس و وعظ مشغول ہو گئے پھر اسی سال زیارت حرمین شریفین اور زیارت حضرت پیر و مرشد و بیعت دست بدست سے مشرف ہوگئے اور ۱۳۰۲ھ میں واپس آکر پھر بدستور سابق نشر علوم ظاہری و تبلیغ احکام خداوندی میں بذریعۂ درس و وعظ نہایت تندہی و مستعدی کے ساتھ ہمہ تن مشغول ہو گئے۔ اور ۱۳۰۶ھ تک زیادہ تر یہی شغل علمی رہا۔

گو اس درمیان میں ذکر و شغل بھی جاری رہا اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خط و کتابت بھی ہوتی رہی لیکن چونکہ اُس زمانہ میں زیادہ تر علمی مشغلہ تھا اس لئے شروع کی خط و کتابت میں عام مضامین ہی پائے جاتے ہیں جیسا کہ مکتوبات امدادیہ سے معلوم ہوتا ہے۔ جو مجموعہ ہے اُن خطوط کا جو حضرت حاجی صاحب رح نے حضرت والا کو جواباً یا ابتداءً تحریر فرمائے ہیں۔ چنانچہ مکتوب اول مورخہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۰۳ھ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا نے حضرت حاجی صاحب رح کو اپنے ایک دُور کے عزیز صاحب کے انتقال کی خبر کی تھی اور مکتوب دوم مورخہ ۱۹ رجب المرجب ۱۳۰۴ھ سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت والا نے حضرت حاجی صاحب رح سے اپنے مدرسہ کی سرپرستی قبول فرمانے کی درخواست کی تھی جس کا نہایت مناسب جواب درج مکتوب ہے۔ مکتوب سوم مورخہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ میں حضرت حاجی صاحب رح نے حضرت والا کے ترک شغل طبابت اور عود شغل درس و تدریس پر بہت اظہار مسرت فرمایا ہے

غرض ان تینوں مکتوبات میں عام مضامین ہیں خاص ذکر و شغل کے متعلق مضامین مکتوبات چہارم مورخہ ۲۲ محرم ۱۳۰۷ھ سے شروع ہوتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ ذکر و شغل کی طرف خاص توجہ اس کے قریب یعنی ۱۳۰۷ھ میں ہوئی گو جیسا ابھی بیان کیا گیا اس سے قبل بھی ذکر و شغل میں مشغولی رہی چنانچہ خود حضرت والا کا بھی ارشاد ہے کہ مجھ سے کبھی ہو تو کچھ نہ سکا لیکن ذکر و شغل کا شوق اور ہوس شروع بیعت ہی سے رہی (جو بذریعہ خط ۱۲۹۹ھ میں اور دست بدست ۱۳۰۱ھ میں واقع ہوئی ۱۲ مؤلف) اور اس سے بالکل خالی میں کبھی نہیں رہا اھ۔

مؤلف عرض کرتا ہے کہ بعد بیعت تو ذکر و شغل سے کیا خالی رہتے حضرت والا تو نابالغی ہی میں تہجد پڑھتے تھے جیسا کہ باب پنجم "طفولیت" میں ذکر کیا جا چکا ہے اور قبل بیعت ابتدائے طالب علمی ہی میں طریق باطن کا اسقدر شوق تھا کہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رح سابق مہتمم دارالعلوم

دیوبند کے حلقۂ توجہ میں شرکت فرمایا کرتے تھے اور اس شرکت کے اثر کے متعلق خود حضرت والا فرماتے ہیں کہ مجھ کو اُس زمانہ میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مجھ میں نفسانیت کا شائبہ بھی نہیں رہا اور گویا میں بالکل فرشتہ ہو گیا اھ۔ اس سے حضرت والا کی فطری استعداد باطنی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے نیز قبل بیعت بزمانہ طالب علمی حضرت والا پر ایک بار اس درجہ خشیت کا غلبہ ہوا کہ اپنے اُستادِ شفیق جامع ظاہر و باطن حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گھبرائے ہوئے پہونچے اور بیتابانہ عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسی تدبیر ارشاد فرمائیے جس سے اطمینان حاصل ہو جائے مولانا نے فوراً متنبہ فرمایا کہ توبہ کرو توبہ کرو یہ تو گویا کفر کی درخواست ہے کیونکہ الایمان بین الخوف والرجاء مسلمان کو تو اطمینان آخرت ہی میں ہو سکتا ہے۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ مولانا کے اس ارشاد سے میری آنکھیں کھل گئیں اور ایک معنی کر تسلی بھی ہو گئی کیونکہ جو حقیقت تھی وہ واضح ہو گئی۔

طالبعلمی ہی کے زمانہ کا ایک واقعہ اور یاد آیا۔ کسی کتاب میں حضرت والا نے ایک قصہ لکھا دیکھا کہ ایک پیر نے اپنے مرید سے پوچھا کہ کیا تم خدا کو جانتے ہو اُس نے جواب دیا کہ میں خدا کو کیا جانوں میں تو آپ کو جانتا ہوں۔ یہ قول پڑھکر حضرت والا کو نہایت انقباض ہوا اور غصہ آیا اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ مقولہ پیش کر کے عرض کیا کہ دیکھئے حضرت غالی صوفیوں کی یہاں تک پیر پرستی بڑھ گئی ہے کہ پیر کے ہوتے ہوئے نعوذ باللہ اپنے کو خدا سے بھی مستغنی سمجھ لیا۔ مولانا نے نہایت لطافت کے ساتھ تاویل کی طرف اشارہ کر کے دریافت فرمایا کہ کیا تم خدا کو جانتے ہو حضرت والا کا ذہن فوراً اس امر کی طرف منتقل ہو گیا کہ واقعی حقتعالےٰ جل شانہ کی کنہ کا علم تو کسی کو بھی نہیں۔ چنانچہ یہی عرض کر دیا۔ مولانا نے فرمایا پھر اُس کے قول کی بھی تاویل یہی کیوں نہ کر لی جائے کفر کا فتویٰ کیوں لگایا جائے اھ۔ طالبعلمی ہی کے زمانہ میں حضرت والا نے اپنے اُستاد خاص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح سے مثنوی شریف بھی پڑھنی چاہی لیکن حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ رح نے منع فرمادیا اور فرمایا کہ تم مولانا کو مدرسہ میں بھی رہنے دو گے یا نہیں یہ اس لئے فرمایا کہ مولانا بڑے اہل دل تھے اگر مثنوی شریف پڑھاتے تو اتنا اثر ہوتا کہ مدرسہ کے کام ہی کے نہ رہتے سب تعلقات چھوڑ چھاڑ بیٹھتے۔ ان سب واقعات سے معلوم ہوا کہ حضرت والا کو طالبعلمی ہی کے زمانہ سے طریق باطن سے لگاؤ اور تصوف کی کتابوں کا شوق تھا۔ اور حالات عالیہ کا ورود بھی ہوتا تھا مثلاً خشیت و تزاہت نیز متصوفین و اہل غلو سے اُس زمانہ میں بھی حضرت والا کو انقباض تھا۔ اس انقباض کا ایک اور واقعہ یاد آیا۔ کچھ حصہ تک حضرت والا نے بزمانہ طالبعلم

ایک مسجد کے حجرہ میں بھی قیام فرمایا۔ سو اتفاق سے اُسی مسجد کے دوسرے حجرے میں ایک غالی صوفی کا بھی مستقل قیام تھا۔ لیکن حضرت والا نے باوجود ایک عرصہ تک وہیں قیام فرمانے کے کبھی اُن سے بات تک بھی نہیں کی۔

غرض حضرت والا کو طالب علمی ہی کے زمانہ سے جبکہ بالکل نوعمر تھے طریق باطن کا شوق تھا اور بعد بیعت یعنی ۱۲۹۹ھ ہی سے ذکر و شغل میں مشغول تھے لیکن جیسا ابھی بحوالہ مکتوبات امدادیہ کے مکتوب چہارم مورخہ ۲۲ محرم ۱۳۰۱ھ کے بیان کیا گیا ذکر و شغل کی طرف خاص اہتمام کے ساتھ توجہ ۱۳۰۱ھ میں ہوئی جس کے اثر سے یہاں تک متاثر ہوئے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ترک تعلق ملازمت کا مشورہ لیا جیسا کہ اُسی مکتوب چہارم کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے لیکن مصالح دینیہ کی بناء پر اجازت نہ ملی۔ مکتوب مذکور کا ضروری اقتباس بغرض توضیح مقام درج ذیل ہے۔

"نامہ بہجت شمامہ آں عزیز بامیز رسید از استماع حالِ ذوق و شوق آثارِ ترقی فہمید مسرت بر مسرت افزود خدائے تعالےٰ برکت زیادہ کند (الی قولہ) و ترک تعلق مصلحت نیست زیرا کہ ایں امر بجز تجرد نہ زیبد عیال را مضطرب گذاشتن قرین ناعاقبت اندیشی ست و روبہ بھی ندارد۔ خلق اللہ را فیضِ دینی رسانیدن راہِ اقرب وصول الی اللہ ست ...." اھ

یہ والانامہ ۲۲ محرم ۱۳۰۱ھ کا تحریر فرمایا ہوا ہے اور ۱۳ صفر ۱۳۰۱ھ کے مکتوب پنجم میں بھی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ آپ کو بادۂ عشق سے سیراب بنا کر تشنہ وار رکھے اھ اس سے بھی حضرت والا کی اُس زمانہ کی شدتِ تشنگی طلب ظاہر ہوتی ہے۔

ان جملہ واقعات و حالات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت والا ۱۳۰۱ھ سے ۱۳۰۷ھ تک تو زیادہ تر شغلِ علمی و افاضۂ ظاہری میں مشغول رہے اور اس زمانہ میں صدہا طلبہ فارغ التحصیل ہوئے اور بہت سے سند حدیث لیکر چلے گئے اور ہزارہا بندگانِ خدا مواعظِ حسنہ سے مستفیض و مستفید ہوئے۔ درس و تدریس کی شان اور مفصل کیفیت باب ہشتم میں گذر چکی ہے اور مواعظ حسنہ کا مفصل حال باب دہم میں بیان کیا جا چکا ہے اعادہ کی حاجت نہیں البتہ یہاں بھی مختصراً اتنا عرض کر دینا بے موقع نہ ہو گا کہ درس دینے میں بڑے بڑے لاینحل مقاماتِ مشکلہ کی اس خوبی سے توضیح اور اسقدر تسہیل کر کے تقریر فرماتے تھے کہ نہایت ادق ادق مضامین بھی بالکل پانی ہو جاتے تھے اور طلباء کو اُسوقت پتہ بھی نہ چلتا کہ یہ کوئی مشکل مقام تھا اور بعد کو جب خبر ہوتی تو سخت حیرت ہوتی۔ مواعظ کا یہ عالم تھا کہ پانچ پانچ چھ چھ بلکہ بعض مرتبہ سات سات گھنٹہ کھڑے ہو کر مسلسل تقریر

فرماتے پھر بھی سامعین کی سیری نہ ہوتی - اور تمام مسلمانانِ کانپور جہاں ہر مشرب کے لوگ موجود تھے حضرت والا کے حسن بیان کے بقدر گرویدہ ہوگئے تھے کہ محلہ محلہ طلبی ہوتی تھی یہاں تک کہ ایک بار مسلسل دو ماہ تک صرف نماز ہی کی ترغیب میں مختلف محلوں میں وعظ ہوتے رہے جن کا یہ اثر ہوا کہ مسجدوں میں نمازیوں کی کثرت سے جگہ باقی نہ رہی اور نماز کے شوق کی یہ حالت تھی کہ یکہ والے مسلمان سواریوں سے پوچھتے جاتے اور نماز یاد کرتے جاتے -

غرض اُس زمانہ میں حضرت والا کے قیام کی بدولت کانپور بلکہ گرد و نواح اور اطراف و جوانب میں بھی دین کا عام طور سے بہت زیادہ چرچا ہوگیا تھا - کیونکہ مدرسہ کی جانب سے وقتاً فوقتاً بذریعہ اشتہارات و رسائل ضروری ضروری مسائل بھی شائع ہوتے رہتے تھے - چنانچہ احقر کو اپنے لڑکپن کی بات یاد ہے کہ اُورئی ضلع جالون میں جو احقر کا وطن ثانی ہے اور جو کانپور سے تقریباً اسّی میل پر واقع ہے غالباً اسی قسم کے کچھ مسائل حضرت والا کے مدرسہ سے پہونچے تھے تو اُن سے متأثر ہو کر احقر کے والد صاحب مرحوم و مغفور نے اپنے استعمالی پاجامہ کے پائچوں کو جو ٹخنوں سے نیچے تھے قطع کرادیا تھا - اور نقشۂ اوقات سحر و افطار اور مسائل صوم و اضحیہ وغیرہ تو ہمیشہ پہونچتے ہی رہتے تھے -

اس فیض ظاہری کے بعد اللہ تعالےٰ کو منظور ہوا کہ اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام والتحیۃ کو بواسطۂ حضرت والا فیض باطنی سے بھی بہرہ اندوز فرمائے جس کے بغیر دین کی حقیقی تکمیل نہیں ہوسکتی تھی چنانچہ یک بیک قلب مبارک میں ایک پُر زور کشش غیبی نہایت شدومد کے ساتھ محسوس ہوئی اور ذکر و شغل کا ذوق و شوق جو ابتدائے ارادت ہی سے دلنشین تھا بنہایت جوش و خروش موجزن ہونے لگا اور وہ آتشِ محبتِ الٰہی جو بدوِ فطرت ہی سے طبع اقدس میں ودیعت فرمادی گئی تھی اور ابتدائے تولد ہی سے سویدائے قلب میں دبی ہوئی تھی جس کی جھلک بہ زمانۂ نابالغی ہی چلہ کی بھی برفبار اور تیرہ و تار پچھلی راتوں کی سنسان گھڑیوں میں بصورت تہجد اور بزمانۂ طالبعلمی نو عمری ہی میں بشکل شدّت اشتیاق بیعت اور بزمانۂ مدرسی بہ ذیل التزامِ اوراد و اذکار بجلی کی طرح مختلف اوقات میں سرسری طور پر نمودار ہوتی رہی تھی - ابکی بار کہ عین وقت ضرورت اظہار تھا اس قوت کے ساتھ اُبھری کہ نہ صرف حضرت والا کو بلکہ متعدی ہو کر ایک عالم کو سوختہ و افروختہ کردیا اور کر رہی ہے بلکہ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اُسکی شعلہ کاریاں اور آتشباریاں روز افزوں ہیں جیسا کہ مشاہد ہے - اللّٰھم زد فزد اللّٰھم عمم و تمم -

یہ جوش و خروش اور ذوق و شوق ۱۳۰۱ھ میں پیدا ہوا جیسا کہ اوپر بہ تفصیل بحوالۂ مکتوبات امدادیہ بیان کیا گیا۔

اب ادھر تو آتشِ طلب دلِ عشق منزل میں نہایت تیزی کے ساتھ شعلہ زن اور اُدھر اپنے اور حضرت پیر و مرشد کے درمیان اتنا بُعد کہ سمندر حائل۔ سخت خلجان کہ کیونکر مقصود تک رسائی ہو اسی گرداب تحیر میں پیچ و تاب کھا رہے تھے کہ اتفاق سے حضرت والا کے ماموں صاحب قبلہ جناب پیرجی امداد علی صاحب رح جو ایک مشہور اور زبردست صاحبِ حال و قال بلکہ مغلوب الحال درویش تھے جیسا کہ اُن کے حالات سے جو باب دوم شرف نسب میں مذکور ہوئے معلوم ہو چکا ہے حیدر آباد سے وطن آتے ہوئے کانپور ہو کر گذرے۔ چونکہ حضرت والا کے مقیم کانپور ہونے کا حال معلوم تھا از راہ شفقتِ بزرگانہ بے اختیار ملنے کو جی چاہا اور اُتر پڑے۔ چونکہ پیر جی صاحب رح نہایت آزاد مزاج تھے اس لئے سرائے میں جا کر ٹھہرے اور حضرت والا کو کہلا بھیجا کہ اگر اپنی وضع کے خلاف نہ سمجھو تو یہاں آکر مجھ سے ملجاؤ۔ بچپن کے بعد سے نہیں دیکھا دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اھ

حضرت والا جب بہت کم عمر تھے اور کلام اللہ حفظ کر رہے تھے اُسوقت پیر جی صاحب سے بمقام کیرانہ ایک تقریب میں ملاقات ہوئی تھی جس میں حضرت والا کے والد ماجد بھی مع حضرت والا شریک ہوئے تھے اور پیر جی صاحب رح نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ پیر جی صاحب نے حضرت والا سے ایک رکوع بھی سُنا تھا اور دعا بھی فرمائی تھی۔ اُس کے بعد پھر ملنے کا موقع نہ ملا تھا۔ کیونکہ پیر جی صاحب رح کا مستقل قیام بمقام حیدر آباد رہتا تھا اور چونکہ آزاد مزاجی اور شانِ ترک بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھی اس لئے وطن میں بہت کم آنا ہوتا تھا۔ جناب پیر جی صاحب رح میں انتہا درجہ کی شورشِ عشقی تھی اور بالکل لاابالی اور قلندرانہ شان رکھتے تھے نیز فطری طور پر طبیعت میں نہایت شوخی و بیباکی اور مزاج میں بے حد بیباکی و آزادی تھی۔ پھر انھیں مرشد بھی ایسے ہی ملے جن میں شانِ ترک و آزادی بہت بڑھی ہوئی تھی چنانچہ پیر جی صاحب رح اکثر موقعوں پر بڑے جوش اور ناز سے فرمایا کرتے تھے کہ سنو جی میں آزاد ہوں اور آزاد کا غلام ہوں

ان سب مجموعۂ حالات نے اُن کو کچھ ایسا بنا دیا تھا جیسا کہ درویشوں میں ایک فرقہ ملامتیہ مشہور ہے یا بہ اصطلاح حضرت حاجی صاحب رح یوں کہئے کہ اولیاء مستہلکین میں سے تھے لیکن زیادہ تر صرف زبان کے آزاد تھے اور صاحبِ عُرس و سماع تھے۔ ویسے پابند صوم و صلوٰۃ تھے اور نہایت پُر مغز و پُر معنی حکیمانہ و درویشانہ باتیں فرمایا کرتے تھے اور مقصود حقیقی کی طلب میں ایسے

ایسے ریاضات و مجاہدات شاقہ کئے ہوئے تھے کہ ناک سے دماغ پگھل پگھل کر بہنے لگا تھا اور سوز و گداز کا یہ حال تھا کہ اُنکے پاس بیٹھنے سے قلب میں ایک آگ سی لگ جاتی تھی اور دنیا سے نفرت اور تعلقات سے وحشت پیدا ہو جاتی تھی - لیکن اُن کے بعض اقوال و اعمال بلا تاویل شریعت پر منطبق نہ ہو سکتے تھے اور بعض دفعہ تاویل بھی بعید ہوتی تھی - یہ سب کچھ تھا لیکن جس حال میں بھی تھے نہایت صادق تھے - ریاکار یا دوکاندار نہ تھے - غرض حضرت شیفتہ رح کے اس شعر کے پورے پورے مصداق تھے ؎

آشنایاں شیوۂ بیگانگی خوش کردہ اند پاکداماں بودن و آلودہ داماں زیستن

چونکہ زبردست صاحبِ حال و قال درویش تھے اس لئے صاحبِ سماع بھی تھے اور وہ بھی ایسے کہ سفر و حضر میں آلاتِ سماع ساتھ ساتھ رہتے جیسا کہ اکثر صاحب سماع درویشوں کا معمول ہے اِدھر تو ان کا یہ حال اور اُدھر حضرت والا ایک مشہور متبع سنت عالم اسی لئے پیر جی صاحب نے یہ کہلا کر بھیجا تھا کہ اگر تم اپنی وضع کے خلاف نہ سمجھو تو مجھ سے سرائے میں آکر ملجاؤ اور اسی وجہ سے حضرت والا کے پاس جا کر نہیں ٹھہرے تھے بلکہ سرائے میں قیام فرمایا تھا - دیکھئے باوجود اسقدر آزاد مزاجی کے اہل علم کی کس درجہ رعایت تھی - غرض حضرت والا خبر پاتے ہی اپنے ماموں صاحب قبلہ سے سرائے میں آکر ملے - اور باصرار عرض کیا کہ حضرت مکان تشریف لے چلیں کیونکہ اپنے مہمان اور ایسے بزرگ مہمان کا سرائے میں قیام فرمانا کیونکر گوارا فرما سکتے تھے - پیر جی صاحب نے اپنی اُسی آزاد مزاجی کی بنا پر جس کا اوپر ذکر کیا گیا فرمایا -

کہ میاں تم عالم باعمل ہو مجھے نہ لیچلو - دیکھنے والے کہیں گے کہ کس لچے اور شہدے کو اپنے یہاں لے آئے ہیں مگر حضرت والا نے کسی طرح نہ مانا اور اپنے ساتھ لے ہی آئے اور پیر جی صاحب مع اپنے سب سازو سامان کے جسمیں آلاتِ سماع بھی تھے حضرت والا کے یہاں آکر مقیم ہو گئے مدرسہ والوں کو تعجب بھی ہوا لیکن جب پیر جی صاحب کی دلچسپ چلبلی باتیں شروع ہوئیں تو سب کے دلوں میں ایک آگ سی لگ گئی اور اسقدر گرویدگی اور خوش عقیدگی بڑھی کہ سب پیر جی صاحب کا دم بھرنے لگے اور اصرار کر کے کئی دن تک ٹھہرا رکھا - حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ماموں صاحب میں اسقدر شورش اور سوزش تھی کہ کلمات سے آگ سی نکلتی ہوئی معلوم ہوتی تھی بس یہ شعر صادق آتا تھا ؎

غلامِ آں کلماتم کہ آتش افروزد نہ آب سرد زند در سخن بر آتشِ تیز

حضرت والا کے قلب مبارک میں تو پہلے ہی سے آگ لگی ہوئی تھی۔ بس پیر جی صاحب کی آتش بیانی اور اثر سوز و گداز نہانی نے اُس آگ کو اور بھی بھڑکا دیا اور بے اختیار قلب میں نہایت شدت کے ساتھ یہ تقاضا پیدا ہوا کہ ان سے تو جس طرح بھی بن پڑے دولت عشق محبوب حقیقی حاصل کی جائے اور رجوع کر کے خاص اہتمام کے ساتھ ذکر و شغل میں لگا جائے اگر کسی کو جنگل میں ایسی پیاس لگے کہ وہ بیتاب ہو جائے اور سامنے کسی گڑھے میں پانی نظر آئے جو کسی قدر خاک آمیز بھی ہو اور گرم بھی تو کیا وہ اپنی طبیعت کو روک سکے گا اور کیا وہ یہ سوچے گا اور اس کا انتظار کریگا کہ ابھی ٹھہریں گھر پہونچکر ٹھنڈا اور صاف پانی پیئیں گے۔ درآنحالیکہ اُس کا گھر ابھی بہت فاصلہ پر ہے۔ عقل کا مقتضا یہی سہی لیکن اُس کے ساتھ ہی یہ بھی صحیح ہے کہ ع عشق آمد عقل او آوارہ شد شدت تشنگی میں توریت کو بھی پانی سمجھ لیا جاتا ہے اور اس کی طرف سبقت کیجاتی ہے پھر یہاں تو پانی تھا گو نسبۃً خاک آمیز سہی۔ یہاں کیونکر صبر آسکتا تھا اور کیوں نہ سبقت کی جاتی کیونکہ پاک تو وہ بھی ہے اور ایک درجہ میں منتفع بہ بھی ہے کما اشار الیہ العارف الرومی ؎

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند — صاف گر باشد ندانم چوں کند

بالخصوص خاک بیٹھ جانے کے بعد جب پانی نتھر آئے اور خذ ما صفا و دع ماکدر کا مصداق بن سکے۔

اس واقعہ کی ٹھیک نظیر بقول حضرت والا فقہیات میں توضی بنبیذ التمر ہے کہ اولاً امام صاحب نے اس کی اجازت دی تھی اور جس حدیث سے اسپر استدلال کیا تھا اسمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے تمرۃٌ طیبۃٌ وماءٌ طھورٌ۔ اور ایک روایت میں ہے تمرۃٌ حلوۃٌ وماءٌ عذبٌ (رواہ احمد والدارقطنی وابن ماجہ والتفصیل فی الاستدراک الحسن) جو صریح ماخذ ہو سکتا ہے مثال مذکور آب مخلوط بالتراب کا کہ تراب طیب اور ماء طہور ہیں جس طرح آب خالص نہ ہونے کے وقت امام صاحب نے تیمم کو کافی نہیں سمجھا بلکہ توضی بالنبیذ کا حکم دیا تھا اسی طرح طریق خالص پر قدرت نہ ہونے کے وقت محض اوراد ظاہری پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ آبِ مخلوط کو اسپر ترجیح دی گئی پھر جس طرح آب خالص کے ملنے پر نبیذ کا استعمال واجب الترک ہے اسی طرح طریق خالص تک رسائی ہونے پر طریق مخلوط کو ترک کر دیا گیا۔ نیز طریق مخلوط اس صفت میں بھی نبیذ کی نظیر ہے کہ دونوں میں استعداد ہے سُکر غیر مطلوب کی۔ پھر جس طرح امام صاحب کی آخری رائے بوجہ تردد و خطرہ عدم انطباق علی الاصول الشرعیہ کی توضی بالنبیذ کے عدم جواز

اور تیمم کو وجوباً اختیار کرنے کی ہے اسی طرح صاحب واقعہ کی اخیر تحقیق یہی ہے کہ طریق خالص کے نہ ملنے تک صرف اورادِ ظاہری پر اکتفاء واجب ہے اور طریق غیر خالص کا اختیار کرنا بوجہ اس کے پر خطر ہونے کے جائز نہیں انتہیٰ۔

غرض حضرت والا نے دیکھا کہ اپنے پیر و مرشد تو سمندر پار تشریف فرما ہیں اور یہاں شدّت و عُجلتِ طلب اور دل کی تڑپ کا یہ تقاضا ہے کہ بس کسی طرح جلد سے جلد مقصود تک رسائی نصیب ہو جائے اور اس کا بظاہر سامان بھی آنکھوں کے سامنے ہی موجود تھا بس پیر جی صاحب کی طرف بے اختیار جُھک پڑے اور رجوع کیا جن سے بوجہ قرابتِ قریبہ بزرگانہ بہت ہی خاص توجہ کی بھی توقع تھی کیونکہ حضرت والا جناب پیر جی صاحب کی گویا اولاد ہی تھے اور اس حیثیت سے جانبین میں جو مناسبت اور کشش باہمی تھی وہ بھی ظاہر ہے۔ لیکن علم اور اپنے حضرات اکابر کے تعلق اور فیض صحبت کی یہ برکت ہوئی کہ خُذ مَا صَفا وَدَع مَا کَدِر کو بہر حال اپنا مطمح نظر اور نصب العین رکھا اور یہ شان حسن ظن اور وسعت خیال کی بالخصوص درویشوں کے ساتھ حضرت والا میں اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ شاید و باید اور ابتدائی زمانہ میں تو علاوہ وجوہ مرقومہ بالا یعنی شدت طلب و بُعد از حضرت مرشد کے بقول حضرت والا دقائق طریق سے ناواقفی بھی منجملہ اسباب رجوع مذکور تھی۔ غرض اس رجوع پر حضرت حافظ شیرازی رح کے یہ اشعار صادق آتے تھے ؎

دوستاں عیب من بیدلِ حیراں مکنید | گوہرے دارم و صاحب نظرے میجویم
گرچہ بادلق ملمع مے گلگوں عیب ست | مکنم عیب کزو رنگِ ریا می شویم
واعظم گفت کہ خاکِ درِ میخانہ مبوئے | گو مکن عیب کہ من مشکِ ختن میبویم

حضرت والا نے مختصراً اس رجوع کی اور اُس وقت کی کیفیت کی حقیقت اپنے اُس عریضہ میں تحریر فرمائی ہے جو حضرت مولانا گنگوہی رح کی خدمت میں اپنی معذوری ظاہر کرنے کے لئے تحریر فرمایا تھا وہ خط بہ ضرورت اخفاء عن العوام غیر ذوی الافہام عربی میں لکھا تھا جس کا لفظ لفظ اثر میں ڈوبا ہوا اور کیفیت سے بھرا ہوا ہے۔ اُس کے چند فقروں کو جو اس مقام کے مناسب ہیں بغرض مزید توضیح حالت اصل عبارت میں نقل کیا جاتا ہے۔ ...... فیا مولٰنا واللہ انی کنت فی ذلک الزمان غریقاً فی بحار الحیرة والطلب والتطلع الی من یخلصنی من ذالک الوصب والنصب + اذ نادی مناد من قریب من غیر ارادتی وقصدی ہات یدک بیدی انجیک من ہذا البحر اللجی +

وان الغریق یتشبث بکل حشیش + لما ھو فیہ من التھویش والتشویش + وقد کنت من وراء البحار من حبیبی + ومغیثی وطبیبی + ومعھذا ما ترکت بحمد اللہ یوماً العمل بقول الاکابر + خذ ما صفا ودع ما کدر + انتھی۔ غرض ان سب مجموعی حالات کا یہ قدرتی نتیجہ ہوا کہ حضرت والا نے اپنے مشفق مکرم ماموں صاحب قبلہ سے رجوع کر کے خاص اہتمام کے ساتھ ذکر وشغل شروع کر دیا اور اب ۱۳۱۰ھ سے حضرت والا کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ پہلا دور تو علمی پرواز کا تھا اور یہ دوسرا دور عشقی سوز وگداز کا۔

بس ذکر وشغل کا اس طرح سے شروع فرمانا تھا کہ حضرت والا کا رنگ ہی بدل گیا۔ اور گویا بالکل کایا پلٹ ہی ہوگئی شغل باطن سے یہاں تک دلچسپی بڑھی کہ تعلقات سے نفرت ہوگئی اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بذریعہ عریضہ ترک ملازمت کا مشورہ لیا جیسا اوپر مذکور ہوا لیکن حضرت حاجی صاحب رح نے خلق اللہ کو فیض دینی پہونچانے کی خدمت کو ترجیح دی اور ترک تعلق کی اجازت مرحمت نہ فرمائی کیونکہ ابھی اسکا وقت نہ آیا تھا تکمین کا انتظار تھا چنانچہ حضرت والا نے حسب ارشاد حضرت حاجی صاحب رح سلسلۂ درس وتدریس بدستور جاری رکھا اور ذکر وشغل میں بھی مشغول رہے بالآخر ۱۳۱۰ھ میں اشتیاق وصول الی اللہ نے رفتہ رفتہ بڑھ کر اضطراب والتہاب کی صورت اختیار کر لی اور شدت وعجلت طلب نے اس درجہ بے چین کر دیا کہ کسی طرح سکون ہی نہ ہوتا تھا اس کیفیت کو اصطلاح صوفیہ میں شوق سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں اپنے اصل دستگیر یعنی حضرت حاجی صاحب رح کا وہ پر شفقت ارشاد یاد آکر تازہ ہوگیا جو حاضری اول میں بربناء عنایت توجہ از خود فرمایا تھا کہ میاں اشرف علی تم میرے پاس چھ مہینے رہ جاؤ۔ یہ ارشاد فیض بنیاد وسٹ برس سے برابر دل میں چھپا ہوا تھا کیونکہ اُسوقت اُس کی تعمیل والد ماجد صاحب کے حقوق نے نہ کرنے دی تھی جیسا کہ بہ تفصیل بیان کیا جا چکا ہے۔

چونکہ اس ارشاد مبارک کی تعمیل کی حالت موجودہ میں اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی اور والد ماجد صاحب کی وفات سے وہ مانع بھی مرتفع ہو گیا تھا لہذا بہ توجہ خاص حضرت والا نے اتنی مدت کے قیام مکہ معظمہ کے لئے اپنے آپ کو درس وتدریس کے مشاغل سے فارغ کر لینے کا اہتمام بلیغ شروع فرما دیا اور جلد ہی اس میں کامیاب بھی ہو گئے۔ کیونکہ ذوق وشوق کی فراوانی اور کثرت سوز وگداز کی حدت وشدت وصول الی المقصود کی غایت رغبت قطع طریق کی انتہائی عجلت شورش وجذب عشق ومحبت یا بہ اعتبار حقیقت یوں کہئے کہ خود محبوب حقیقی کی کشش غیبی

وجاذبیت کی بدولت سب موانع مرتفع ہوتے چلے گئے اور بعون اللہ تعالےٰ وہ ارادہ جس کی تکمیل کی نوبت دس برس کی طویل مدت میں بھی نہ آسکی تھی چند ماہ ہی میں بسہولت وبلا دقت تکمیل کو پہونچ گیا۔ اور حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر صادق آگیا ؎

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید　　خیرہ یوسف وار می باید دوید

اور حضرت والا اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں بمقام مکۂ مکرمہ چھ ماہ قیام کرنے کی نیت سے گویا حضرت حافظ کی یہ غزل بزبان حال پڑھتے ہوئے روانہ ہوگئے۔

چو باد عزم سر کوئے یار خواہم کرد	نفس بہوئے خوشش مشکبار خواہم کرد
ہر آبروئے کہ اندوختم ز دانش و دیں	نثار خاکِ رہِ آں نگار خواہم کرد
بہرزہ بے مے و معشوق عمر می گذرد	بطالتم بس از امروز کار خواہم کرد
بیاد چشم تو خود را خراب خواہم ساخت	بنائے عہد قدیم استوار خواہم کرد

نفاق و زرق نہ بخشد صفائے دل حافظ
طریق رندی و عشق اختیار خواہم کرد

اور ذوق و شوق کا وہ عالم تھا جیسے حضرت حافظ رحمہ فرمایا ہے ؎

بہواداریِ او ذرہ صفت رقص کناں　　تا لبِ چشمۂ خورشید درخشاں بردم
من کز وطن سفر نگزیدم بعمر خویش　　در عشقِ دیدنِ تو ہوا خواہ غربتم

غرض حضرت والا حضرت حاجی صاحب رہ کی خدمت میں بصد اشتیاق حاضر ہوکر قیام پذیر اور بصد ذوق وشوق ہمہ تن مشغول استفاضۂ باطنی ہوگئے۔ مرکز پر پہونچنا تھا کہ سارا اضطراب والتہاب جو ایک عرصہ سے لاحق حال ہو رہا تھا مبدّل بہ سکون وطمانیت ہوگیا اور اب وہ کیفیت رونما ہوئی جسکو اصطلاح صوفیہ میں اُنس کہتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر بہ تفصیل بیان کیا جاچکا ہے۔

حضرت حاجی صاحب رہ تو اُس خاص روحانی تعلق کی بناء پر جس سے متاثر ہوکر قبل تعارف ہی حضرت والا کو مکہ معظمہ طلب فرمایا تھا اور بوقت حاضری اول چھ مہینہ قیام کرنے کے لئے از خود ارشاد فرمایا تھا۔ پہلے ہی سے اشتیاق میں تھے۔ حضرت والا کے پہونچنے سے ایسے مسرور ہوئے جیسے بلا تشبیہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے پر مسرور ہوئے تھے بس پھر کیا تھا خاص الخاص توجہات وعنایاتِ بے غایات شروع فرمادیں

اس درجہ شفقت وعنایت فرماتے تھے کہ دوسروں کو حسد ہونے لگا تھا یہاں تک کہ حضرت والا ارشاد فرمایا کرتے ہیں کہ میں یہ چاہا کرتا تھا کہ حضرت میرے اوپر اتنی عنایت وشفقت سب کے سامنے نہ فرمایا کریں تو اچھا ہو۔ آخر میں حاسدین سے حضرت والا کو اتنا اندیشہ ہو گیا تھا کہ ارادہ تو تھا پورے چھ مہینہ قیام فرمانے کا لیکن ہفتہ عشرہ قبل ہی رخصت ہو گئے کہ ابھی تو میں حضرت کے یہاں مقبول ہوں آیندہ کہیں لگائی بجھائی کرنے والے حاسدین حضرت کو میری طرف سے مکدّر نہ کر دیں اس لئے انشراح ہی کی حالت میں رخصت ہو جانا چاہیئے۔

اُدھر حضرت حاجی صاحب کی قوت افاضہ اِدھر حضرت والا کی قابلیت استفاضہ بس تھوڑے ہی دن میں باہم اس درجہ مناسبت ہو گئی کہ حضرت حاجی صاحب رح بے ساختہ یہ فرمانے لگے کہ بس تم پورے پورے میرے طریق پر ہو اور جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا جب کبھی حضرت والا کی کوئی تحریر یا تقریر دیکھنے یا سننے کا اتفاق ہوتا تو خوش ہو کر فرمانے لگتے کہ جزاکم اللہ تم نے تو بس میرے سینہ کی شرح کر دی اور اگر دوران تقریر علوم ومعارف میں کوئی کچھ سوال کرتا تو بجائے خود جواب دینے کے حضرت والا کی طرف اشارہ فرما دیتے کہ اِنسے پوچھ لینا یہ اچھی طرح سمجھ گئے ہیں حالانکہ حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں غایت ادب سے حضرت کے سامنے ہمیشہ خاموش ہی بیٹھا رہتا تھا اور بہت ہی کم کبھی ضرورت ہی کے وقت کچھ بولنے کا اتفاق ہوتا تھا اھ۔

سبحان اللہ حضرت حاجی صاحب رح کی بھی بصیرت باطنی کس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ اپنے نور فہم اور فراست ایمانیہ سے حضرت والا کی سخن فہمی اور معنی شناسی کو معلوم فرما لیتے تھے۔ مگر بُرا ہو حسد کا کہ باوجود حضرت حاجی صاحب رح کے صریح حکم کے بھی کبھی کسی نے بعد کو حضرت والا سے رجوع کر کے حلِ اشکال نہ کیا۔ غرض غایت مناسبت کی بنا پر حضرت والا بے تکلف اس کے مصداق ہو گئے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی + تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

مناسبت کے متعلق ایک اور واقعہ یاد آیا۔ حضرت حاجی صاحب رح نے ایک بار سید احمد خاں مرحوم کو نصیحت کا خط لکھنا چاہا تو کئی صاحبوں نے مسوّدات حسب تجویز حضرت حاجی صاحب رح تیار کر کے پیش کئے لیکن کوئی پسند نہ آیا پھر حضرت والا سے لکھنے کے لئے ارشاد ہوا۔ حضرت والا کا مسودہ بہت پسند آیا۔ لیکن بعض لوگوں نے خواہ مخواہ یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ سر سید احمد خاں یہ بدگمانی کریں گے کہ حضرت مولانا گنگوہی رح کے ایماء سے یہ خط لکھا گیا ہے اور یہ بدگمانی مولانا کے لئے مضر ہو گی اور کہا کہ اس کا بھیجنا خلاف مصلحت ہے چونکہ حضرت حاجی صاحب رح نہایت نرم خو تھے حسب عادت شریف

فرمایا کہ اچھا جیسی مرضی ہو چنانچہ وہ خط نہ بھیجا گیا لیکن بعد کو کئی بار فرمایا کہ اگر وہ خط بھیجدیا جاتا تو امید تو تھی کہ اصلاح ہو جاتی۔ لیکن ہمارے دوستوں کی رائے نہ ہوئی۔

(**نوٹ** - یہ خط حضرت والا کے رسالہ اصلاح الخیال کے اخیر میں طبع بھی ہو چکا ہے ۱۲)

اسی طرح تنویر کا ترجمہ "اکسیر فی اثبات التقدیر" بھی حضرت والا نے حضرت حاجی صاحبؒ ہی کی فرمائش پر مکہ معظمہ کے قیام میں کیا تھا - حضرت والا روز کا ترجمہ روز حضرت حاجی صاحب رح کو سنا دیا کرتے تھے حضرت سن کر بہت خوش ہوتے اور مقدار کی زیادتی پر فرمایا کرتے کہ اللہ تعالے نے تمہارے وقت میں برکت عطا فرمائی ہے چنانچہ بفضلہ تعالے یہ پیشینگوئی حرف بحرف راست ہوئی - جس پر حضرت والا کی صدہا تصانیف شاہد عدل ہیں - ایک بار بہت سے خطوط قریب پچاس کے آ گئے ختم پر حساب لگایا تو فی خط دو منٹ سے بھی کچھ کم صرف ہوا - حالانکہ لمبے لمبے خطوط آتے ہیں جن کے پڑھنے ہی میں کافی وقت صرف ہو جاتا ہے اور جواب لکھنا مزید براں - اور وقت میں برکت کی صورت اکثر و بیشتر منجانب اللہ یہ بھی واقع ہوتی رہتی ہے کہ جب کسی اہم دینی کام میں مشغولی ہوتی ہے تو مخل اوقات واقعات و حادثات سے حفاظت رہتی ہے - مثلاً جب خطوط زیادہ آ گئے تو تعویذ لینے والے بہت کم آئے چنانچہ جس روز پچاس کے قریب خطوط آ گئے تھے جن کا ذکر ابھی کیا جا چکا ہے اُس روز دوران تحریر جوابات میں ایک بھی تعویذ لینے والا نہ آیا جس کا حضرت والا نے حاضرین مجلس سے خاص طور پر تذکرہ بھی فرمایا اور اللہ تعالے کا شکر ادا کیا۔

نیز جس زمانہ میں تفسیر بیان القرآن تحریر فرما رہے تھے حضرت فرماتے ہیں کہ بفضلہ تعالے ڈھائی برس کی طویل مدت میں کبھی میرا کان تک بھی گرم نہ ہوا اور ایک دن بھی ناغہ نہیں ہوا کبھی معمولی شکایت نزلہ زکام تک کی بھی نہ ہوئی - حالانکہ اُس دوران میں خاص تھانہ بھون ہی کے اندر طاعون کا عرصہ تک زور رہا - اور اس معنی کر کسی قدر حرج بھی ہوا کہ میں نماز جنازہ اور دفن میں بکثرت شرکت کرتا تھا لیکن یہ حرج ایسا نہ تھا کہ جس کا تدارک بعد کو نہ ہو سکے - میں اُس زمانہ میں یہ دعا کیا کرتا تھا کہ تفسیر کے ختم ہونے تک نہ مروں اھ۔

حضرت والا کے وقت میں برکت اس طور پر بھی بہت ہو جاتی ہے کہ جب کچھ لکھنے بیٹھتے ہیں تو مضامین کی آمد فوراً شروع ہو جاتی ہے اور اکثر دیکھا گیا کہ بہت اُلجھے ہوئے خطوط کے جوابات بھی نہایت کافی و وافی و شافی نیز تصانیف میں بڑے بڑے دقیق مضامین علمیہ کی تقریریں بھی قلم برداشتہ لکھتے چلے جاتے ہیں - پھر بھی جامعیت تحریر کی یہ شان ہوتی ہے کہ کوئی ضروری اور خفی سے خفی پہلو بھی

نظر انداز نہیں ہونے پاتا۔ وقت میں برکت کی یہ صورت بھی اکثر دیکھی گئی کہ جس مضمون کو کسی کتاب میں ڈھونڈھنا چاہا یا تو اُس کا موقع فوراً ذہن میں آگیا یا اتفاق سے ورق گردانی میں وہی مقام نکل آیا اور وقت میں سب سے زیادہ برکت انتہائی انضباطِ اوقات حسن انتظام وعدم کاوش کے علاوہ اس طور پر بھی ظہور پذیر ہوتی ہے کہ جب کسی کام کو حضرت والا شروع فرما دیتے ہیں تو اُس سے قلب کو فارغ کرنے کا اس درجہ تقاضہ طبیعت میں پیدا ہوتا ہے کہ جب تک ختم نہیں فرما لیتے چین ہی نہیں آتا یہاں تک کہ بعض تصانیف کے ختم کے قریب رات رات بھر بیٹھے لکھتے رہے اور ایک منٹ کو بھی آرام نہیں فرمایا۔ چنانچہ خود احقر کی موجودگی خانقاہ میں بھی ایسا ہوا۔ خود فرمایا کرتے ہیں کہ چاہے توفیق یاد خدا کی نہ ہو لیکن میں اپنی طرف سے تو قلب کو فارغ رکھنے کی کوشش ہی کرتا رہتا ہوں تاکہ اگر کبھی توفیق ہو تو آسانی سے حق تعالےٰ کی طرف قلب کو رجوع تو کر سکوں اور اُس وقت کوئی مانع تو توجہ الی اللہ سے نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اُلجھی ہوئی باتوں سے میری طبیعت پریشان ہو کر متغیر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ میں یہ چاہا کرتا ہوں کہ بات ختم ہو کر جلد یکسوئی حاصل ہو اور طبیعت اٹکی نہ رہے۔ اور لوگ اُلجھی ہوئی باتیں کر کر کے طبیعت کو دیر دیر تک خواہ مخواہ اٹکائے اور اُلجھائے رکھتے ہیں۔

نیز حضرت والا بفضلہ تعالےٰ بہت کم بیمار پڑتے ہیں اور اگر کبھی کوئی شکایت ہوتی ہے تو بحمد اللہ جلد رفع ہو جاتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا کہ مہینوں رہنے والی بیماری سے بھی دو تین چار دن ہی میں صحتیاب ہو ہو گئے اور کاموں میں معتد بہ حرج واقع نہ ہونے پایا ورنہ اس کثرت سے کام رہتے ہیں کہ اگر کچھ دنوں کے لئے بھی رُک جائیں تو پھر اُنکا ختم کرنا ممکن نہ رہے کیونکہ دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ حضرت والا ہر وقت کسی نہ کسی کام ہی میں مشغول رہتے ہیں۔ بلکہ نہایت حیرت ہے کہ ایک ایک وقت میں کئی کئی کام کرتے رہتے ہیں اکثر دیکھا گیا ہے کہ حفظ تلاوت بھی جاری ہے اور کبھی وقفات میں کبھی بلا وقفہ خطوط کے جوابات بھی لکھ رہے ہیں طالبین بھی اپنے قلوب میں توجہ کا اثر محسوس کر رہے ہیں اور توجہ بحق سے تو کسی وقت غافل ہی نہیں بمصداق دل بیار دست بکار۔ پھر مسائل دقیقہ جو اکثر اوقات در پیش ہی رہا کرتے ہیں اُن میں بھی غور و خوض فرماتے رہتے ہیں چنانچہ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ فلاں مسئلہ فلاں جگہ چلتے ہوئے سمجھ میں آیا۔ فلاں مسئلہ نماز میں سمجھ میں آیا۔ فلاں اشکال فلاں موقع پر فلاں فلاں حالت میں حل ہوا۔ اللہ تعالےٰ کی غیب سے یہ بھی مدد ہوتی ہے کہ ماشاء اللہ تعالیٰ اول تو حضرت والا بہت ہی کم بیمار ہوتے ہیں جیسا ابھی ذکر ہوا پھر اکثر یہ دیکھا گیا کہ بیماری میں بھی حتی المقدور کام نہیں چھوڑتے جب تک کہ بالکل مجبور نہ ہو جائیں۔

عجیب اتفاق ہے کہ آج ۱۹ر جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ کو بھی حضرت والا کے کوکھ میں بہ دوراں تحریر مضمون ہذا شدید ریاحی درد تھا جو گردہ کے قریب تک پہونچا ہوا تھا لیکن ضبط کئے ہوئے نماز فجر پڑھائی اور کسی پر ظاہر نہ فرمایا سب کو تعجب تھا کہ خلاف معمول چھوٹی سورتیں کیوں تلاوت فرمائیں پھر اور کام بھی کرتے رہے۔ آٹھ بجے کے بعد خدام کو پتہ چلا سینک وغیرہ تدابیر سے بحمد اللہ گھنٹہ بھر ہی میں درد بالکل جاتا رہا اور حضرت والا بدستور صبح کی مجلس میں تشریف رکھ کر طالبین کو مستفید فرماتے رہے گو شدید قسم کا درد تھا مگر حق تعالےٰ نے بہت جلد رفع فرمادیا فالحمد للہ حضرت والا نے بعد رفع درد فرمایا کہ چونکہ طبیعت کو اس قسم کی تکالیف کی عادت نہیں اس لئے تھوڑی دیر کی تکلیف میں بھی ایسا ضعف محسوس ہونے لگا جیسے مہینہ بھر بیمار رہا ہوں۔ درد بالکل اندر تک سرایت کئے ہوئے معلوم ہوتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے بڑی جلدی فضل فرمادیا۔ یہ سب مضمون وقت کی برکت کے متعلق استطراداً معرض تحریر میں آگیا۔ اب میں پھر حضرت حاجی صاحب رح کی توجہات وعنایات و بشارات کی حکایات نقل کرنے کی طرف عود کرتا ہوں۔

حضرت والا یوں تو اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں رہکر بفضلہ تعالیٰ سبھی باطنی دولتوں سے مالامال ہوئے لیکن دورانِ قیام میں توحید کا انکشاف بدرجۂ کمال ہوا جو اساس شریعت وطریقت اور گویا مغز درویشی ہے اور جس کا ثمرۂ لازمی عبدیت ہے جو سلوک کا اعلیٰ ترین مقام ہے اور یہی وہ دولتیں ہیں جن کے حضرت حاجی صاحب رح خاص طور سے حامل تھے اور جو سلسلۂ امدادیہ کی طغرائے امتیاز ہیں اور جو حضرت حاجی صاحب رح نے باذن اللہ تعالےٰ اپنے سینۂ مبارک سے حضرت والا کے سینۂ مبارک میں بہ تمام وکمال منتقل فرماکر ہمیشہ کے لئے ودیعت فرمادی تھیں جن کے آثار ابتک حضرت والا کے اقوال وافعال اعمال واحوال نشست و برخاست حرکات وسکنات سبھی سے روز روشن کی طرح نمایاں ہیں اور حضرت والا کے یہ فیوض وبرکات جو سرقاً وغرباً پھیلے ہوئے ہیں انھیں آفتاب وماہتاب کی شعاعیں اور تابشیں ہیں۔

دوران قیام مکہ معظمہ میں توحضرت والا پر توحید کا اسقدر غلبہ تھا کہ اُس زمانہ میں ایک نہایت پر کیف غزل بھی لکھی تھی جس میں سرتاسر توحید وجودی ہی کے مضامین تھے لیکن باوجود مضمون کے موجہ ہونیکے چونکہ بوجہ غلبۂ حال اُس غزل کا عنوان خلاف ظاہر تھا اس لئے اُس سے رجوع فرمالیا۔ اور چونکہ اُس سے رجوع فرماچکے ہیں اس لئے اُس کو اس جگہ درج کرنے کی بھی اجازت نہیں مرحمت فرمائی۔ تاہم حوالہ کی مصلحت سے احقر نے اُس غزل کے صرف دو سادہ شعر اس جگہ لکھنے کی اجازت طلب کرلی ہے وہ یہ ہیں

۵ خودی جب تک رہی اُس کو نہ پایا — جب اُسکو ڈھونڈھ پایا خود عدم تھے
حقیقت کیا تمہاری تھی میاں آہ — یہ سب امداد کے لطف و کرم تھے

اس غزل میں اپنا تخلص آہ تجویز فرمایا اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں حضرت والا پر کسقدر غلبۂ سوز و گداز تھا۔ حضرت حاجی صاحب رح کو یہ غزل بوجہ حسب حال ہونے کے اسقدر پسند آئی تھی کہ بعض مشائخ کو جو زیارت کے لئے حاضر ہوئے تھے حضرت والا سے فرمائیش کر کے خاص طور سے سنوائے اور جب حضرت والا سنا چکے تو حضرت حاجی صاحب رح نے اُن سے فرمایا کہ یہ محض قال نہیں ہے انکا حال ہے۔

اسی زمانہ قیام مکۂ معظمہ میں تنزلات ستّہ کے مسئلہ پر جس کا توحید وجودی سے خاص تعلق تھا ایک رسالہ بھی حضرت والا نے تحریر فرمایا تھا جس کا نام "انوار الوجود فی اطوار الشہود" رکھا تھا اُس کا ایک جزو التجلی العظیم فی احسن تقویم بھی ہے جس میں انسان کی جامعیت کی تحقیق ہے۔ یہ مضامین بھی حضرت والا نے حضرت حاجی صاحب رح کو سنائے تھے حضرت حاجی صاحب رح سنکر بیحد مسرور ہوئے اور جوش میں آکر فرمایا کہ اس میں تو تم نے بالکل میرے سینہ کی شرح کر دی۔ اس ارشاد سے بھی اس امر کی صراحۃً تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت حاجی صاحب رح نے جو خاص چیز اپنے سینۂ مبارک سے حضرت والا کے سینۂ مبارک میں ودیعت فرمائی تھی وہ توحید تھی جیسا ابھی بیان کیا گیا۔ چونکہ یہ مضامین بھی غلبۂ توحید کے زمانہ کے لکھے ہوئے ہیں اس لئے اُن کے مطالعہ سے بھی رسالہ تنبیہات وصیت کے ضمیمہ ملقب بہ ثانیۃ التابعہ مضمون دہم نمبر اول مطبوعہ النور ماہ شوال المکرم ۱۳۴۴ھ صفحہ ۲۰ میں عوام کو ممانعت فرمادی ہے اور خواص کو بھی اُنکا درجہ بتلا دیا ہے کہ اُن کو ذوقیات سے آگے نہ بڑھائیں اُسی زمانۂ غلبۂ انکشافِ توحید کا ایک اور واقعہ یاد آیا۔

حضرت والا سے ایک صاحب علم مولوی محمد احسن صاحب نے جو مکۂ معظمہ میں مطوّف تھے وحدۃ الوجود کے مسئلہ کے متعلق اپنا شبہہ ظاہر کیا کہ یہ تو بالکل خلاف ایمان معلوم ہوتا ہے حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ آپ کسی روز مجھ سے اس مسئلہ کی تقریر سن لیں۔ پھر انشاء اللہ تعالیٰ آپ خود اپنے منھ سے یہ کہنے لگینگے کہ بدون اس مسئلہ کے اعتقاد کے تو ایمان ہی کامل نہیں ہو سکتا چنانچہ ایک جمعہ کو صبح کے وقت حضرت والا نے اُن سے دو گھنٹہ مسلسل تقریر کی آخر میں وہ یہ کہہ کر اُٹھے کہ واقعی اس مسئلہ کی تو ایسی ضرورت ثابت ہوئی کہ بدون اس کے تو ایمان کا تحقق ہی نہیں ہو سکتا۔ حضرت والا نے تو تکمیل ایمان ہی کو اُس پر منحصر فرمایا تھا اُنھوں نے اس سے بھی آگے بڑھکر اُس کو

ایمان کا موقوف علیہ قرار دیدیا۔ جب اُنھوں نے خوش ہو کر حضرت حاجی صاحب رحمہ سے اس واقعہ کو نقل کیا تو حضرت حاجی صاحب رحمہ نے بہت مسرور ہو کر فرمایا کہ ہاں جی ہاں انپر یعنی (حضرت والا پر) یہ مسئلہ خوب منکشف ہو گیا ہے۔

اُسی زمانہ کا ایک اور واقعہ حضرت والا ہی کا بیان فرمایا ہوا یاد آیا۔ قاری عبدالحق صاحب کے مدرسہ کا سالانہ جلسہ ہوا تو حضرت والا سے وعظ کا اصرار کیا گیا۔ حضرت والا نے مکۂ معظمہ میں وعظ کہنا خلاف ادب سمجھا لہذا انکار فرمادیا اُن لوگوں نے حضرت حاجی صاحب رحمہ سے سفارش کرائی۔ پھر تو حضرت والا کو بادل ناخواستہ اوّ باقرار کرنا ہی پڑا۔ جلسہ میں پہونچے تو ایک بڑے ترکی عالم مفتی محمد عباس بھی موجود تھے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ان کے ہوتے ہوئے بھلا میری کیا مجال ہے کہ میں وعظ کہہ سکوں۔ چونکہ لوگ بہت مشتاق تھے اس لئے اُنھوں نے اُن عالم صاحب کے ذریعہ سے بھی فرمائش کرائی حضرت والا پھر مجبور ہو کر آمادہ ہو گئے جلسۂ قرأت شروع ہوا ایک نہایت خوش لحن ترکی لڑکے نے قرآن شریف پڑھا حضرت والا فرماتے ہیں کہ ایسا پُر درد و پُر اثر لہجہ میں نے عمر بھر نہیں سُنا تمام جلسہ پر ایک سنّاٹے کا عالم طاری ہو گیا اور میرے تو ہوش ہی بجا نہ رہے۔ ہچکی بندھ گئی۔ پھر جب مجھ سے وعظ کے لئے کہا گیا تو میں نے کہا کہ اگر مجھ سے وعظ کہلوانا تھا تو اس لڑکے سے قرآن شریف نہ سنواتے۔ اب تو میں بیان پر قادر ہی نہیں رہا اور واقعی اُس کی قرأت کا اتنا شدید اثر ہوا تھا کہ وعظ کہنے کی بالکل قدرت ہی نہ رہی تھی نہ ہاتھ پاؤں قابو میں رہے نہ دل قابو میں رہا نہ زبان قابو میں رہی۔ اُن لوگوں کو بھی دیکھنے سے معلوم ہو گیا کہ میں اُسوقت واقعی معذور تھا۔

چونکہ اس عذر کا لوگوں کے پاس کوئی علاج نہ تھا اس لئے مجبور ہو کر رہ گئے اور حضرت والا کے وعظ کے سننے کا اشتیاق اُن کے دل کے دل ہی میں رہ گیا۔ چونکہ حضرت والا کا دل وہاں وعظ کہنے کو نہ چاہتا تھا اسلئے اللہ تعالٰے نے غیب سے ایسا ہی سامان کردیا کہ وعظ نہ ہو سکا سچ ہے ع میدہد یزداں مرادِ متقین۔ اس واقعہ کر حضرت والا کا غایت ادب و تاثر و سوز و گداز قلبی ظاہر و باہر ہے اور یہ ناشی تھا غلبۂ عبدیت و انکشاف توحید و عظمت حق سے جو اثر تھا حضرت حاجی صاحب رحمہ کے فیض صحبت اور توجہ خاص کا۔

اب حاجی صاحب رحمہ کی توجہات خاصہ کے چند اور واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔

ایکبار حضرت والا پر حضرت شیخ کی زیارت کا اسقدر اشتیاق غالب ہوا کہ مضطر ہو کر خلوت ہی کے وقت خدمت میں پہونچ گئے اور غایت اشتیاق کا عذر پیش کر کے معذرت کی کہ میں اسوقت خلوت میں مخل ہوا حضرت غایت خصوصیت کی بناء پر فرمایا کہ خلوت از اغیار نہ از یار اور لطف کے ساتھ باتیں فرماتے رہے۔

ایک بار حضرت والا مجلسِ شیخ میں ذرا دیر کر کے حاضر ہوئے کیونکہ مزارات و مشاہد کی زیارت کے لئے چلے گئے تھے حضرت حاجی صاحب رح کو بر بنار خصوصیت حضرت والا کا بہت انتظار تھا۔ تاخیر کا سبب پوچھا تو حضرت والا نے عرض کیا کہ مقامات مقدسہ و مزارات وغیرہ کی زیارت کرنے چلا گیا تھا۔ فرمایا بہت اچھا کیا جائے بزرگاں بجائے بزرگاں۔

ایک بار سلسلۂ شاذلیہ کے ایک شیخ نے حضرت حاجی صاحب رح کی مع خدام کے دعوت کی حضرت حاجی صاحب رح نے اس شرط پر قبول فرمائی کہ سماع بھی ہو۔ اس پر بعض خدام کو جو علماء تھے شرکتِ دعوت میں تامل ہوا اور حضرت حاجی صاحب رح سے عذر کر دیا لیکن حضرت والا بلا تامل ساتھ ہولئے۔ اور جب آپس میں تذکرہ ہوا تو فرمایا ہم تو ضرور شریک ہوں گے ہم حضرت سے زیادہ متقی نہیں ہیں۔ جب حضرت شریک ہو رہے ہیں تو ہمیں کیا تامل ہو سکتا ہے ع

محتسب گرمے خورد معذور دار دست را

چنانچہ حضرت والا شریک ہوئے۔ وہاں پہونچے تو قبل طعام اُن شیخ کے خدام حلقہ باندھکر کھڑے ہوئے۔ اور اُن میں سے ایک نے کسی اسم الٰہی کا ذکر شروع کیا اُس کے ساتھ اوروں نے بھی آواز ملا کر وہی ذکر کرنا شروع کر دیا۔ وہ شخص جو ابتدا کرتا ہے مُنشِد کہلاتا ہے۔ کچھ دیر تک ایک اسم کا ذکر کر کے سب خاموش ہو جاتے پھر منشد کچھ توحید کے عشقیہ اشعار پڑھتا۔ سادہ مگر نہایت دلکش لہجہ تھا اور مُنشد ایک متمّم شخص تھے۔ اُس کے بعد کسی دوسرے اسم کا اسی طرح ذکر کرتے غرض سماع کیا تھا ایک نہایت پُر لطف اور پُر کیف مجلس ذکر تھی۔ بعد فراغ حضرت حاجی صاحب رح نے حضرت والا سے پوچھا کہ کہو کچھ لطف بھی آیا۔ عرض کیا حضرت نہایت لطف آیا۔ پھر حضرت حاجی صاحب رح نے فرمایا کہ بس یہ سماع تھا جس سے ہمارے دوستوں کو خواہ مخواہ وحشت ہوئی۔ میں نے تو قصداً یہ شرط لگائی تھی تاکہ میں دکھلا دوں کہ سماع کی کیا حد ہے۔

غرض حضرت حاجی صاحب رح حضرت والا کی بلا تامل شرکت سے بہت خوش ہوئے بخلاف بعض دیگر اہل علم خدام کے جنھوں نے شرکت سے گریز کیا۔ حضرت حاجی صاحب رح کو حضرت والا کے مرتبہ کے تحفظ کا اسقدر خیال تھا کہ ایک بار حضرت والا کو اپنے عیال کے لئے جو بعد میں پہونچے اور ناواقفی سے ایک اجنبی مطوّف مقرر کر لیا تبدیل مطوف کی ضرورت سے شیخ المطوفین کے پاس جانے کا اتفاق ہوا تو چونکہ وہ شیخ بہت ہی بد دماغ مشہور تھا اسی پر حضرت حاجی صاحب رح نے غایت تشویش کے ساتھ سب سے پہلے یہ سوال کیا کہ یہ تو بتاؤ وہ بیش کس طرح آیا حضرت والا

نے عرض کیا کہ حضرت کی توجہ اور دعا کی برکت سے بہت اخلاق کے ساتھ پیش آیا اور مرضی کے موافق ہی مطوف کے متعلق طے کردیا۔ حضرت بہت خوش ہوئے۔ حضرت والا نے اس واقعہ کو نقل فرماکر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رح کو اسکا بہت خیال رہتا تھا کہ میرے متوسلین کو کوئی نظر تحقیر سے نہ دیکھے۔ خدام پر بہت ہی شفقت اور اُن سے بہت ہی تعلق تھا اھ۔

حضرت بڑی پیرانی صاحبہ مدظلہا مع اپنی خالہ صاحبہ کے حضرت والا کے دوران قیام میں مکہ معظمہ پہونچ گئی تھیں۔ خالہ صاحبہ نے حضرت حاجی صاحب رح سے حضرت والا کے متعلق عرض کیا کہ ان کیلئے صاحب اولاد ہونے کی دعا کردیجئے۔ حضرت حاجی صاحب رح نے باہر آکر حضرت والا سے فرمایا کہ تمھاری خالہ مجھسے دعا کے لئے کہتی تھیں کہ تمھارے اولاد ہو سو دعا تو میں نے کردی ہے لیکن بھائی میرا جی تو یہی چاہتا ہے کہ جیسا میں ہوں ویسے ہی تم بھی رہو جو حالت میری ہے وہی حالت تمھاری بھی رہے پھر دیر تک اس زمانہ کی اولاد کی خرابیاں بیان کیں۔ حضرت والا نے عرض کیا کہ جو حالت حضرت کو پسند ہے وہی حالت میں بھی اپنے لئے پسند کرتا ہوں یعنی بے اولاد رہنا۔ حضرت حاجی صاحب رح یہ سنکر بہت مسرور ہوئے۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب رح کو حضرت والا سے کس درجہ خصوصیت تھی کہ ہر حالت کے اعتبار سے حضرت والا کی اپنے ساتھ مشابہت ہی چاہتے تھے ع تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری۔ چنانچہ ابتک تو باوجود دوسرا عقد بھی کرلینے کے اولاد ہوئی نہیں آیندہ جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔ یہ تو ظاہری مشابہت ہوئی اور بفضلہ تعالیٰ حضرت والا باطناً تو حضرت حاجی صاحب رح کے طریق کے پورے پورے حامل ہیں ہی۔

اسی طرح حضرت حاجی صاحب رح نے رخصت کے وقت حضرت بڑی پیرانی صاحبہ کے متعلق فرمایا کہ یہ تو ہمارے یہاں سے ایک بات لیچلیں کہ آیا اُڑا یا آیا اُڑا یا چنانچہ واقعی اُن کا یہی حال ہے کہ نہ تنگی ہوتی ہے نہ جمع ہوتا ہے ماشاء اللہ اسقدر سیر چشمی وایثار و ہمدردی ہے کہ جتنا بھی اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں اور اُن کے حصہ میں آتا ہے سب اپنے اعزہ و مستحقین پر خرچ فرمادیا کرتی ہیں اور اپنی تنگی کی کچھ پروا نہیں فرماتیں بلکہ حضرت والا اُنھیں کی مصلحت کے لئے انتظام کے ساتھ خرچ کرنے کی تاکید بھی فرماتے رہتے ہیں حضرت والا جیسے اور امور میں نہایت منتظم اور خوش تدبیر ہیں خرچ کرنے میں بھی ایسے ہی خوش انتظام ہیں کہ نہایت فراخی کے ساتھ ضروری ضروری موقعوں پر خرچ فرماتے ہیں پھر بھی اکثر کچھ نہ کچھ ذخیرہ ہو ہی جاتا ہے لیکن اُس کو جلدی ہی اہل حقوق میں تقسیم کرکے اور مناسب مواقع خیر میں خرچ فرماکر اپنی مِلک سے خارج فرمادیتے ہیں۔

غرض حضرت والا کے متعلق ہر امر میں حضرت حاجی صاحب رح کی یہی خواہش تھی کہ میرے ہی مشابہ ہیں چنانچہ بفحوائے می دہد یزداں مراد متقین ۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت والا کو حضرت حاجی صاحب رح کے طریق انیق کا پورا پورا حامل اور سچا جانشین بنا کر آج ایک دنیا کو فیضیاب بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ تا دیر اس فیض کو جاری رکھے اور اس ناکارہ کو بھی اخذ فیض کی کامل توفیق اور اہلیت بخشے آمین ثم آمین ۔

ایک بار ندوہ کے کسی مولوی صاحب نے حضرت والا کی عدم شرکت ندوہ سے ناراض ہو کر حضرت حاجی صاحب رح سے شکایت کی کہ وہ ہم سے اختلاف کرتے ہیں ۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فوراً تردید فرمادی کہ اُنکی (یعنی حضرت والا کی) طبیعت میں تو خلاف کا مادہ ہی نہیں اور واقعی ع قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید ۔ حضرت والا ماشاءاللہ تعالےٰ اس قدر اختلاف سے متنفر اور اسدرجہ وسیع الخیال ہیں کہ جہاں تک ہو سکتا ہے اپنے مخالفین کے اقوال و افعال کی بھی تاویل ہی فرماتے ہیں اور حسن ظن ہی سے کام لیتے ہیں گو عملاً موافقت نہ فرمائیں ۔ چنانچہ ابھی ایک سلسلۂ گفتگو میں نہایت شدومد کے ساتھ فرما رہے تھے کہ جیسے بھی ہیں میں علماء کے وجود کو دین کی بقا کیلئے اسدرجہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر سارے علماء ایسے مسلک کے بھی ہو جائیں جو مجھکو کافر کہتے ہیں تو میں پھر بھی اُن کی بقاء کے لئے دعائیں مانگتا رہوں کیونکہ گو وہ بعض مسائل میں غلو کریں اور مجھ کو بُرا کہیں لیکن وہ تعلیم تو قرآن و حدیث ہی کی کرتے ہیں اُن کی وجہ سے دین تو قائم ہے میں اُن کو دہری مدعیانِ اسلام کے مقابلہ میں ہزار درجہ غنیمت سمجھتا ہوں جو سرے سے دین ہی کو اُڑانا چاہتے ہیں اور خدا جانتا ہے کہ اس وسعت رائے میں میری کوئی ذاتی مصلحت نہیں بلکہ اُس کا منشاء محض حفظ حدود ہے اھ ۔

حضرت والا کی وسعت رائے پر حضرت والا کا ایک اور قول بھی یاد آیا ۔ فرمایا کہ ان کھاؤ کماؤ پیروں پر بھی مجھے رحم ہی آیا کرتا ہے کہ بیچارے اور کسی کام کے تو ہیں نہیں پھر کریں کیا آخر پیٹ بھی اپنا کسی طرح پالیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں کھانے پینے کو دے رکھا ہے ورنہ اگر کھانے پینے کو نہ ملتا ہوتا تو خدا جانے ہم بھی کس حال میں ہوتے اور ہماری بھی کیسی نیت ہو جاتی ۔ یہ استغناء بھی پیٹ بھرے کا ہے ۔ اللہ تعالےٰ ابتلاء و امتحان سے محفوظ رکھے گو عقلاً و اعتقاداً میں ان کے طریقہ کو بُرا سمجھتا ہوں لیکن طبعاً اُنپر رحم بھی آتا ہے جس کا یہ اثر ہے کہ بجائے صرف غصہ آنے کے بنا بر ترحم اُن کی اصلاح و ہدایت کے لئے دعا بھی دل سے نکلتی ہے اسی طرح باوجود بھک منگوں کے پیشہ سے نفرت ہونے کے اُن کی یہ صفت پسند ہے کہ بیچارے

سب کے ہر حال میں دعاگو ہیں اور سوائے مانگنے کے کسی فتنہ انگیزی یا شور و شر یا فرقہ بندی میں شامل نہیں بس اپنے بھیک مانگنے سے کام ہے - اسی طرح گو کفار پر اعتقاداً اور ایک کافی درجہ میں طبعاً بھی غصہ ہے لیکن یہ دیکھ کر کہ تکوینی حیثیت سے اس میں بھی حکمتیں ہیں غیظ طبعی میں اعتدال رہتا ہے اور حکمتوں کی طرف حضرت حافظ رح نے اس شعر میں اشارہ بھی کیا ہے ؎

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است — آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

اسی طرح مولانا رومی رح نے بھی فرمایا ہے ؎

کفر ہم نسبت بہ خالق حکمت ست — ور بہ ما نسبت کنی کفر آفت ست

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ شان جامعیت کہ دو متضاد چیزوں کا حق ادا کیا جاوے ایک فرد ہے اُس جمع بین الاضداد کی جس کو محققیت کی علامت کہا گیا ہے۔

حضرت والا پر حضرت حاجی صاحب رح اسقدر شفقت فرماتے تھے کہ جب کوئی پوچھتا کہ یہ کون ہیں تو یہ فرماتے کہ یہ میرے پوتے ہیں - حضرت والا فرماتے ہیں کہ کوئی دور کا رشتہ بھی حضرت حاجی صاحب رح نے فرمایا تھا جس کی بنا پر مجھے اپنا پوتا فرماتے تھے لیکن چونکہ روحانی رشتہ کے مقابلہ میں نسبی رشتہ کی میں کوئی حقیقت نہیں سمجھتا اس لئے نہ مجھے اس سے دلچسپی ہوئی نہ مجھے وہ تفصیل یاد رہی غایت خصوصیت و شفقت کی بنا پر حضرت حاجی صاحب رح حضرت والا کو نہ مولوی کے لفظ سے خطاب فرماتے نہ کوئی اور تعظیمی لفظ استعمال فرماتے بلکہ صرف میاں کا لفظ نام سے پہلے اضافہ فرما کر خطاب فرمایا کرتے - چنانچہ کئی وصیتیں بھی فرمائیں - مثلاً ایک بار ٹھنڈا پانی نوش فرما کر فرمایا میاں اشرف علی پانی جب پینا ٹھنڈا پینا تاکہ ہر بُن مو سے الحمد للہ نکلے ورنہ زبان تو الحمد للہ کہے گی لیکن دل الحمد للہ کہنے میں شریک نہ ہوگا - یہ بھی بشارت دی کہ تمکو تفسیر اور تصوف سے خاص مناسبت ہوگی چنانچہ حضرت والا کی ان دونوں سے مناسبت تامہ اظہر من الشمس ہے اول کے متعلق حضرت والا کی شہرۂ آفاق تفسیر بے نظیر "بیان القرآن" شاہد عدل ہے اور ثانی کے متعلق تو حضرت والا کی ساری ہی تصانیف شواہد ہیں - حضرت حاجی صاحب رح کی اس بشارت کو نقل فرما کر حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میں چوک گیا ورنہ دیگر شعب دینیہ خصوص حدیث و فقہ کی مناسبتِ خاصہ کے لئے بھی حضرت حاجی صاحب رح سے دعا کرا لیتا - اھ -

غایت خصوصیت کی بنا پر رخصت کے وقت حضرت حاجی صاحب رح نے اپنا کتب خانہ حضرت والا کے سپرد کرنا چاہا لیکن حضرت والا نے غلبۂ طلب فیض روحانی میں عرض کیا کہ حضرت کتابوں میں

کیا رکھا ہے کتابوں کو لیکر میں کیا کروں گا۔ اپنے سینۂ مبارک سے کچھ دولت عطا فرما دیجئے۔ یہ سنکر حضرت حاجی صاحب رح کو جوش آگیا اور فرمایا ہاں میاں ہاں سچ تو ہے کتابوں میں کیا رکھا ہے ؎

صد کتاب و صد ورق در نار کن ‏ ‏ ‏ ‏ سینہ را از نورِ حق گلزار کن

چونکہ حضرت والا نے غلبۂ حال میں یہ انکار کیا تھا حضرت حاجی صاحب نے باوجود جی چاہنے کے اُس حال کی رعایت سے اُسوقت بالکل اصرار نہ فرمایا تاکہ وہ حال افسردہ نہ ہوجائے لیکن کچھ عرصہ کے بعد اُن کتابوں کا پلندہ بندھوا کر حضرت والا کے پاس ایک رئیس عازم ہندوستان کے ہمراہ بھیجنے لگے لیکن بعض حاسدین حضرت والا نے اُنھیں کتابوں کا ایک وقف نامہ جسپر حضرت حاجی صاحب رح کی مُہر بھی خفیہ طور پر لیکر اُن لوگوں نے ثبت کر لی تھی پیش کر دیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ مجبور ہو گئے لیکن بار بار یہی فرماتے رہے کہ مجھ کو تو وقف کرنا بالکل یاد نہیں۔ پھر مرض وفات میں مولوی محمد سعید صاحب کیرانوی کو وصیت فرمائی کہ وہ کتابیں حضرت والا کو بھیجدی جائیں۔ اور اگر وہ نہ لینا چاہیں تو پھر مدرسہ صولتیہ میں رہیں۔ مولوی محمد سعید صاحب نے حضرت والا کو خط لکھا لیکن وہ گم ہو گیا اس لئے وہ مدرسہ ہی میں رہیں۔ بعد اطلاع حضرت والا نے فرمایا کہ اگر وہ خط مجھ کو مل بھی جاتا تب بھی میں یہی تجویز کرتا۔

جب حضرت والا واپس تشریف لائے تو حضرت حاجی صاحب رح گاہ گاہ حاجیوں کی زبانی حضرت والا کو اس عنوان سے سلام کہلوا کر بھیجا کرتے کہ ہمارے فہیم مولوی سے سلام کہدینا۔ (یعنی دقیقہ رس نکتہ شناس اور لطیف المزاج) اس سے حضرت حاجی صاحب رح کی اعلیٰ درجہ کی بصیرت باطنی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ گو حضرت والا غایت ادب سے حضرت حاجی صاحب رح کی خدمت میں بالکل خاموش بیٹھے رہتے تھے پھر بھی مذاق کا پورا پورا اور کیسا صحیح ادراک فرما لیا۔ حضرت والا نے واپسی کے بعد کچھ رسائل مثلاً جزاء الاعمال، فروع الایمان، وغیرہ تصنیف فرما کر حضرت حاجی صاحب رح کی خدمت میں بھیجے۔ اور خصوص "اکسیر ترجمہ تنویر" کی جلد بندھوا کر اور اُس کے اوپر مصرعۂ مشہورہ پر اپنی طرف سے مصرعۂ ثانی لگا کر یہ شعر لکھکر بھیجا ؎

سوئے دریا تحفہ آوردم صدف ‏ ‏ ‏ ‏ گر قبول افتد زہے عز و شرف

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُن رسائل کو دیکھکر بہت مسرور ہوئے اور لکھوا بھیجا کہ انشاء اللہ تعالےٰ تم سے مسلمانوں کو بہت نفع پہونچے گا۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ یہ پیشینگوئی اور دعا حرف بحرف راست آئی۔ اس قسم کی غائبانہ دعوات و بشارات و کلمات خصوصیت مجموعۂ موسومۂ مکتوبات امدادیہ

سے ترتیب وار اقتباس کر کے ذیل میں نقل کی جاتی ہیں - چونکہ یہ محض اقتباسات ہیں اس لئے خطوط کے حاملین کے نام یا آمد خطوط کی تاریخیں جن کا حوالہ خطوط میں ہے یا اور اسی قسم کے مضامین جن کا مقصود میں دخل نہیں حذف کر دئے جائیں گے اور ایسے مقامات پر خالی جگہ چھوڑ کر نقطے لگا دئے جائیں گے - نیز ہر اقتباس کے آخر میں مکتوب کا حوالہ بھی مع تاریخ درج کیا جائے گا تاکہ صاحب بصیرت کو حضرت والا کے مختلف مدارج ترقی باطنی پر بھی ایک اجمالی نظر ہو جاوے -

(نمبر۱) تم کو چاہئے کہ ہمیشہ اپنے حال سے اور جو کوئی کیفیت جدید اپنے زمرہ والوں میں پیش آوے اُس سے مطلع کرو - (از مکتوب نمبر۱ مورخہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۰۳ھ)

(نمبر۲) خداوند تعالے بتصدق اپنے حبیب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب مرادیں پوری فرمادے اور تمہارے دامن تمنا کو گوہر مقصود سے پُر کرے آمین -

(از مکتوب نمبر۲ مورخہ ۵ ار رجب ۱۳۰۴ھ)

(نمبر۳) اللہ تعالےٰ ... آپ کو ..... اپنے ماسوا سے اپنی طرف کرلے آمین -

آپ کی طبابت کے شغل کو ترک کر کے پھر کانپور تشریف لا کر دینیات کے شغل کا حال معلوم ہوا بہت خوشی ہوئی اللہ جل جلالہ آپ کی اس خدمت میں برکت دیکر آپ کے برکت وفیض سے تمام مسلمانوں کو مستفیض و مستفید کرے - میں نے قبل ہی آپ کو مشورہ دیا تھا کہ دین کو خوب مضبوط پکڑنا چاہئے دنیا... خود ہی اچھی صورت میں خدمت کو حاضر رہے گی - بہرکیف آپ لوگ علماء ورثۃ الانبیاء ہیں آپ لوگوں کو اللہ تعالےٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے پیدا کر کے بڑے درجے عنایت کئے ہیں بس اپنے مقصود کا خیال سب پر مقدم رکھنا چاہئے - (از مکتوب نمبر۳ مورخہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ)

(نمبر۴) نامۂ بہجت شمامہ آں عزیز باطمینان رسید از استماع حال ذوق وشوق آثار ترقی فہمید مسرت بر مسرت افزود خدائے تعالےٰ برکت زیادہ کند ..... بخلق اللہ فیض دینی رسانیدن راہ اقرب وصول الی اللہ است

(از مکتوب نمبر۴ مورخہ ۲۲ محرم ۱۳۰۸ھ)

(نمبر۵) اللہ تعالےٰ آپ کو بادۂ عشق سے سیراب بنا کر تشنہ دار رکھے (از مکتوب نمبر۵ مورخہ ۲۳ صفر ۱۳۰۸ھ)

(نمبر۶) آپ کا محبت نامہ وہدیہ معرفت ..... پہونچا کمال مسرور و مشکور کیا خداوند تعالیٰ آپ کو اپنی مرضیات میں رکھے اپنے کام میں لگے رہو خدا خود ہادی و مددگار ہے خاک سے کیمیا کردے تو کچھ تعجب نہیں - ورنہ فقیر تو اپنے آپ کو خوب جانتا ہے (از مکتوب نمبر۶ مورخہ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ)

(نمبر۷) عرصہ سے آپ کی خیریت اور کیفیت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے تعلق خاطر ہے اللہ تعالیٰ اپنی رضا

اور حفاظت میں رکھے۔ (از مکتوب نمبر ۸ مورخہ نامعلوم)

(نمبر ۸) آپ کا خط .... وصول ہوا کمال مشکور کیا اللہ آپ کو ترقی دارین عطا فرماوے۔ قبل ازیں گو کہ خط عزیزم مولوی احمد حسن صاحب سے آپ کے مع الخیر شہر کانپور میں پہونچنے کی خبر معلوم ہوئی تاہم آپ کے خط کا بہت انتظار تھا اور تعلق قلبی بھی زیادہ تھا۔ الحمد للہ کہ آپ مع ہمراہیان خیریت سے پہونچے آپ کو یہ سفر مبارک ہو ہوارہ اپنے حالات سے اطلاع کرتے رہیں۔ (از مکتوب نمبر ۹ مورخہ ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ)

(نمبر ۹) خط آپ کا ...... وصول ہوا۔ نہایت مشکور کیا۔ اللہ تعالے آں عزیز القدر کو ترقی دارین اور اپنی محبت نصیب فرماوے۔ الحمد للہ فقیر بخیر ہے آپ کے لئے دعا کرتا ہے..... آپ جو تحدیثِ نعمت تحریر کیا ہے فقیر دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصداق لَئِن شَکَرتُم لَاَزِیدَنَّکُم کا آپ کو کرے الحمد للہ فقیر اس خبر سے بہت مسرور رہوا حق سبحانہ آپ سے مخلوق کو فیضیاب کرے اور برکات بزرگان اور اپنی محبت عطا فرماوے۔ شاہ صاحب آپ کے پیر بھائی اور نیکبخت آدمی ہیں آپ شاہ صاحب کے حال پر مہربانی رکھیں اور جو بات اور ذکر وغیرہ دریافت کریں بتادیا کریں اللہ تعالے آپ سے خوش ہوگا

(از مکتوب نمبر ۱۱ مورخہ ۱۰ ارج ۱۳۱۲ھ)

(نمبر ۱۰) خط آپ کا..... وصول ہوا کمال ممنون و مشکور کیا اللہ تعالے آں عزیز کو اپنی رضامندی و ذوق و شوق و حسن خاتمہ نصیب فرماوے...... آپ کے لئے فقیر اکثر اوقات دعا و ہمت میں مصروف ہے۔ (از مکتوب نمبر ۱۲ مورخہ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ)

(نمبر ۱۱) خط اور شجرۂ مرسلہ آپ کے وصول ہوئے کمال مشکور کیا۔ اللہ تعالیٰ بزرگان سلاسل کی برکت اور فیض نصیب فرماوے۔ فقیر اور تمام حضار دیکھکر نہایت خوش ہوئے اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔

(از مکتوب نمبر ۱۳ مورخہ یکم ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ)

(نمبر ۱۲) خط آپ کا مع ہدیہ جاء نماز حرمی ..... وصول ہوا کمال مشکور کیا اللہ تعالے آپ کو اپنی محبت و رضا نصیب فرماوے۔ فقیر کے حق میں دعائے حسن خاتمہ کریں (از مکتوب نمبر ۱۴ مورخہ ۲۲ ذالحجہ ۱۳۱۲ھ)

(نمبر ۱۳) آپ کا خط مع ہدیۂ مبلغ پانچ روپیہ وصول ہوا کمال مشکور و ممنون کیا۔ اللہ تعالے آں عزیز کو اپنی محبت و رضا و حسن خاتمہ نصیب کرے اور آپ کے مال و جان میں برکت دیوے بہت دنوں سے آپ کی خیریت و کیفیت معلوم نہ ہوئی تعلق خاطر ہے اللہ تعالے ہمارا تمھارا خاتمہ بالخیر کرے۔

(از مکتوب نمبر ۱۵ مورخہ ۲۲ محرم ۱۳۱۳ھ)

(نمبر ۱۴) آپ کے محبت نامہ کا بہت دنوں سے انتظار تھا الحمد للہ عین انتظار میں پہونچا۔ دیکھکر

نہایت ہی جی خوش ہوا مضمون عزیزی سے آگہی ہوئی آپ کے دونوں رسالے دیکھنے کو بہت جی چاہتا ہے اگر روانہ ہوگئے ہوں۔ فہوالمراد ورنہ فوراً روانہ کیجئے گا۔ (از مکتوب نمبر ۱۶ مورخہ ۸ رصفر ۱۳۱۳ھ)

(نمبر ۱۵) السلام علیکم وقلبی لدیکم۔ الحمدللہ فقیر بہرحال خیریت سے ہے اور خیریت آنعزیز کی خدا کی جناب سے شبانہ روز مطلوب خط آپ کا .... وصول ہوا کمال خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ آنعزیز کو مدام اپنی یاد اور ذوق وشوق اور مواجید میں سرشار اور مخمور رکھے۔ ہر دو رسالہ پیش فقیر موجود ہیں ہر دو طبع کریں یا ایک مرضی آنعزیز خالی فائدہ رسانی سے نہیں خیر الناس من ینفع الناس اوراق نمونہ تنویر بھی فقیر کے پاس پہونچے اور سنے بہت پسندیدہ ہوئے۔ .... مصارف طبع تنویر سے فقیر کو بھی اطلاع کریں انشاءاللہ تعالےٰ یہاں سے بھی روانہ ہوسکتے ہیں مالِ فقیر ہم از آنعزیز دریغ نیست۔ درباره شرکت ندوۃ العلماء آنکہ ؎

من نگویم کہ ایں بکن آں کن   مصلحت بین وکار آساں کن

جو آپ کی طبیعت کے موافق ہو کریں بلکہ سالک کو انقطاع عن الناس ضروری ہے اور ذاکر شاغل کو خود خدا نصیب کرتا ہے۔ ہر کہ از حق اُنس گیرد از خلق وحشت گیرد آپنے اور عزیزم مولوی محمد حسین صاحب الہ آبادی نے جو پیش بینی کی وہ بہت بجا اور حق معلوم ہوتی ہے۔ (از مکتوب نمبر ۱۷ مورخہ ۸ ربیع الآخر ۱۳۱۳ھ)

(نمبر ۱۶) اصل نسخہ مثنوی کا میں نے عزیزی محمد حسن صاحب اور آپ کو دیا ہے آپ دونوں صاحب اپنے پاس رکھئے گا خدا برکت دیگا...... کتاب اکسیر و انوار الوجود فی اطوار الشہود بھی پہونچی آپ کے خط کے مضمون سے آگہی ہوئی طبیعت نہایت خوش ہوئی اللہ تعالےٰ آپ کو مبارک کرے انشاءاللہ تعالےٰ دن بدن ترقی ہوگی باطن فقیر ہر وقت آپ کے ساتھ ہے۔ اور جن جن صاحبوں نے بیعت عثمانی کے لئے درخواست کی ہے اُن کو میں نے قبول کیا اللہ تعالےٰ اُن کو کامیاب فرماوے۔ آمین آپ اُن کی استعداد کے موافق کچھ معمول بتلادیجئے گا۔ (از مکتوب نمبر ۱۸ مورخہ ۲۲ رجب ۱۳۱۳ھ)

(نمبر ۱۷) پس از ادعیہ وافرہ و ترقیات متکاثرہ واضح رائے عزیز باد ...... راحت نامہ ...... موصول ہوا موجب انشراح خاطر بنا ماشاءاللہ آپ اور آپ کے متعلقین کے ذوق وشوق کی کیفیت سُنکر طبیعت نہایت ہی خوش ہوئی اللہ تعالےٰ بایں ذکر وشغل دائم مشغول رکھے دن بدن ترقی در ترقی فرمائے مقصود اصلی تک پہونچائے آمین ثم آمین۔ (از مکتوب نمبر ۱۹)

(نمبر ۱۸) بعد دعائے ترقی مدارج مشاہدات واضح باد انشاءاللہ تعالےٰ ہمہ امور حسب مرضی شما خواہند شد۔ (از مکتوب نمبر ۲۰۔ مورخہ یکم ذالحجہ ۱۳۱۳ھ)

(نمبر ۱۹) عزیزم جو آپ نے ہدیہ روانہ کئے وہ سب پہونچے اللہ تعالے آپ کو جزائے حرمین شریفین مرحمت فرمائے اور اپنے دریائے محبت کا غواص بنائے اور مراد سے مالامال فرمائے باطن فقیر ہر وقت آپ کے پاس ہے - محبت قلبی چاہئے اس کی بدولت سب کچھ ہوتا ہے (از مکتوب نمبر ۲۱ - موصولہ ۹ محرم ۱۳۱۴ھ)

(نمبر ۲۰) بعد دعوات زائد ذوق وشوق مع الجمعیۃ والانشراح وانبساطِ خاطر واضح باد ..... انشاء اللہ تعالے طبیعت صلاح وفلاح پذیر خواہد شد خاطر جمع دارند - (از مکتوب نمبر ۲۳ - مورخہ ۱۳۱۳ھ غالبًا)

(نمبر ۲۱) سلامٌ علیکم چو در خاطری + گر از چشم دوری بدل حاضری ...... راحت نامہ مشعر احوال باطنیہ آنعزیز مع کوائفِ مختلفہ وصول ہوا آپ کے مژدۂ ترقیات باطنیہ نے بکمال مسرور کیا اللہ تعالے شب و روز ترقی مزید فرماوے میں ہر وقت دست بدعا ہوں گو اُسوقت میری طبیعت اچھی نہ تھی مگر آپ کی کیفیت سنکر بہت جی خوش ہوا افاقہ ظاہری محسوس ہونے لگا (از مکتوب نمبر ۲۵ مورخہ ۱۱ صفر ۱۳۱۴ھ)

(نمبر ۲۲) ہمیشہ خیال آپ کا رہتا ہے - اللہ تعالے آپ کو درجات علیا عطا فرماوے اور فیض آپ کا ہمیشہ جاری رہے - (از مکتوب نمبر ۲۶ مورخہ ۲۵ صفر ۱۳۱۴ھ)

(نمبر ۲۳) اللہ تعالے آن عزیز کو علی الدوام خوش وخرم رکھے اور اپنی یاد میں ہمیشہ مشغول رکھے آمین حسب استدعا آں عزیز عزیزی مولوی اسحاق علی صاحب کو میں نے داخل سلسلہ کیا اللہ تعالے برکت عطا فرماوے آمین آپ اُن کے مناسب حال وظیفہ وغیرہ تلقین کر دیجئے گا -

(از مکتوب نمبر ۲۷ مورخہ ۵ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ)

(نمبر ۲۴) جو جو کوائف وحالات مندرج خط تھے وہ بفضلہ سب محمود واحسن ہیں انشاء اللہ آیندہ اور ترقی پذیر ہوں گے مطمئن خاطر رہنا چاہیئے - میرا تعلق خاطر تمھاری جانب مصروف ہے اور سابق میں جو آنعزیز کو تحریر ہوا تھا کہ اگر کانپور سے دل برداشتہ ہو تو تھانہ بھون کو کہ جائے سکونت ہے جانا مناسب ہے اُس سے یہ مراد نہ تھی کہ ضرورت بلا ضرورت ترک تعلق کر کے تھانہ بھون جانا چاہیئے بلکہ ہمارا خیال یہ ہے کہ جبتک مخلوق کانپور کو تم سے فیض پہونچ رہا ہے اور وہاں کی مخلوق بھی تم سے مانوس ومطیع ہے تو وہاں سے جنبش کرنا اور طالبان مطلوب کو محروم رکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہاں اگر خدانخواستہ تمھاری طبیعت کسی وجہ سے دل برداشتہ ہو اور قصد یہ ہو کہ کانپور چھوڑا جاوے تو اُس حالت میں میری رائے یہ تھی کہ اور جگہ سے تھانہ بھون جانا مناسب ہے -

(از مکتوب نمبر ۲۸ مورخہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ)

(نمبر ۲۵) آپ کا راحت نامہ عین انتظاری میں پہونچا باعث سرور خاطر ہوا آپ کے کوائف باطنی

سن کر بہت جی خوش ہوا اللہ تعالےٰ کا ہزار ہزار احسان ہے کہ آپ کو یہ نعمت عطا فرمائی خداوند کریم اسمیں ترقی عطا فرمائے اور ہمارے جمیع احباب کو نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین - آپ کے حالات ماشاءاللہ سب محمود ہیں انشاءاللہ تعالےٰ آپ کو خود اُن کی محمودیت معلوم ہو جاوے گی۔ خدا کا شکر بجالائیے اور اس سے زیادتی کے شب و روز طالب رہئیے تھانہ بھون کے مقدمہ میں جو آپ نے تامل کیا نہایت عقلمندی کو کام میں لائے - عزیزم میری غرض یہ ہے کہ جہاں کہیں رہو باخدا رہو اور بالفعل کانپور کے لوگ آپ کے تہ دل سے مشکور ہیں آپ کی ذات سے اُن کو فائدہ ہے لہذا بالفعل قیام کانپور مناسب وانسب معلوم ہوتا ہے جبتک یہاں کا تعلق خدا کو منظور ہے رکھئے - بعد ازاں پھر تھانہ بھون میں محض توکل بخدا خدا کا نام لیکر بیٹھ جائیے اور کسی نوع کوئی تعلق ظاہری نہ کیجئے وہ خود مسبب الاسباب ہے سب سامان آپ کے درست کر دے گا انشاءاللہ تعالےٰ کوئی تردد نہ کرنا پڑے گا -

(از مکتوب نمبر ۲۹ - مورخہ ۱۶ رج ۱۳۱۴ھ)

(نمبر ۲۶) الحمدللہ سب کیفیت آپ کی اچھی ہے خداوند کریم روز افزونی فرمائے آمین -

(از مکتوب نمبر ۳۰ - مورخہ ۱۳۱۴ھ)

(نمبر ۲۷) راحت نامۂ آنعزیز ..... عین انتظاری میں ..... وصول ہو کر باعث مسرت قلبی ہوا آپ کے اور آپ کے متعلقین کے حالات سُنکر نہایت جی خوش ہوا اللہ تعالیٰ دن دونی رات چوگنی ترقی مرحمت فرمائے - آمین - (از مکتوب نمبر ۳۱ مورخہ ۲۱ رج ۱۳۱۴ھ)

(نمبر ۲۸) ..... فقط - عزیزم میاں مولوی سید اسحاق علی صاحب بعد سلام مسنون کے آپ نے خوب کیا آپ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ مولانا صاحب کو بجائے میرے معلوم کرنا جو ہدایت وارشاد فرماویں عمل کرنا - (از مکتوب نمبر ۳۳ مورخہ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ)

(نمبر ۲۹) کوائف معلوم ہوئے نہایت خوشی حاصل ہوئی انشاءاللہ تعالےٰ یوماً فیوماً ازدیاد انوار باطنی ہوگی اور خلق اللہ کو آپ کے ذریعہ سے فائدہ عظیم ہوگا ہر وقت ایک خیال خاص تمہاری طرف رہتا ہے - ..... عزیزم مولوی اسحاق علی صاحب کو بعد سلام مسنون کے معلوم ہو کہ وہاں ضیاء القلوب وارشاد مرشد ہے مطالعہ فرماویں اور مولانا سے اشکالات رفع کریں ..... اور مولانا صاحب کو میری جگہ جانکر اُن سے شغل وظائف و ذکر میں مشغول رہیں (از مکتوب نمبر ۳۴ مورخہ ۶ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ)

(نمبر ۳۰) خط آپ کا پہونچا نہایت خوشی حاصل ہوئی - اللہ تعالےٰ آپ کو اپنی رضامندی نصیب کرے ..... اور ایک عبا سبز رنگ کا بدست شاہ بہار الدین صاحب دستی روانہ کیا گیا ہے آپ کیلئے

قبول فرماویں گے اور اللہ آپ کو زیادہ علم و فضل بخشے جس میں خلق اللہ کو نفع عام ہو اور تصانیف مفید و مقبول ہوں - میرا تعلق آپ کی طرف اکثر اوقات رہتا ہے اور اسوقت فقیر پا برکاب ہے - امید دعاء خاتمہ بالخیر کی رکھتا ہے ۔ ۔ ۔ جبہ یعنی عبا کو آپ اپنے تصرف میں لاویں -

(ازمکتوب نمبر ۳۵ - مورخہ ۲۶ ذالحجہ ۱۳۱۴ھ)

(نمبر ۳۱) بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لیگئے امید ہے کہ آپ سے خلائق کثیر کو فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا اور آپ ہمارے مدرسہ و مسجد کو از سر نو آباد کریں میں ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں اور خیال رہتا ہے

(ازمکتوب نمبر ۳۶ مورخہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ)

(نمبر ۳۲) آپ کے استقامت اور توکل میں کامیابی کی دعا کرتا ہوں اللہ تعالے ظاہری و باطنی فیض کو روز افزوں ترقی عطا فرماے۔

(ازمکتوب نمبر ۳۷ - مورخہ ۶ رجب ۱۳۱۵ھ)

(نمبر ۳۳) بخدمت فیضدرجت عمدۃ السالکین نخبۃ الواصلین حضرت العالم الحافظ الحاج القاری شاہ محمد اشرف علی التھانوی اوام اللہ عرفانہ ومحبتہٗ - السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ - خط آپ کا پہونچا نہایت مسرت حاصل ہوئی اور قلب کو فرحت - اللہ تعالے اُن عزیز کو ترقی ظاہر و باطن عطا فرماوے اور خلق اللہ کو مستفید بفواد صوری و معنوی کرے آمین انشاءاللہ میں ہر وقت دعا کرتا ہوں کہ آپ سے خلقت کثیرہ کو فائدہ ہوگا اور سلسلہ جاری رہے گا - مہر مدرسہ و مسجد و حجرہ کے احوال سے نہایت خوشی ہوئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وقت آخر ہے دعائے خاتمہ بالخیر کا طالب ہوں - کتب کثیرہ یہاں موجود ہیں مستحسن یہ ہے کہ اگر ہوسکے ایک دفعہ آپ تشریف لاویں کہ اس بہانہ سے ملاقات ہوجاوے اور کل کتابیں اپنے ہمراہ لیتے جاویں - والا بالضرور کسی کے ہمراہ روانہ کروں گا -

ازمکتوب نمبر ۳۸ - مورخہ ۱۶ رمضان شریف ۱۳۱۵ھ

(نمبر ۳۴) خط آپ کا پہونچا نہایت مسرت حاصل ہوئی اللہ آپ کو جمیع مقاصد دارین سے فیضیاب کرے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور محبت اور خیال آپ کا بیان کرنا حاجت نہیں دل کو دل سے راہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عزیزم ۔ ۔ ۔ ۔ کو سلسلہ بیعت عثمانی میں داخل کیا آپ اُن کو شغل و اذکار بتاویں آپ کافی ہیں جو طالب ہو اُن سب کو ذکر و اشغال بتانے کی اجازت عامہ آپکو ہے ۔ ۔ ۔ ۔ میرا خیال ہر وقت آپکی طرف ہے -

(ازمکتوب نمبر ۳۹ - مورخہ ۱۱ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ)

(نمبر ۳۵) اللہ تعالے آپ کو اپنے مخلصین سے کرے۔ (ازمکتوب نمبر ۴۰ مورخہ ۱۲ صفر ۱۳۱۶ھ)

(نمبر ۳۶) اللہ تعالی آپ کا قصد پورا کرے فقیر کا دل بھی ملنے کو بہت چاہتا ہے۔ (ازمکتوب نمبر ۴۱ مورخہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۱۶ھ)

(نمبر ۳۷) آپ کی حالت بہت اچھی ہے مقام شکر ہے ذلک فضل اللہ فقیر دعا کرتا ہے اللہ تعالے آپ کو اپنے مخلصین سے شمار کرلے۔ (از مکتوب نمبر ۴۲ مورخہ ۷ ار ربیع الثانی ۱۳۱۶ھ)

(نمبر ۳۸) دو عدد رسالہ جزاء الاعمال بھی پہونچے فقیر کے پسند آئے فقیر دعا کرتا ہے اللہ تعالے آپکے ظاہر و باطن میں ترقی کرے۔ (از مکتوب نمبر ۴۳ مورخہ یکم ج ۲ ۱۳۱۶ھ)

(نمبر ۳۹) خط پہونچا الحمد للہ کہ آپ کے قلب کی حالت بہت اچھی ہے یہ مقام خوف و رجا ہے اسی کو ہیبت و انس کہتے ہیں کبھی ہیبت کبھی انس کا غالب ہوجانا ہے دونوں کو ایک سمجھنا چاہیئے۔
(از مکتوب نمبر ۴۴۔ مورخہ یکم رجب ۱۳۱۶ھ)

(نمبر ۴۰) خط آپ کا دوسرا ابھی پہونچا پہلے خط کے جواب میں لکھدیا گیا ہے مکرر ہے کہ آپ کی حالت بھی بہت اچھی ہے انشاء اللہ تعالے کچھ ضرر نہ ہوگا۔ فقیر دعا کرتا ہے ..... جو کچھ قلب پر وارد ہو منجانب اللہ خیال کرو جو واردات مضر ہوں گے اس مراقبہ سے سب دفع ہوجائیں گے۔
(مکتوب نمبر ۴۵۔ مورخہ ۱۹ ار رجب ۱۳۱۶ھ)

(نمبر ۴۱) آپ کی حالت بہت اچھی ہے۔ پہلے آپ کو لکھدیا گیا ہے ..... اس قسم کی گھاٹیاں طالب کو آیا ہی کرتی ہیں انشاء اللہ تعالے سب سے پار ہوجاؤ گے۔ فقیر دعا کرتا ہے انہ سمیع قریب
(مکتوب نمبر ۴۶۔ مورخہ ۸ ر شعبان ۱۳۱۶ھ)

(نمبر ۴۲) حالت آپ کی ماشاء اللہ بہت اچھی ہے اللہ تعالے مبارک کرے جو کچھ بقیہ قبض سا ہے وہ بھی رفع انشاء اللہ تعالے ہوجائے گا فقیر دعا کرتا ہے اللہ تعالے آپ کو اپنے مخلصین سے کرے ..... دونوں کتابوں کو فقیر نے سنا بہت پسند آئیں اللہ تعالے اختتام کو پہونچائے۔
(از مکتوب نمبر ۴۷۔ مورخہ ۲۲ ر شوال ۱۳۱۶ھ)

(نمبر ۴۳) خط آپ کا پہونچا الحمد للہ آپ کی حالت بہت اچھی ہے (از مکتوب نمبر ۴۸ مورخہ ۱۴ ر ذالحجہ ۱۳۱۶ھ)

(نمبر ۴۴) آپ کی حالت اب الحمد للہ بہت اچھی ہے فقیر دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ ترقی فرمائے۔ کانپور سے آپ کے وہاں کے قیام کے بارہ میں خط آیا تھا جواب اُن کو لکھدیا گیا تھا آپ کو بھی تحریر ہے کہ فقیر کے نزدیک مستقل قیام آپ کا تھانہ بھون میں ضروری ہے باقی تعطیل وغیرہ کسی فرصت کے وقت یا جس وقت طبیعت کچھ گھبرائے تو کانپور بھی دورہ کریں اور اُن لوگوں کی خبر گیری کریں اور طالب کے واسطے تو تھانہ بھون کانپور سے کچھ دور نہیں ہے چنانچہ کانپور بھی یہی مضمون جواب میں لکھا گیا ہے
(از مکتوب نمبر ۴۹۔ ۱۵ ر محرم ۱۳۱۷ھ)

(نمبر ۴۵) خط آپ کا پہونچا فقیر کا دل بہت خوش ہوا ..... ضعف کی یہ حالت ہے کہ ایک جانب سے دوسری جانب کروٹ لینا مشکل ہے اب تو یہی آرزو ہے کہ اللہ تعالےٰ اس دار فانی سے جلد بلالے فقیر جملہ احباب کے لئے دعا کرتا ہے اللہ تعالےٰ فائز المرام کرے گفتگو کی طاقت نہیں ہے ..... مناسب حال ہر شخص کے آپ خود تعلیم کریں۔ (از مکتوب نمبر ۵ مورخہ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۱۷ھ وہذا آخر المکتوب)

نوٹ - ان مکتوبات کے متعلق ضروری فوائد اور اُن کے بعض الفاظ مصطلحۂ تصوف کی تشریحات مجموعۂ مکتوبات امدادیہ کے حاشیہ پر موجود ہیں جس کو ضرورت واقع ہو اُس کتاب میں ملاحظہ فرمالے۔

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ ناظرین نے ان اقتباسات مکتوبات امدادیہ سے خود اندازہ فرمالیا ہوگا کہ حضرت حاجی صاحب رح کو حضرت والا کے ساتھ کس درجہ خصوصی تعلق تھا احتیاج احتجاج نہیں - کیا ٹھکانا ہے محبت کا کہ حضرت والا کے ایک عریضۂ حالات سے مژدۂ ترقیاتِ باطنیہ معلوم فرما کر اس قدر مسرور ہوئے کہ مرض ظاہری میں بھی افاقہ محسوس ہونے لگا جیسا اقتباس نمبر ۲۱ مرقومۂ بالا سے معلوم ہوا۔ بعض دیگر واقعات عنایت خاص مناسب موقع پر بعد کو مذکور ہوں گے - اور یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ اپنے آخری والانامہ میں جس کے بعد دو ماہ کے اندر ہی سفر آخرت فرمایا- یہ وصیت فرمائی کہ مناسب حال ہر شخص کے آپ خود تعلیم کریں- اس طرح اس دار فانی سے رخصت ہوتے وقت حضرت والا کو اپنے بعد اپنا جانشین خاص تجویز فرما گئے۔

مکتوبات کے سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی یاد آیا - حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والا کے کسی عریضۂ حالات کو پڑھکر ایک صاحب سے جو اُس وقت موجود تھے ایک ایسی خاص الخاص بشارت ارشاد فرمائی جو حضرت والا کی شان کو نہایت ہی ارفع واعلیٰ قرار دیتی ہے اور ایک خاص امتیاز بخشتی ہے لیکن حضرت والا نے تاحیات اسکے اظہار سے ممانعت فرمادی ہے - غرض حضرت حاجی صاحب کی توجہات و عنایات بعض حیثیتوں کے اعتبار سے جس نوعیت خاص کی حضرت والا پر تھیں ویسی کسی خادم پر نہ تھیں کیونکہ علم الٰہی میں یہ طے ہو چکا تھا کہ حضرت والا کو خانقاہ امدادیہ میں حضرت حاجی صاحب رح کا سچا جانشین بنا کر بٹھایا جائے اور علوم و معارف امدادیہ کو بواسطہ حضرت والا شرقاً و غرباً پھیلایا جائے چنانچہ بفضلہ تعالےٰ ایسا ہی ہو رہا ہے۔

اسی کا پیش خیمہ حضرت حاجی صاحب رح کا وہ ارشاد تھا جو حضرت والا سے بوقت واپسی ہندوستان فرمایا تھا جس کا ذکر مستقلاً آگے آتا ہے اور جس کا حوالہ اقتباسات مکتوبات میں آبھی چکا ہے اُس کو اجمالاً یہاں بھی نقل کیا جاتا ہے - فرمایا کہ اگر کبھی کانپور کے تعلق سے دل برداشتہ ہو تو پھر دوسری جگہ تعلق نہ کرنا توکل بخدا تھانہ بھون جا کر بیٹھ جانا - اور جب حضرت والا کانپور کا تعلق قطع فرما کر

حسب الارشاد تھانہ بھون آکر مقیم ہوئے تو حضرت والا کو تحریر فرمایا "بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے امید ہے کہ آپ سے خلائق کثیر کو فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا اور آپ ہمارے مدرسہ و مسجد کو از سر نو آباد کریں میں ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں اور خیال رہتا ہے (منقول از مکتوب نمبر ۳۶ مورخہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ مکتوبات امدادیہ ملاحظہ ہو اقتباس نمبر ۳۱) اسی طرح مکتوب نمبر ۳۸ مورخہ ۱۶ ر رمضان شریف ۱۳۱۵ھ میں تحریر فرماتے ہیں "انشاء اللہ میں ہر وقت دعا کرتا ہوں کہ آپ سے خلقت کثیرہ کو فائدہ ہوگا اور سلسلہ جاری رہے گا۔ مہر مدرسہ و مسجد و حجرہ کے احوال سے نہایت خوشی ہوئی (ملاحظہ ہو اقتباس نمبر ۳۳) اھ یہ سب ارشادات حقہ بالکل اس مصرعہ کے مصداق ثابت ہوئے ؎ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔

جن حالات عالیہ کو آج ایک دنیا مشاہدہ کر رہی ہے حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ شروع ہی میں ،، توں پہلے اپنے نور بصیرت سے کھلی آنکھوں مشاہدہ فرما رہے تھے اب یا تو اسکو فراست و پیشینگوئی سے تعبیر کیا جائے یا دعاؤں اور تمناؤں کا نتیجہ قرار دیا جائے جن سے مکتوبات بھرے پڑے ہیں یا ثانی کو اصل اور اول کو تابع سمجھا جائے حاصل سب کا ایک ہی ہے ؎

عبارا تنا شتی وحسنک واحدٌ　　　وکلٌّ الی ذاک الجمال یشیرُ

اجازت بیعت و تلقین

خلاصہ یہ ہے کہ جو جو باطنی دولتیں بمشیت و القائے خداوندی حضرت والا کے سینۂ مبارک میں ودیعت فرمائی تھیں وہ سب کی سب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس چھ ماہ کی قلیل مدت قیام ہی میں بکمالہا عطا فرما کر اخذ بیعت کی اجازت عطا فرما دی اور اپنا جانشین و خلیفہ خاص بنا کر منصب ارشاد و تلقین پر متمکن فرما دیا۔

اللہ اللہ وہ بھی کیسی مسعود و مبارک اور خلاصہ ازمنہ ساعت تھی جس میں ایک قطب الارشاد حکیم الامت مجدد دین و ملت ایک شیخ العرب والعجم کے دست مقدس و مبارک سے دنیائے اسلام سے رسوم و بدعات کو مٹانے اور اسلام کو اُس کی اصلی صورت میں دکھانے مسلمانوں کو افراط و تفریط سے ہٹانے اور جادۂ مستقیم پر لانے علوم و معارف کے دریا بہانے اور عوام و خواص سب کو متمتع و مستفید فرمانے فیوض و برکات ظاہری و باطنی کو شرقاً و غرباً پھیلانے بڑے بڑے عقدہ ہائے لاینحل اور پیچیدہ پیچیدہ مسائل علمیہ و عملیہ کی گتھیاں سلجھانے بندگان خدا کو صحیح صحیح آداب عبودیت و اصول معاشرت سکھانے اور مسلمانوں کو صحیح معنوں میں مسلمان اور انسانوں کو صحیح معنی میں انسان بنانے تعلیم و تہذیب اسلامی کی خوبی و متانت کو عالم آشکارا اور تعلیم جدید و تہذیب نو کی ملمع کار و نظر فریب چادر زرنگار کو پارہ پارہ کر کے اُس کی دھجیاں اُڑانے اور نئی روشنی کی مخفی ظلمات کھلی انکھوں دکھلانے

اہل دنیا کے قلوب میں اہل دین کا سکہ بٹھانے ۔ دین و اہل دین اور علم دین و اہل علم دین کی وقعت بڑھانے اور بڑے بڑے سرکشوں کے سر جھکانے ۔ شبہات جدیدہ کو اصول منطق و فلسفہ ہی کی بنا پر باطل ٹھہرانے ۔ اور بڑے بڑے مدعیان منطق و فلسفہ سے بھی کتاب و سنت کے احکام و اخبار و عقائد حقہ منوانے ۔ اعلاء السنن میں احادیث تائید یہ جمع کرا کر فقہ حنفی کو چار چاند لگانے ۔ ہزاروں بے نمازوں سے نماز پڑھوانے ۔ سود خواروں سے سود اور دیگر ناجائز آمدنی والوں سے ناجائز آمدنیاں ترک کرانے اور اہل حقوق کے حقوق دلوانے صدہا اہل معاصی سے معاصی ظاہرہ و باطنہ چھڑوانے ۔ بڑے بڑے مہلک امراض روحانی کے نہایت سہل سہل اور تیر بہدف معالجات اور نادر نادر طرق اصلاح بتانے نہایت باریک باریک مکائد نفس سوجھانے ۔ بڑے بڑے مہلکات طریق کی طرف توجہ دلانے اور ہلاکت باطنی سے بچانے ۔ تصوف کو بجائے اُس کے موجودہ مصنوعی عبا و قبا کے اُس کا صدیوں کا اُترا ہوا اصلی خرقہ دیرینہ پہنانے ۔ اور سالکین کو سلف صالحین کے برگزیدہ اور بالکل مطابق کتاب و سنت طریق پر جو مدت دراز سے متروک تھا پھر چلانے ۔ ترغیب و ترہیب کے پر اثر مضامین سے روتوں کو ہنسانے ۔ اور ہنستوں کو رُلانے ۔ بالخصوص آیات و بشارات رحمت سنانے ۔ اور ہزارہا مایوسین کی ڈھارس بندھانے ۔ اور نامرادوں کی مرادیں بر لانے ۔ صدہا طالبین کو جنہیں ہر اعلیٰ و ادنیٰ طبقہ اور پیشہ کے افراد شامل ہیں محبوب حقیقی تک بہ اقرب طرق پہونچانے ۔ غرض ہر شعبۂ دینی خصوصاً تفسیر و تصوف کے متعلق ہر ضروری خدمت بہ احسن و ابلغ وجوہ بجا لانے کے لئے سریر آرائے منصب ارشاد ہوا ۔

یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا بلکہ اس لحاظ سے کہ دین محمدی علی صاحبہ السلام والتحیۃ کی ازسرنو تجدید اور رسوم قبیحہ قدیمہ و بدعات سیئہ دیرینہ کی تردید آئندہ اسی کی بدولت ہونا تھی یہ واقعہ دنیا کے اہم ترین واقعات سے بھی زیادہ اہم واقعہ تھا جو قابل صد تہنیت و مبارکباد اور لائق ہزار شکر و مسرت و عیاد تھا جیسے حضرت حافظ شیرازی رحہ کے ایک شعر کا یہ مصرعہ گویا صادق آتا تھا مصرعہ حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند اور حضرت حافظ رحہ کے اشعار ذیل تو بہت ہی چسپاں ہوتے تھے ۔ ؎

نفسِ بادِ صبا مشک فشاں خواہد شد عالم پیر دگر بارہ جواں خواہد شد

دیگر

صبا بہ تہنیت پیر مے فروش آمد کہ موسم طرب و عیش و ناز و نوش آمد
ہوا مسیح نفس گشت و باد نافہ کشا درخت سبز شد و مرغ در خروش آمد

اس مقام پر حضرت والا کے مختلف کارناموں کو متعدد و مسلسل ملتاطفات کی صورت میں اس لئے جمع کر دیا گیا ہے کہ حضرت والا کی دینی خدمات پر اس سلسلہ میں ایک اجمالی نظر ہو جائے چنانچہ بحمد اللہ مذکورہ بالا اجمالی فہرست سے جو ابھی گذری یہ مقصود حاصل ہو گیا۔

السَّوق من الشَّوق

اس موقع پر حضرت والا کے دینی کارناموں کے استحضار نے اس احقر مؤلف معروف بہ مجذوب کے جذباتِ شوق کو اس درجہ برانگیختہ کیا کہ قلم سے ایک پوری نظم اور وہ بھی بزبان فارسی شدت ذوق وشوق میں نکل گئی حالانکہ احقر نے فارسی بالکل نہیں پڑھی یہانتک کہ آمد نامہ بھی نہیں پڑھا۔ نہ اس سے قبل کبھی فارسی اشعار لکھنے کا اتفاق ہوا۔ کیونکہ فارسی زبان سے بالکل نابلد ہونے کی وجہ سے اطرف توجہ ہی ممکن نہ تھی مجھے خود حیرت ہے کہ فارسی اشعار لکھنے پر کیونکر قدرت حاصل ہو گئی سوائے اس کے کیا سمجھا جائے کہ اللہ تعالےٰ ہی کو منظور تھا کہ حضرت والا کی مدح ہو چنانچہ ایک نااہل کو بھی اُس کا بقدر ضرورت اہل بنا دیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ دوران تحریر مقام ہذا میں احقر سے ایک صاحب نے یہ فرمائش کی کہ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ العزیز کے منظوم شجرۂ فارسی میں اضافہ کرنے کیلئے حضرت والا کے توسل کے متعلق دو تین اشعار فارسی میں تصنیف کر دوں تاکہ حضرت والا کے خدام اُس شجرہ کو پڑھتے وقت اُن اشعار کو پڑھ لیا کریں احقر نے فارسی نہ جاننے کا عذر پیش کر دیا لیکن جب بہت اصرار ہوا تو کچھ سرسری فکر کی پھر کیا تھا دیوانہ را ہوئے بس است مضامین مدحیہ کا دریا اُمنڈ آیا یہانتک کہ پورے سو اشعار پر جاکر قلم کو بہ جبر روکا گیا تب بمشکل رُکا۔ گویا حضرت والا کے منجھلے ماموں جناب پیر جی واحد علی صاحب رح کی جو بڑے زبردست ادیب فارسی تھے ذیل کی رباعی ہو بہو صادق آ رہی تھی

دہ چہ شوق است کہ در دست قلم می رقصد — زدم انگشت بہ پہلو کہ صنم می رقصد
خامہ رابیں کہ بہ مضمون مبارکبادی — ہمچو مستان ادا باخم وچم می رقصد

اور گویا حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار منطبق ہو رہے تھے

ایں زماں جاں دامنم برتافتہ است — بوئے پیراہانِ یوسف یافتہ است
واجب آمد چونکہ بردم نام او — شرح کردن رمزے از انعام او

چونکہ احقر کی نظم مذکور اس مقام کے مناسب بھی ہے اور اسی پر متفرع بھی اس لئے بے اختیار جی

چاہتا ہے کہ اُس کو بھی حضرت والا کے کمالات و کارہائے نمایاں کی مذکورۂ بالا اجمالی فہرست کے سلسلہ میں یہاں درج کر دیا جائے۔ امید ہے کہ ناظرین کرام بھی بعد ملاحظہ اس تطویل کو بجائے لاطائل قرار دینے کے ہر طرح مناسب مقام ہی قرار دیں گے بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ نہایت پُر لطف و خوشگوار پائیں گے۔ اس نظم کے دو حصے ہیں اول حصہ میں دعائیہ اشعار ہیں اُس کا عنوان "دعائے طالبین بدرگاہ رب العالمین" ہے دوسرے حصہ میں مدحیہ اشعار ہیں اُس کا عنوان "دعوت سالکین برائے رجوع الی الصادقین ہے" اور مجموعہ کا نام "صدائے مجذوب" ہے۔ چونکہ دونوں قسم کے اشعار میں باہم ربط بھی ہے جیسا ملاحظہ سے معلوم ہوگا نیز دعائیہ اشعار کا نکال دینا سوء ادب بھی ہوتا پھر یہ دعائیہ اشعار نافع اور دلچسپ بھی ہیں بالخصوص طالبین و سالکین کے لئے اس لئے پوری ہی نظم کو ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے وہ یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

صدائے مجذوب

دعائے طالبین بدرگاہ رب العالمین

الٰہی رحم کن بر حالِ زارم ۔۔۔ مدد فرما کہ رفت از دست کارم

مرا از دستبردِ نفس و شیطاں ۔۔۔ بود ہر لحظہ بیم دین و ایماں

بچشم لطف قلبِ من نگہدار ۔۔۔ نگردد تا ز راہِ صدق زنہار

بچشم لطف سوئے من نظر کن ۔۔۔ مرا از نفس و شیطاں بیخطر کن

دلم را کن ز سرِ خویش آگاہ ۔۔۔ کہ نبود در طریق عشق گمراہ

بحق حضرتِ اشرف علی شاہ ۔۔۔ کہ عبد ست اشرف و اعلیٰ و ذیجاہ

ز طبعم دور کن کبر و منی را ۔۔۔ شرافت بخش این نفسِ دنی را

بگرداں نفس مارا مطمئنہ ۔۔۔ قہا الوسواس من ناسٍ و جنّہ

بگرداں حال زشتم را بگرداں ۔۔۔ مرا بر نفس غالب کن چوں مرداں

ز قلبم حب غیر خود بدر کن ۔۔۔ بیاد خود ز عالم بیخبر کن

چناں پُر از مئی خود کن دلم را ۔۔۔ نیارم در نظر صد جام جم را

ہزاراں با تو واصل شیخ و شاب اند	بدرگاہت ہزاراں باریابند
من ناکارہ را ہم بخش بارے	من آوارہ را ہم دہ قرارے
رہم دہ پیش من صد سدّ باب است	حجاب اندر حجاب اندر حجاب است
من محجوب را مجذوب گرداں	محب خویش و ہم محبوب گرداں
کرامت کن الٰہی استقامت	عنایت کن عنایت کن عنایت
حیاتم را حیاتِ پاک گرداں	مماتم را مماتِ پاک گرداں
[ع] بجود مشغول دار اندر حیاتم	اگر میرم بدہ یا رب نجاتم
دم آخر بخیر انجام ما کن	بحلم زیر پائے مصطفےٰ کن

دعوتِ سالکین برائے رجوع الی الصادقین

نہ تنہا اے دعا گو ایں دعا کن	دعا کن ہم تلاش رہنما کن
دریں رہ رہنما شرط وصول است	بجو د سعی تو بیکار و فضول است
مگر رہبر بسے کم در جہانند	بشکل رہنمایاں رہزنانند
اگر خواہی شدن یا بندۂ حق	مشو از ہر کسے جویندۂ حق
بجو از حضرتِ اشرف علی شاہ	کہ ہست اہل جہاں را حجۃ اللہ
زجد و جہد او تجدید دیں شد	بصدق اسلاف خود را جانشیں شد
مسمّٰی بود چوں از غیب اشرف	بعہد خویش شد لاریب اشرف
دلیل و ہادی راہ شریعت	امام و قدوۂ اہل طریقت
بہ علمِ ظاہر و باطن یگانہ	حکیم الامۃ و قطب زمانہ
برائے دردہائے دل دوائے	پئے امراض روحانی شفائے
زہر مصلح بعہد خود بہ است او	کہ ہم جرّاح و ہم مرہم نہ است او
پئے تادیب چوں پُر قہر گردد	فدائے قہر او صد مہر گردد
بصورت مظہر شانِ جلالی	بمعنی مظہر شانِ جمالی
چہ پُر مہر آں نگاہ خشمگیں است	کہ در دلہا محبت آفریں است

[ع] یہ شعر حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کا ہے بامید قبولِ مناجات تبرکاً شامل کر دیا گیا ہے ۱۲ منہ

نگاہِ مست او بیگانہ وار است / نگر دزدیدہ بر ہر میگسار است

بسوزد او ہزاراں دل بہ آہے / کند سرمست صدہا در نگاہے

جہاں سوزد اگر در غمزہ آید / شکر ریزد اگر در خندہ آید

بہ لب خنداں بدل گریاں کند او / چہ در ظاہر چہ در پنہاں کند او

چہ گویم حال آں کو راندیم است / عجب مجموعۂ امید و بیم است

عجب حال ست پیشش حال بندہ / بہ خندہ گریہ و در گریہ خندہ

بہ گویائیست صد اصلاح کوشی / ہزاراں معنئ دارد خموشی

برائے وعظ گفتن او چو خیزد / بسے دُرہا بسے گلہا بریزد

الا اے طوطیٔ گویائے اسرار / مبادا از شکر خالیست منقار

ز نورِ حق چو قلبش طور گشتہ / وجود او سراپا نور گشتہ

رخش آئینۂ حُسنِ نگارے / برانگیزد بہ دلہا عشقِ یارے

سرِ او عقل صد فرزانہ دارد / کنارِ او دلِ دیوانہ دارد

صراحی در بغل تسبیح در دست / کسی کم دیدہ چوں او زاہد مست

بہ ذکر اللہ او رطب اللسان است / بیادِ حق دلش ہم شادمان است

چہ خوش وقتے و خرم روزگارے / کہ بر لب ساغر و در بر نگارے

عجب پُر جوش کیفِ ایں شراب است / کہ او در عین پیری در شباب است

بہ دل بُردن عجب او را کمال است / عجب او دلبرِ دیرینہ سال است

بہ بیں اے خواجہ جاہِ اشرفِ ما / بیا در خانقاہِ اشرفِ ما

بخواہی دید اگر تو خواہی آمد / کہ فقر اندر قبائے شاہی آمد

عجائب کارہائے کارسازند / کہ یکجا مجتمع ناز و نیازند

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشیند / گہے بر پشتِ پائے خود نہ بیند

نہ تنہا صورتِ شاہانہ دارد / کہ ہم صد ہیبتِ شاہانہ دارد

نہ ملکے و نہ تختے و نہ تاجے / مگر شاہانہ میدارد مزاجے

ہر اہلِ دل زباں آور دلیرے / گم است اینجا چو گربہ پیش شیرے

کسے را پیشِ او تابِ سخن نیست / چناں گویا زباں اندر دہن نیست

چہ پیشش حاجتِ اظہار حال است — کہ حلِّ عقدہ ہا بے قیل و قال است
چہ جائے قیل و قالِ گفتگوئے — کہ ایں بزم است بزم دید روئے
بگوشِ ہوش بشنو ایں سخن را — مزن دم قفل زن پیشش دہن را
رہے پیدا بدو از دل بہ دل کن — دلت را با دلِ او متصل کن
دلے کو با دل او بستہ گردد — اگر خارے بود گلدستہ گردد
بکن خود را تو غائب در دلِ او — تماشا کن عجائب در دلِ او
تنِ او با ہمہ بالائے فرش است — دلِ او با خدا بالائے عرش است
عجب فرحت گہے ایں خانقاہ است — عجب نزہت گہے ایں خانقاہ است
اگر فردوس بر روئے زمین است — ہمین است و ہمین است و ہمین است
یکے ساقی و میخواراں ہزار اند — دو چشمِ مستِ او مشغول کار اند
بمیخانہ بہار است و بہار است — کہ در وجد و طرب ہر میگسار است
خوشا ایں بادہ نوشانِ الٰہی — زہے رندی زہے شانِ الٰہی
مپرس از ذاکرانِ نیم شبہا — کہ مشغول اند باد لہا و لبہا
چہ پرسی لطفِ وردِ صبحگاہی — کہ ایں لقمہ بہ است از مرغ و ماہی
پر از ذکر است گوہر حجرہ تنگ است — چہ خوش ایں نغمۂ بے عود و چنگ است
دل اینجا میکند اللہ اللہ — کہ ہر دم بشنود اللہ اللہ
چہ صحت بخش ہست اینجا فضائے — دل اینجا بے دوا یابد شفائے
کجائید اے خدا جویاں کجائید — کجائید اے شفا جویاں کجائید
بیائید اے طلبگاراں بیائید — بیائید اے دل افگاراں بیائید
تعالیٰ اللہ چہ عالی بارگاہے — کہ اینجا ہر گدائے پادشاہے
کس اینجا سیم و زر کارے ندارد — مگر با کس سرو کارے ندارد
بہشت آنجا کہ آزارے نباشد — کسے را با کسے کارے نباشد
بیا خود ترک کن کبر و منی را — چہ گویم جلوہ ہائے دیدنی را
ز شرح فیض او قاصر زبان است — کہ کشتی بہ بحر بیکراں است
بیا تا دیدہ گردد ایں شنیدہ — شنیدہ کے بود مانند دیدہ

نگویم غیر حق چوں امر دین است ، یقیں کن ایں ہمہ عین الیقین است
کہ مجذوب ایں ہمہ نشنیدہ گوید قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید
ز خاصانِ خدا اشرف علی ہست ولی ہست و ولی ہست و ولی ہست
کہ قول و فعل و حالِ او گواہند جمال و ہم کمالِ او گواہند
شک آوردن بجز بیجاصلی نیست کہ کارِ اہل دل زو بیدلی نیست
ہر اہلِ عقل و دیں را او امام است خلافِ او شدن سودائے خام است
بدل ہر معترض ہم مائل اوست زباں منکر مگر دل قائلِ اوست
ز بغضِ او چہ سودِ دشمنان است زیان است و زیان است و زیان است
نمی شاید بہ شیراں پنجہ کردن کہ ہست ایں دست خود را رنجہ کردن
ہر آں کو با ولیِ حق ستیزد برائے جنگ پیشِ حق بخیزد
چہ باک از دشمنانِ او کہ خوارند چہ پیشِ مہر ذراتِ غبار اند
ہمہ گیریِ نورِ او عیان است مگر بر شپرہ چشماں نہان است
چناں سوزِ نہانِ او عیاں شد کز انفاسش جہاں آتش بجاں شد
ہزاراند از و شعلہ بدامن بگشت از مشعلے صد شمع روشن
دلش از عشق دائم زندہ بادا بعالم فیضِ او پائندہ بادا
چہ شد مجذوب اگر دیوانۂ اوست ہمہ عالم بہ بیں پروانۂ اوست

تمت بالخیر

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اب میں پھر اصل مقصود کی طرف عود کرتا ہوں - جب حضرت والا مشرف بہ تکمیل باطنی ہو کر حضرت شیخ العرب والعجم کی خدمت سے رخصت ہونے لگے تو حضرت شیخ نے اپنے نور فراست کی بنا پر دو وصیتیں خاص طور سے فرمائیں ایک تو یہ کہ دیکھو میاں اشرف علی ہندوستان پہونچکر تمکو ایک حالت پیش آئے گی عجلت مت کرنا - دوسری وصیت یہ فرمائی کہ کبھی کانپور کے تعلق سے دل برداشتہ ہو تو پھر دوسری جگہ تعلق نہ کرنا توکل بخدا تھانہ بھون جا کر بیٹھ جانا دیکھئے محرم ۱۳۰۱ھ کے والا نامہ میں ترک تعلق کو منع فرمایا تھا کیونکہ وہ زمانہ تلوین کا تھا اور اب بعد حصولِ تمکین خود ترک تعلق کا ایما فرما رہے ہیں غرض حضرت والا بامداد اللہ الاعلیٰ چشتی صابری امدادی رنگ میں جو اس زمانہ میں صبغۃ اللہ اور رحمۃ اللہ

فی الارض ہے بہ تمام وکمال منصبغ ہوکر اور اس طریق انیق کے جملہ مراحل و مدارج طے فرماکر اور جمیع کمالات و اوصاف باطنی سے مشرف و متصف ہوکر مراجعت فرمائے ہندوستان ہوئے اور حکیم الامت ہوکر اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام والتحیۃ کو امراض روحانی سے شفایاب کرنے اور دولت باطنی سے مالامال فرمانے میں مشغول ہو گئے۔

حال ہی کی بات ہے کہ حاجی محمد بشیر صاحب لکھنوی نے خاص حضرت والا ہی کی مجلس میں بیان فرمایا کہ اُن سے جناب بخشی نذیر حسن صاحب مرحوم کانپوری نے جو ایک دیندار صالح شخص تھے عرصہ ہوا اپنا ایک مفصل خواب اُس زمانہ کا بیان کیا جب کہ حضرت والا مکہ معظمہ سے حضرت حاجی صاحب رح کی خدمت میں چھ ماہ قیام فرماکر واپس تشریف لارہے تھے اور روانگی کی اطلاع کانپور پہونچ چکی تھی۔ حاجی جی نے بیان کیا کہ مجکو اُس خواب کا خلاصہ ابتک یاد ہے یعنی بخشی جی نے دیکھا کہ حضرت والا مکہ معظمہ سے ہندوستان واپس تشریف لے آئے اور جسوقت جہاز سے اُترے دفعۃً سارے ہندوستان میں ایک روشنی سی پھیل گئی اور وہ تاریکی سی جو اس سے قبل بحالت خواب محسوس ہو رہی تھی یک بیک دور ہو گئی اھ

آج تو الحمدللہ اس رؤیائے صالحہ کی تعبیر روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہے اور کسی کو مجال انکار تو کیا مجال تامل بھی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اُسوقت حیرت ہوئی ہوگی کہ یہ کیا خواب دیکھا۔ کیونکہ گو کانپور کے لئے حضرت والا کی ذات بابرکات اُسوقت بھی دافع ظلمات و ناشر ضیاءات عموماً تسلیم کیجا چکی تھی لیکن اسقدر ہمہ گیری فیوض و برکات کا کسی کو کیا گمان ہوگا غرض حضرت والا سرچشمۂ فیوض و برکات و منبع خیرات و حسنات ہوکر اپنے پیرو مرشد کی خدمت فیض درجت سے بہ تمام وکمال بہرہ اندوز ہوکر کانپور واپس تشریف لے آئے۔ اور مشغولِ افاضۂ ظاہری و باطنی ہو گئے۔ اہل کانپور جو حضرت والا کے والہ و شیدا تھے اس طویل مفارقت کے بعد نہایت شاندار اور بڑے زبردست پیمانہ پر استقبال کرنے کے اہتمام میں تھے جسکا حضرت والا کو پہلے سے احتمال تو ہی تھا لیکن چونکہ حضرت والا اپنی شان کو بالکل مٹاکر اور عبدیت کاملہ کے شرف سے مشرف ہوکر اپنے پیرو مرشد کی خدمت شریف سے تشریف لارہے تھے لہذا نہایت اہتمام سے اپنی آمد کا اخفا فرمایا یہاں تک کہ ایک شخص بھی اسٹیشن پر نہ پہونچ سکا اور حضرت والا دفعۃً بلا اطلاع بطور خود مدرسہ آپہونچے۔ مشتاقین کو بڑی حیرت اور حسرت ہوئی کیونکہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہونے پائی اور استقبال کے سارے ارمان اور سامان یونہی یوں ہی رہ گئے۔ حضرت والا کا مدرسہ میں پہنچنا تھا

کہ تمام شہر میں مژدۂ تشریف آوری تار برقی کی طرح دوڑ گیا اور مشتاقانِ زیارت جوق جوق آنے لگے اور پھر تو ایسا تانتا لگا کہ کسی طرح ختم ہی ہونے نہ آتا تھا۔ لوگوں نے اپنے قصد و اہتماماتِ استقبال کو بیان کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ اسی وجہ سے تو میں بے اطلاع چلا آیا۔

لوگوں کا خیال تھا کہ چونکہ گھر کے لوگ بھی ہمراہ تھے اسٹیشن پر بڑی زحمت ہوئی ہوگی مگر تذکرہ میں فرمایا کہ یہ زحمت بھی کچھ نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ اتفاق سے پلیٹ فارم ہی پر ایک ڈولی مل گئی اسمیں گھر کے لوگوں کو سوار کرا کے اور اسباب کو ایک قلی پر لدوا کے اسٹیشن سے باہر تک آگیا۔ پھر سواری میں بیٹھ کر یہاں چلا آیا۔ مجھے بھی کوئی زحمت نہ ہوئی اور اتنے سارے مسلمان بھی تکلیف سے بچ گئے ورنہ تکلفات میں کلفت ہی کلفت تھی۔ سادگی میں جو بات ہے وہ تکلف میں کہاں اھ۔ غرض حضرت والا مکۂ معظمہ سے واپس تشریف لا کر پھر مشغول درس و تدریس و وعظ و تبلیغ ہو گئے اور مزید براں ارشاد و تلقین بھی شروع فرمادیا مگر دیکھنے والے دیکھتے تھے اور حیرت کرتے تھے کہ یا اللہ کیا حال تھا اور کیا ہوگیا۔ اب تو کچھ رنگ ہی اور تھا۔

چنانچہ احقر کو اپنے والد صاحب مرحوم و مغفور کا بہت پرانا قول ابتک خوب اچھی طرح یاد ہے فرماتے تھے کہ ہم نے مولانا کا ایک تو وہ زمانہ دیکھا تھا کہ نہایت سرخ و سفید ہشاش بشاش خوبصورت اور چمکتے ہوئے پٹہ دار بال خوش لباس ایسے کہ گویا ہر وقت دولھا بنے رہتے تھے اور جوانی کا وہ عالم تھا جس کو کہتے ہیں کہ شباب پھٹا پڑتا ہے اس کے بعد پھر وہ زمانہ بھی دیکھا جب حضرت حاجی صاحب رہ کی خدمت میں قیام کرنے کے بعد تشریف لائے کہ چہرہ بالکل زرد اور اُداس پژمردہ و افسردہ ژولیدہ حال نہ بالوں میں تیل کا اہتمام نہ کنگھی کا التزام نہ اچکن نہ انگرکھا نہ بیمک نہ بیل بوٹے صرف سادہ کرتہ اور پاجامہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میرے بڑے گھر میں مجکو بہت پُر تکلف کپڑے پہنائے رکھتی تھیں کیونکہ اُس زمانہ میں اُن کو بیل بوٹے کاڑھنے کا بہت شوق تھا۔

غرض حضرت والا کو باطنی باغ و بہار نے ظاہری بناؤ سنگار سے بالکل بے پروا کر دیا تھا لیکن اس خستہ حالی پر ہزار بناؤ سنگار قربان ہوتے تھے اور پہلے سے بھی زیادہ کشش ہوتی تھی۔ گویا حضرت والا اپنے پیر و مرشد کی خدمت سے اس شعر کے پورے پورے مصداق ہو کر تشریف لائے تھے ؎

قبا وا کردہ و کاکل پریشاں کردہ می آید ‌ ‌ ‌ بہ بیں ایں بے سروساماں چہ ساماں کردہ می آید

حضرت والا پر اپنے پیر و مرشد کی خدمت سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد پھر کیفیت شوقیہ الٰہیہ کا نہایت جوش و خروش کے ساتھ وُرود ہوا اور حالت سابقہ نے عود کیا مگر اب کی بار اس کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ قبلِ حاضری جو کیفیت شوقیہ تھی اُس میں اضطراب تھا اِس میں اشتیاق اُسمیں پریشانی تھی اس میں فرحت۔ اُس میں کلفت تھی اس میں لذت وہ ایک گونہ ناگوار تھی یہ خوشگوار وہ سیر الی اللہ تھی یہ سیر فی اللہ۔ وہ دوا دوش طریق تھی یہ طواف کعبہ مقصود وہ عدم وصول سے ناشی تھی یہ وصول سے۔ وہ وقت طلب تھا یہ وقتِ وصول وہ زمان ہجر تھا یہ زمانِ وصال۔ وہ دورِ حسرت تھا یہ دورِ شوق وہ تلوین تھی یہ تمکین وہ حالت مشاہدہ سے قبل کی تھی یہ بعد کی۔ وہ اثرِ عشق تھا یہ اثرِ حسن بمصداق قطعہ حضرت حافظ شیرازی رحمہ

بلبلے برگِ گلے خوشرنگ درمنقار داشت ‌ ‌ ‌ و اندراں برگ و نوا خوش نالہائے زار داشت

گفتمش درعینِ وصل ایں نالہ و فریاد چیست ‌ ‌ ‌ گفت مارا جلوۂ معشوق دراین کار داشت

غرض اس مرتبہ کی بیچینی بخلاف پچھلی مرتبہ کی بیچینی کے بڑے مزے کی بیچینی تھی کیونکہ یہ بیچینی غایت اُنس مع اللہ سے ناشی تھی گویا شوق و اُنس دونوں سے مرکب تھی اور بجائے آثار اضطراب آثار اشتیاق نمایاں تھے جیسا کہ ابھی اوپر بہ تفصیل بیان کیا جاچکا ہے۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ مدرسہ کا رنگ ہی بدل گیا۔ درسی کتابوں کا سبق ہو رہا ہے اور ادنےٰ مناسبت سے تصوف کے مضامین کی دھواں دھار تقریریں ہو رہی ہیں اور طالبعلموں پر کیفیت وجدیہ طاری ہو رہی ہے۔ بہت سے مدرسین اور طلبہ نے ذکر و شغل شروع کر دیا اور حالات عجیبہ و کیفیات غریبہ کا وُرود ہونے لگا۔

حضرت والا نے شروع شروع کے جوش افاضہ میں حلقہ توجہ بھی منعقد کر دیا تھا۔ غرض مدرسہ مبدل بہ خانقاہ ہو گیا اُس زمانہ کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ خود حضرت والا فرماتے ہیں کہ بس یہ جی چاہتا تھا کہ ساری دنیا کو ذاکر و شاغل اور ولی کامل بنادوں۔ اُس زمانہ کے رنگ کے دیکھنے والوں اور حلقۂ توجہ میں شامل ہونے والوں میں سے بعض کو احقر نے بھی دیکھا ہے مثلاً جناب شاہ لطف رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت والا کے ایک بڑے قوی الحال خلیفۂ باکمال تھے۔ بارہا احقر کے سامنے کبھی کسی بات پر کبھی کسی شعر پر اسقدر شدید کیفیت طاری ہو جاتی کہ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑجاتے اور بے اختیار چیخنے چلانے اور بسمل کی طرح تڑپنے اور تلملانے لگتے ایک بار احقر کی درخواست پر مع چند دیگر احباب سفر منصوری فرمایا۔ چونکہ بہت

نحیف ونازک مزاج تھے اور چڑھائی زیادہ چڑھنی پڑی سفر سے بیحد تعب ہوا عین تکان کی حالت میں جبکہ سخت چڑھائی کے موقع پر سخت پریشان تھے اور ناگواری میں احقر سے شکایت فرمارہے تھے احقر نے یہ شعر پڑھ دیا ؎

یہ شکوہ بیوفائی کا یہ رونا کج ادائی کا سزا ہے دل لگانے کی مزہ ہے آشنائی کا

بس یہ شعر سننا تھا کہ تکان وتعب سب بھول گئے۔جوش میں آکر زور سے ایک چیخ ماری اور وجد میں آکر رقص کرنے لگے۔اُنپر زیادہ تر خوف وخشیت ہی کا غلبہ رہتا تھا۔اور اکثر مغفرت کے تذکروں پر حال طاری ہو ہو جاتا تھا بارہا دیکھا گیا کہ بے اختیار ہو ہو کر موقع بے موقع حضرت والا کے پاس پہونچ جاتے اور مغلوبیت کی باتیں کرنے لگتے۔حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اس قدر خوف و خشیت کا غلبہ میں نے کسی پر نہیں دیکھا جب وہ غلبۂ حال میں باتیں کرتے تو اُن کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا جیسے اُن کا اسوقت کلیجہ پھٹا جارہا ہے بروایت اُستادی جناب مولانا سراج احمد صاحب امروہی جو حضرت والا کے خلیفۂ مجاز ہیں۔ایک بار شاہ صاحب پر حضرت والا کی عدم موجودگی میں بحالت نماز جماعت شدید کیفیت طاری ہوئی اور نماز میں بے اختیار اللہ اللہ کرکے کبھی صف سے آگے بڑھجاتے کبھی پیچھے ہٹ جاتے۔حضرت والا کی واپسی سفر کے بعد بھی وہی حالت تھی حضرت والا نے جب پانی دم کرکے پلایا تب جاکر سکون ہوا۔حضرت والا نے تنبیہًا ایک اور صاحب سے جو کیفیات کے بہت متمنی رہتے تھے فرمایا کہ کیا آپ بھی اپنی ایسی ہی حالت چاہتے ہیں اُنھوں نے کہا نہیں حضرت یہ تو سخت حالت ہے اسکا تحمل کہاں تو باوجود ان کیفیات قویہ کے جو ابتک موجود تھیں شاہ صاحب حضرت والا کے زمانہ کانپور کے جوش وخروش کو اخیر وقت تک یاد ہی فرماتے رہے اور حضرت والا سے ویسی ہی توجہ کے طالب رہے۔حضرت والا یہ فرماکر تسلی فرماتے رہے کہ وہ کیفیات سابقہ نفسانی تھیں اور موجودہ کیفیات لطیفہ روحانی ہیں۔ان کے مقابلہ میں وہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھیں۔

اُس زمانہ کی توجہ کے آثار کی ایسی مثال تھی جیسے بڑے زور کی بارش ہوکر ایک ریلا سا بہ گیا اور پھر نہ بادل رہا نہ پانی۔زمین بدستور خشک کی خشک اور آج کل کی کیفیات کی ایسی مثال ہے جیسے لگاتار پانی کی پھوہار برس رہی ہو جس کو جھڑی لگ جانا کہتے ہیں گو دیکھنے میں تو پھوہار ہے جو زور کی بارش کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں لیکن کیفیت یہ ہے کہ زمین کے اندر پیوست ہوتی چلی جارہی ہے ریلے کی طرح نہیں کہ ایک ساتھ بہتا ہوا نکل گیا اور زمین کے اندر کچھ اثر ہی نہ پہونچا۔زمین تو کاشت کے قابل ایسی ہی ہلکی ہلکی اور جمی ہوئی بارش سے ہوتی ہے۔اھ۔

احقر نے ایک بار شاہ لطف رسول صاحب رہ سے حضرت والا کے اُس پُرانے جوش وخروش کے حالات سُنکر حضرت والا سے عرض کیا کہ کبھی حضرت کو بھی وہ حالات وکیفیات یاد آتی ہیں۔ فرمایا کہ اگر کسی عورت کو اُس کے شوہر نے چاندی کا چمکدار زیور اُتار کر سر سے پاؤں تک سونے کے زیورات سے لاد دیا ہو جو چاندی کے زیور کے مقابلہ میں بظاہر ماند معلوم ہوتا ہے تو کیا وہ عورت اُس اُترے ہوئے چاندی کے زیور کو بھی کبھی یاد کرے گی یا برخلاف اس کے شوہر کا شکر ادا کرے گی کہ چاندی کا گھٹیا زیور اُتار کر سونے کا بڑھیا زیور پہنا دیا۔

غرض حضرت والا کا حضرت حاجی صاحب رہ کی خدمت میں قیام کرنے کے بعد کا زمانہ بہت ہی جوش وخروش کا زمانہ تھا جس کے اثر سے طلباء و مدرسین بھی ذاکر شاغل ہو گئے تھے چنانچہ ایک طالبعلم نے بھی حضرت والا کی دیکھا دیکھی بلا مشورہ اپنے طور پر ذکر وشغل شروع کر دیا۔ اِس سے اُنپر ایک دن جبکہ وہ بوستاں کا سبق ایک اور مولوی صاحب سے پڑھ رہے تھے مندرجۂ ذیل اشعار پر ایک سخت حالت طاری ہو گئی ؎

به مجنوں کسے گفت کاے نیک پے | چہ بودت کہ دیگر نیائی بحے
مگر در سرت شور لیلے نماند | خیالت دگر گشت و میلے نماند
چو بشنید بیچارہ بگریست زار | کہ اے خواجہ دستم ز دامن بدار
مرا خود دل دردمند ست خیز | تو نیزم نمک بر جراحت مریز
نہ دوری دلیل صبوری بود | کہ بسیار دوری ضروری بود

اس قدر قوی حالت تھی کہ لا الہ الا اللہ کہتے ہوئے اور زور سے بھاگتے ہوئے بازار کی طرف نکل گئے جو ملتا اُس سے کہتے جاتے کہ کہو لا الہ الا اللہ ایسا اثر تھا کہ جس سے کہتے وہ لا اِلہ الا اللہ کہنے پر اُسوقت مجبور ہو جاتا چنانچہ بہت سے ہندوؤں یہاں تک کہ ہندو کانسٹبلوں سے بھی لا الہ الا اللہ پڑھنے کو کہا تو وہ بھی بے اختیار پڑھنے لگے اُن طالبعلم کے ماموں کہ وہ بھی طالبعلمی کرتے تھے سخت پریشان ہونے لگے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میاں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ یہ تو خوش ہونے کی بات ہے کہ تمہارا بھانجہ ولی ہو گیا۔ تڑپتے وقت وہ اپنے بھانجہ کو دبا کر بیٹھ گئے تو حضرت والا نے منع فرمایا کہ ایسا نہ کرو۔ تڑپنے دو ورنہ گھُٹ کر دم نکلجانے کا اندیشہ ہے۔ ایسی شدید کیفیات میں یہی چاہیئے کہ خوب تڑپنے دے۔ اُنھوں نے عذر کیا کہ چوٹ لگ جائے گی فرمایا کہ چوٹ تو دل پر لگ چکی اب ظاہری چوٹ کی اتنی رعایت رکھو کہ ان کو گرنے پڑنے مت دو مگر پکڑو نہیں

جب بازار کی طرف بھاگے ہوئے گئے تو پیچھے پیچھے اُن کے ماموں اور دوسرے لوگ بھی بھاگے اور بمشکل پکڑ کر لائے جب مدرسے پہونچے تو عصر کی نماز کا وقت ختم ہو رہا تھا حضرت والا نے فرمایا کہ گویا اسوقت مکلف نہیں مگر پھر بھی یہی اچھا ہے کہ ان سے نماز پڑھنے کے لئے کہا جائے ۔ چنانچہ اُن سے کہا گیا ۔ لیکن اُنھیں لا الٰہ الا اللہ ہی کی رٹ لگی ہوئی تھی ۔

چونکہ آداب وجد میں سے یہ ہے کہ صاحب وجد کی حاضرین بھی موافقت کریں لہذا حضرت والا کے ایک شاگرد مولوی محمد یونس صاحب نے یہ ترکیب کی کہ اُن سے پہلے تو یہ کہا کہ لا الٰہ الا اللہ کا وضو کر لو ۔ یہ سنتے ہی اُنھوں نے فوراً وضو کر لیا پھر کہا کہ لا الٰہ الا اللہ کی نماز بھی پڑھ لو ۔ چنانچہ نماز کے لئے بھی کھڑے ہو گئے لیکن نماز عجیب طرح کی پڑھی ۔ بجائے اللہ اکبر کے آہ آہ کہتے تھے اور بجائے تلاوت وغیرہ کے اشعار عشقیہ پڑھتے تھے ۔ اُس وقت اُنھیں بہت سے اشعار یاد آتے چلے گئے ۔ حالانکہ اس سے قبل اُنھیں کبھی اشعار پڑھتے ہی نہ سنا گیا تھا اُس نماز میں اُنھوں نے سجدے بھی بے تعداد کئے ۔

رات بھر یہی کیفیت رہی یہانتک کہ اُس کیفیت کے سلب کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ دوسرے روز اُنکو حضرت والا نے ایک صاحب تصرف ولایتی درویش میاں خاکی شاہ کے پاس جو کانپور ہی میں رہتے تھے اور جنکی قوت توجہ حضرت والا کو معلوم تھی سلب کیفیت کے لئے بھیجا ۔ اُنھوں نے کہا یہ خوب بات ہے کہ گولی تو ماردی خود اور اب نکلوانے بیٹھے ہیں مجھ سے پھر اُنھوں نے توجہ کا عمل کیا اور دوسرے روز پھر آنے کے لئے کہا لیکن شب کو اُس طالبعلم نے خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ اُس فقیر سے کہہ دینا کہ کیا تیری کمبختی آئی ہے ۔ ایسی نعمت کو سلب کرتا ہے جب یہ خواب حضرت والا نے سنا تو اُن طالب علم کو اُن درویش کے پاس جانے سے منع فرما دیا ۔

سوچنے سے دوسری تدبیر یہ ذہن میں آئی کہ اُن کے جوش وخروش کو سماع سے سکون ہوگا ۔ چنانچہ حضرت والا نے ایک صاحب سماع صوفی سے کہا کہ ہماری وضع کے تو یہ خلاف ہے ۔ البتہ تم ان کو اپنے یہاں لیجا کر ذرا سماع سنوا دو اور یہ معلوم نہ تھا کہ وہاں آلات بھی ہوں گے ۔ انھوں نے اس فرمائش کو بہت خوشی کے ساتھ منظور کیا ۔ کیونکہ یہ بڑے فخر کی بات تھی کہ مولویوں کو بھی ہماری احتیاج ہوئی ۔ چنانچہ وہ اُن کو اپنی جماعت کے پاس لیگئے لیکن جب وہ لوگ آلات سماع لیکر بیٹھے تو وہ طالب علم بہت بگڑے کہ یہ کیا واہیات ہے مجھے معصیت میں مبتلا کرتے ہو ۔ میں ان سبکو

توڑپھوڑ دوں گا۔ یہ کہکر وہاں سے بھاگ آئے پھر حضرت والا نے ایک خوش آواز بنگالی طالبعلم سے جنکی آواز میں درد تھا کہا کہ تم ان کو کسی الگ جگہ لیجا کر کچھ اشعار سنا دو اور اُس جگہ اور کسی کو جانے کی اجازت نہیں دی۔ چنانچہ اُنھوں نے حضرت خسرو رح کی یہ غزل اُن کو خلوت میں لیجا کر سنائی ؎

از ہجر تو دل کباب تا کے | جاں در طلبت خراب تا کے
در مصحفِ روئے او نظر کن | خسرو غزل و کتاب تا کے

ان اشعار کو سن کر اُنھیں وجد آیا اور بیحد جوش و خروش ہوا اور کھڑے ہو کر زور زور سے خود بھی یہ کہتے جاتے تھے۔ تا کے تا کے حضرت والا تک بھی یہ آواز آرہی تھی۔ جب دل کی بھڑاس اچھی طرح نکل گئی تو پھر سکون ہو گیا۔ غرض یہ تدبیر نافع ہوئی۔ اُنھیں طالبعلم نے یہ بھی خواب میں دیکھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ تم کسی سے بیعت ہو جاؤ اُنھوں نے جب عرض کیا کہ حضرت کس سے؟ تو فرمایا جس سے زیادہ اعتقاد ہو چنانچہ انھوں نے حضرت والا سے یہ خواب بیان کیا جواب میں فرمایا جس سے اعتقاد ہو اُس سے بیعت ہو جاؤ انھوں نے کہا کہ مجکو تو آپ سے اعتقاد ہے اور یہ کہکر حضرت والا سے بیعت کی درخواست کی حضرت والا نے اس بناء پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ ہے بلا تامل بیعت فرما لیا۔ حضرت والا نے یہ واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ لوگ ان کیفیات کو نہ جانے کیا سمجھتے ہیں حالانکہ ان کی بس یہ حقیقت ہے کہ صرف چار دن تک تو خوب جوش و خروش تھا پھر ویسے کے ویسے ہی ہو گئے۔ چنانچہ وہ صاحب ابتک ہیں لیکن بالکل کورے بقول شخصے چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے۔ اھ۔

جناب شاہ لطف رسول صاحب رح کو جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے حضرت والا کے حلقۂ توجہ میں کشف بہت ہونے لگا تھا۔ ایک بار حضرت والا کو شوق ہوا کہ جناب بڑی پیرانی صاحبہ مدظلہا کو توجہ دیں چنانچہ اُنپر اسقدر اثر ہوا کہ ہاتھ پیروں میں تشنج پیدا ہو گیا اور حالت غیر ہونے لگی یہاں تک کہ خود حضرت والا بھی گھبرا گئے اور جلدی سے توجہ کو ہٹا کر پانی دم کر کے پلایا تب خدا خدا کر کے افاقہ ہوا۔

غرض بعد واپسی مکۂ معظمہ کچھ عرصہ تک خوب ذکر و شغل کا ذوق و شوق احوال و مواجید کا طریان و ورود اور افاضۂ باطنی کا جوش و خروش رہا جیسا کہ مکتوبات امدادیہ کے مکتوب شش‌م مورخہ ۸ ربیع الاول ۱۳۰۱ھ سے بھی مترشح ہوتا ہے جس میں حضرت حاجی صاحب رح حضرت والا کو ارقام فرماتے ہیں کہ خط آپ کا بذریعہ ڈاک وصول ہوا کمال خوشی ہوئی اللہ تعالےٰ آں عزیز کو مدام اپنی یاد

اور ذوق و شوق و مواجید میں سرشار اور مخمور رکھے - اھ (ملاحظہ ہو اقتباس نمبر ۱۵) لیکن جب مقامات محصلہ میں رسوخ ہو گیا تو اس شوق نے دوسرا رنگ اختیار کیا یعنی مقاماتِ متوقعہ کی طلب شدید دامنگیر ہوئی جس نے بمصداق اشعار ؎

مصلحت نیست مرا سیری باز آں آب حیات — ضاعف اللہ بہ کل زمان عطشی

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا — کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست — آنجا جز اینکہ جان بسپارند چارہ نیست

دوبارہ پھر ویسی ہی کیفیت اضطرابیہ والتہابیہ رونما کر دی جیسی قبل قیام مکہ مکرمہ ابتدائے حال میں طاری ہوئی تھی - لیکن ان دونوں کیفیتوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا کیونکہ وہ کیفیت طلب ابتدائی سے ناشی تھی اور یہ طلب مزید سے - اور اس قسم کے تغیرات و تقلبات تو لوازم طریق سے ہیں. کیونکہ گو پانی کو سمندر میں پہونچکر سکون ہو جاتا ہے لیکن وہاں بھی مدو جزر اور تموج اور تلاطم ساتھ لگا ہوا ہے. جس کی قوت و شدت اور شوکت و صولت پہلے سے بھی زیادہ ہوتی ہے - یا یوں سمجھئے کہ پہاڑوں کی سر بہ فلک چوٹیوں پر بھی پہونچکر گہری گہری وادیوں سے سابقہ پڑتا ہے اور حدود بارگاہ شاہی میں داخل ہونے کے بعد بھی خاص خاص محلات میں پہونچنے کے لئے لمبی لمبی اور تیرہ و تار سرنگوں میں ہو کر گذرنا پڑتا ہے

غرض چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضرت والا کا رفع مراتب کرنا منظور تھا بفحوائے پیشنگوئی حضرت حاجی صاحب رح حضرت والا کی حالت باطنی نے پھر پلٹا کھایا اور پہلے سے بھی زیادہ تشنگی طلب نے زور دکھایا - چنانچہ بمصداق النھایۃ ھی العود الی البدایۃ پھر ویسی ہی حیرانی و پریشانی موجود پائی جیسی قبل قیام مکہ مکرمہ لاحق ہوئی تھی بلکہ اُس سے بھی بڑھکر کیونکہ یہ تشنگی طلب حقیقت شناس اور لذت آشنا ہو جانے کے بعد پیدا ہوئی تھی اور گو یہ پریشانی نہایت لذیذ پریشانی تھی لیکن مثل سابق کے پھر کسی دستگیر کی شدید فوری ضرورت محسوس ہوئی - اور پھر قدرتی طور پر اُسی ذلت پر نظر پڑی جس سے ابتداء سلوک میں ایک گونہ تسلی ہو چکی تھی یعنی پھر اپنے شفیق ماموں پیر جی امداد علی صاحب قبلہ سے جنکو گاہ گاہ حالات کی اطلاع فرماتے ہی رہتے تھے اس پریشانی بعد الوصول میں بھی خاص طور سے رجوع فرمایا - لیکن جو قلب انوارِ سنت سے منوّر اور رنگ امداد الٰہی سے منصبغ ہو چکا تھا وہ اب کسی دوسرے رنگ کو کیونکر قبول کر سکتا تھا اور جو محیٔ سنّت و ماحیِ بدعت و مجدد ملت ہونے والا تھا اُس کی طبع شریف و لطیف کیوں ہر اُس شئے کو رد نہ کر دیتی جس میں شائبہ بھی خلافِ سنت کا ہو اگرچہ اُس شئے کا دینے والا خود بوجہ غلبۂ حال معذور ہو - چنانچہ پیر جی صاحب کی توجہات بلیغہ

وتدبیرات مختلفہ نیز خاص اپنے مواجہہ میں شغل روحی وغیرہ کرانے سے بھی بجز ازدیاد اضطراب وشدتِ تشنگی طلب کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

گو ان تدابیر سے شروع میں کسی قدر افاقہ کی سی صورت نظر آنے لگی تھی لیکن وہ افاقہ بالفاظ حضرت حاجی صاحب رح محض ظنی ومستعار تھا۔ قیام پذیر نہ تھا جیسا کہ مکتوبات امدادیہ کے مکتوب ۲۳ کی نقل سے واضح ہوگا جو بعد کو درج کیجائے گی۔ اس اضطراب کا اصل سبب حسب ارشاد حضرت والا حصول مقصود کی غایت عجلت اور احوال وکیفیات غیر اختیاریہ کی شدت طلب ورغبت تھی۔ یہ شوق مفرط یہاں تک بڑھا کہ اُس نے بمصداق ؎

تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند　　　　از ہمہ کارِ جہاں بیکار ماند

سارے مشاغل سے دل اُچاٹ کر دیا۔ نہ درس وتدریس سے دلچسپی رہی نہ افاضۂ ظاہری و وباطنی کا شوق رہا۔ درس وتدریس کی جانب تو خیر بہ تکلف توجہ فرمانی ہی پڑی کیونکہ ایسا کرنا بوجہ مشاہرہ کے واجب تھا لیکن دیگر افاضاتِ ظاہری وباطنی مثلاً وعظ وتلقین وغیرہ کو بالکل بند فرما دیا۔ کیونکہ اول خویش بعدہٗ درویش یہاں تو اپنی ہی فکر پڑی ہوئی تھی۔ دوسروں کی فکر کا کسے ہوش تھا جو وقت درس وتدریس سے بچتا بس محبوب حقیقی ہی کی دُھن اور دھیان میں گذرتا۔ غرض سب تعلقات غیر ضروریہ کو خیر باد کہکر یکسوئی اختیار فرمالی۔ یہاں تک کہ وعظ کہنا بھی موقوف فرما دیا جس کے اہل کانپور بیحد دلدادہ وگرویدہ اور ایک مدت مدید یعنی شروع قیام کانپور ہی سے بیحد خوگردہ ولذت چشیدہ ہو رہے تھے۔

وعظ کا موقوف فرمانا تھا کہ تمام مسلمانانِ کانپور میں ایک ہل چل مچ گئی اور اس چشمۂ فیض سے جو تشنگانِ علوم ومعارف اشرفیہ آئے دن سیراب ہوتے رہتے تھے وہ ماہی بے آب کی طرح بیتاب ہوگئے اور طرح طرح سے حضرت والا پر وعظ فرمانے کے لئے زور ڈالنے لگے ایک دن خود جناب عبد الرحمٰن خاں صاحب مرحوم ومغفور جو بانی مدرسہ جامع العلوم تھے اور ایک معمّر وصالح بزرگ تھے بیتابانہ حاضر خدمت ہوئے اور والہانہ یہ شعر پڑھا ؎

نصابِ حسن در حدِّ کمال است　　　　زکاتم دہ کہ مسکین وفقیرم

حضرت والا نے نہایت دردناک لہجہ میں فرمایا کہ حضرت میں تو خود ہی فقیر ہو رہا ہوں دوسرے کو کیا دوں اھ جو اپنے کو اسقدر حرماں نصیب سمجھے ہوئے ہو اور جس پر عبدیت کا اتنا غلبہ ہو اُسکو بھلا وعظ کہنے کی جس میں ایک صورت ترفع اور دعوے کی ہوتی ہے کیونکر جرأت ہو سکتی تھی۔

اُسی زمانہ میں مدرسہ کا جلسہ ہوا۔ اُس میں تو حضرت والا کے وعظ کی سب حضرات اراکین مدرسہ کو بہت ہی شدید ضرورت محسوس ہونے لگی اور بزبان حال کہنے لگے ؎

بنمائے رُخ کہ خلقے والہ شوند و حیراں ۔۔۔ بکشائے لب کہ فریاد از مرد و زن برآید

شرکت جلسہ کے لئے بیرونی حضرات علماء بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ اُن کو ساتھ لیکر اراکین مدرسہ حاضر خدمت ہوئے اور بواسطہ اُن حضرات کے نہایت شدومد کے ساتھ وعظ کے لئے اصرار کرنے لگے۔ حضرت والا کے قلب سلیم میں حضرات اہل علم کا اس درجہ ادب و احترام ہے کہ نوعمر مولویوں کا بھی غایت درجہ لحاظ فرماتے ہیں اور وہ تو اکابر علماء کو سفارشی بنا کر لائے تھے حضرت والا کو نہایت درجہ تنگی واقع ہوئی کیونکہ نہ انکار فرما سکتے تھے نہ اقرار۔ جب کچھ نہ بن پڑا تو مجبور ہو کر گردن جھکالی اور رونے لگے۔ یہ حال دیکھ کر مولانا ظہور الاسلام صاحب فتحپوری رحمۃ اللہ علیہ کا دل پانی پانی ہو گیا اور بیساختہ یہ شعر پڑھا ؎

عشق نے غالب نکما کر دیا ۔۔۔ ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

پھر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ بس بھائی بس اب انھیں کچھ نہ کہو اپنے حال پر چھوڑ دو تنگ نہ کرو۔ مولوی شاہ سلیمان صاحب پھلواروی بھی ایک موقع پر آئے ہوئے تھے اُن سے بھی لوگوں نے اصرار کرنے کے لئے کہا تو انھوں نے عجیب جواب دیا۔ کہا کہ اگر ایسی حالت میں اس شخص سے وعظ کہلوایا تو بس ممبر پر بیٹھتے ہی اس کے مُنھ سے جو پہلا لفظ نکلے گا وہ انا الحق ہوگا ایسی حالت میں اصرار ہرگز مناسب نہیں اھ۔ غرض حضرت والا کا سکوت اس مصرعہ کا مصداق تھا ع خموشی معنیٔ دارد کہ در گفتن نمی آید۔ حضرت والا نے خود فرمایا کہ اُس زمانہ میں مجھ پر توحید کا بہت غلبہ تھا اسلئے میں نے وعظ کہنا چھوڑ دیا تھا کہ نہ جانے کیا مُنھ سے نکل جائے جس سے عوام کو غلط فہمی ہو کر دینی نقصان پہونچ جائے۔ صرف مولوی محمد اسحاق صاحب بردوانی سے (جو ایک فہیم و جید عالم اور معتمد خاص شاگرد تھے) اُن مضامین توحید کو جو قلب پر وارد ہوتے تھے خلوت میں بیان کر دیا کرتا تھا۔ اُس زمانہ میں اُن پر شان علمی غالب تھی اور تصوف سے زیادہ متاثر نہ تھے۔ لیکن پھر بھی اُن پر اتنا اثر ہوتا تھا کہ آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگتے تھے اور میرے مضامین کی تصدیق پر مضطر ہو جاتے تھے اھ سبحان اللہ حضرت والا کو غلبۂ حال میں بھی مصلحت عامہ کا کس قدر خیال تھا کہ ایسی حالت میں اپنی زبان ہی روک لی۔ بمصداق شعر حضرت شیفتہ رح ؎

ہم گر شنود حیف گونہ گویم ۔۔۔ آغشتہ بخوں فسانہ ہارا

اسی کیفیت کے متعلق ایک اور بھی مہتم بالشان واقعہ ہے جس کو حضرت والا اکثر بیان فرمایا کرتے ہیں چونکہ اس سے بھی اس کیفیت کی جس کو اسوقت بیان کیا جارہا ہے توضیح و شرح ہوتی ہے اسلئے اس موقع پر اُس کو بھی بیان کر دینا مناسب ہے ۔اس واقعہ کو خود حضرت والا نے اپنے وعظ شکر المثنوی کے اخیر میں بہ تفصیل بیان فرمایا ہے لہذا مطبوعۂ وعظ مذکور کے صفحات ۲۲ و ۲۳ سے بلفظہٖ نقل کیا جاتا ہے۔

"حق تعالےٰ کی کسی نعمت کے روکنے میں کوئی مصلحت ہوتی ہے خود میرا واقعہ ہے کہ ابتداء میں جبکہ جوش زیادہ تھا ایک مرتبہ خیال ہوا کہ ہم کو طلب بھی ہے اور یہ بھی مسلّم ہے کہ حق سبحانہٗ کو ہماری حالت کا علم ہے اور یہ بھی مسلّم ہے کہ اُن کو قدرت تامہ بھی حاصل ہے اور کریم رحیم بھی ہیں پھر ان باتوں کے ہوتے ہوئے دیر کیوں ہے اس کا جواب میری سمجھ میں کچھ نہ آیا جب بہت پریشانی بڑھی تو خیال ہوا کہ مولانا رومی رح سے مشورہ لو یہ خیال کر کے مثنوی کھولی تو پہلے صفحہ پر یہ اشعار نکلے جنمیں چاروں مقدمے وہ تھے جو میں نے قائم کئے تھے اور پانچواں مقدمہ اور تھا جو کہ میرے ذہن میں نہ تھا جس کے نہونے کے سبب میری سمجھ میں جواب نہ آتا تھا یعنی یہ کہ وہ حکیم بھی ہیں اور اس تاخیر میں حکمت ہے اشعار مذکورہ یہ ہیں ؎

چارہ میجوید پۓ من دردِ تو	می شنودم دوش آہِ سردِ تو
می توانم ہم کہ بے این انتظار	رہ نمایم وادہم راہِ گذار
تا ازیں طوفانِ دوراں وارہی	بر سرِ گنجِ وصالم پانہی
لیک شیرینی ولذاتِ مقر	ہست بر اندازۂ رنجِ سفر
آنگہ از فرزند و خویشاں برخوری	کز غریبی رنج و محنتہا بری

حاصل اشعار یہ ہے کہ یہ مسلّم ہے کہ تمہارا دردِ عشق میرے وصال کی تدبیر کا طالب ہے (اس میں میرا مقدمۂ اولےٰ تسلیم کیا ہے) اور میں کل رات تمہاری آہِ سرد کو سنتا بھی تھا (اس میں میرے مقدمۂ ثانیہ کو مانا گیا ہے) اور میں یہ بھی کر سکتا ہوں کہ تمکو اپنے وصال کی طرف رہنمائی کروں اور تمہیں آنے کے لئے راستہ دیدوں تاکہ تم گردش زمانہ کے طوفان سے نجات پا جاؤ اور میرے گنجِ وصال پر پہونچ جاؤ (اس میں میرے مقدمۂ ثالثہ کو تصریحًا اور رابعہ کو اشارۃً تسلیم کیا ہے) (لیکن کسی قدر تاخیر کے بعد کیونکہ قاعدہ ہے کہ گھر کا مزہ اور اُس کی لذّت اُسی قدر حاصل ہوتی ہے جس قدر کہ سفر میں تکلیف اُٹھائی ہو اور تمکو اپنے بال بچوں اور عزیز و اقارب سے مل کر لطف تام اُسی وقت حاصل ہوتا ہے

جب کہ سفر میں بہت کچھ تکلیفیں اور زحمتیں اُٹھانی پڑیں - اس مضمون میں ایک مقدمۂ خامسہ بتلایا ہے اور میرے تمام مقدمات کو تسلیم کر کے اسی مقدمۂ خامسہ سے شبہہ کا جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم حکیم بھی ہیں اور ہمارے کام مصلحت سے ہوتے ہیں اس توقف میں یہ مصلحت ہے کہ جب تمھیں ہمارا وصال نصیب ہو تو تمھیں اس کی قدر ہو۔"

اُسی زمانہ میں جبکہ یہ کیفیت زور پر تھی ایک بار حضرت والا عید کے موقع پر وطن تشریف لائے ہوئے تھے بعد نماز عید حسب عادت اہل قصبہ درگاہ شاہ ولایت صاحب میں بموجودگی مجمع عام بغرض فاتحہ حاضر ہوئے - وہاں سب کے سامنے ایک صاحب نے حضرت والا پر اعتراض کیا کہ آپ کو اپنے ماموں پیر جی امداد علی صاحب رح سے رجوع نہ کرنا چاہئے تھا - یہ آپ نے اپنی شان علمی کے خلاف کیا - کیونکہ پیر جی صاحب رح کی حالت بے تکلّف شریعت پر منطبق نہیں - حضرت والا بجائے اس اعتراض کے جواب دینے اور قیل وقال کرنے کے سارے مجمع کے سامنے معترض کے قدموں پر گر پڑے اور قطع نزاع کے لیئے اعتراف قصور کر لیا اور فرمایا کہ ہاں صاحب ہاں میں واقعی سرتاپا قصور و خطا ہوں خدا کیلئے معاف کیجئے قیل وقال نہ کیجئے بس رہنے دیجئے میں خود ہی تسلیم کرتا ہوں کہ میں اُس سے بھی زیادہ بُرا ہوں جتنا آپ مجھے سمجھ رہے ہیں - اھ - اس واقعہ سے غلبۂ عبدیت اور قیل وقال سے نفرت و وحشت کا جو کچھ اثبات ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔

اُسی زمانۂ جوش وخروش میں حضرت والا نے رہنے کا ایک مکان بمقام تھانہ بھون تعمیر کرایا تو بوجہ اس کے کہ شانِ ترک بہت بڑھی ہوئی تھی یہ تجویز کیا کہ تعمیر پر لفظ "خانۂ آزاد" کندہ کرایا جائے لیکن جناب پیر جی صاحب رح نے اس بنا پر منع فرمادیا کہ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا اس میں ایک نمائش اور شہرت کی سی صورت ہے - اھ۔

ان سب واقعات سے بہ آسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اُس زمانہ میں حضرت والا پر کس درجہ قوی حال طاری تھا - اس موقع پر حضرت والا کا اُسی زمانہ کا تصنیف کیا ہوا ایک نہایت پُر کیف شعر یاد آیا جو نقل کیا جاتا ہے کیونکہ وہ حضرت والا کی اُسوقت کی کیفیت طلبیہ اور جوش طلب کا گویا آئینہ ہے وہ شعر یہ ہے ؎

حیرت اندر حیرت اندر حیرت است اندریں رہ انچہ می آید بدست

اُس زمانہ میں اشعار عشقیہ اکثر وبیشتر نہایت مضطربانہ انداز سے وردِ زبان رہتے تھے بالخصوص اشعار ذیل میں جو اس کیفیت پر نہایت منطبق اور دال اور بالکل حسب حال تھے۔

(از حضرت حافظ شیرازی رح)

اے بادشہ خوباں داد از غم تنہائی | دل بے تو بجاں آمد وقت ست کہ باز آئی
اے درد توام درماں در بستر ناکامی | وے یاد توام مونس در گوشہ تنہائی

(از حضرت امیر خسرو رح)

حیراں شدہ ام در آرزویت | اے چشم جہانیاں بسویت
مائیم و تحیر و خموشی | آفاق ہمہ بگفتگویت
خسرو بکمند تو اسیر ست | بیچارہ کجا رود ز کویت

جیسا کہ پہلے بہ تفصیل بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ اضطراب بہت پر لطف اضطراب تھا کیونکہ اس کا منشا حسب ارشاد حضرت والا عجلت طلب مع الرجا اور شوق مطلوب مقرون بامید کامیابی تھا۔ پریشانی تو تھی لیکن وحشت نہ تھی محبوب پریشانی تھی کیونکہ ذوق وشوق کی پریشانی تھی جس میں اس درجہ لذت تھی کہ حضرت والا فرماتے ہیں یہ جی چاہتا تھا سب کی یہی حالت ہو جائے اس سے حضرت والا کی غایت شفقت علی الخلق اور حرص اشاعت طریق جو لوازم مشیخت سے ہے ثابت ہوتی ہے ورنہ ناقصین اپنی دولت باطنی میں کب کسی دوسرے کی شرکت گوارا کرتے ہیں۔

غرض جب حضرت والا کی کیفیت شوقیہ حد سے زیادہ بڑھی اور اپنے ماموں پیر جی امداد علی صاحب رح کی بھی تدابیر سے بجائے افاقہ و تسلّی پریشانی و اضطراب میں اور اضافہ ہوتا چلا گیا تب تو بہت گھبرائے اور خاص طور سے اپنے اصل دستگیر حضرت حاجی صاحب رح کی خدمت میں عریضہ لکھا جس میں پیر جی صاحب رح سے رجوع کرنے کا بھی حال صاف صاف درج کر دیا کیونکہ بالکل نیک نیتی اور طلب صادق کی بناء پر رجوع کیا تھا بلکہ نہایت سادگی کے ساتھ اپنے لئے پیر جی صاحب رح کی خدمت میں آتے جاتے رہنے کی خود حضرت حاجی صاحب رح سے بھی اجازت طلب کی کیونکہ حضرت حاجی صاحب رح سے خط وکتابت کرنے کے لئے بوجہ بُعد مکانی بہت طویل مدت درکار ہوتی تھی اور یہاں عجلت طلب اور پے در پے تغیرات احوال کا یہ مقتضا رہتا کہ جلد جلد عرض حال کیا جائے اور جہاں کہیں سے بھی ممکن ہو جلد سے جلد مقصود حاصل کیا جائے۔ پھر خود حضرت حاجی صاحب رح کا یہ اُصولی ملفوظ بھی سنے ہوئے تھے کہ فرمایا کہ سب صاحب سُن لیں۔ میں اپنا بندہ نہیں بنانا چاہتا۔ خدا کا بندہ بنانا چاہتا ہوں کیونکہ خدا مقصود ہے شیخ مقصود نہیں۔ میرے پاس جو کچھ تھا وہ حاضر کر دیا اگر اس سے زیادہ کی طلب ہو تو میری طرف سے عام اجازت ہے جہاں سے چاہیں مقصود حاصل کریں اور اگر کسی دوسرے شیخ سے بیعت کی ضرورت ہو تو بیعت کی

بھی اجازت ہے اھ۔

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے اُس زمانہ میں بہت ہی زیادہ شوقِ طلب عارض تھا اور گو میں نے اپنے ذہن میں یہ طے کر رکھا تھا کہ اخیر میں اپنے حضرات ہی سے بالخصوص ہندوستان میں حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز سے رجوع کروں گا لیکن اس احتمال پر کہ شاید کوئی خاص دولت اور جگہ بھی ہو تو لاؤ اُسے بھی حاصل کرلیں اور یہ حضرات تو اپنے ہیں ہی ان سے تو آخر میں بہرحال رجوع کرنا ہے ہی اور اگر اپنے حضرات سے پہلے رجوع کرلیا تو پھر کسی دوسرے سے رجوع کرنا باعث بے ادبی ہوگا۔

غرض جب ان پریشان حالات کا خط حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں پہونچا تو شفقت ملاحظہ فرمائے۔ جواب لانے والے صاحب نے حضرت والا سے واپس آکر بیان کیا کہ جس وقت آپ کا خط پہونچا ہے تو اُس کو پڑھ کر حضرت حاجی صاحب رہ گھبرائے ہوئے کبھی گھر کے اندر تشریف لیجاتے کبھی باہر تشریف لاتے اور بار بار فرماتے کہ جوان آدمی ہیں غلبہ ہوگیا ہے تحمل نہیں ہوسکا مگر میں تو اتنی دور ہوں کیا کروں اھ اسپر اُن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں جلدی ہی جانیوالا ہوں۔ یہ سنکر حضرت حاجی صاحب رہ خوش ہوگئے اور اس خط کا جواب لکھوا کر انھیں صاحب کے ہاتھ بھیجا اور زبانی کہلا بھیجا کہ جبتک تمھارا یہ خادم زندہ ہے کیوں کسی دوسرے کی طرف رجوع کرتے ہو حضرت والا نے جب کانپور میں اُن کی آمد سنی تو لُو دھوپ میں عین دوپہر کو گویا حضرت حافظ علیہ الرحمۃ کے یہ اشعار بزبان حال پڑھتے ہوئے اُن کے پاس بیتابانہ پہونچے ؎

اے صبا نکہتے از خاکِ درِ یار بیار	ببر اندوہ دل و مژدۂ دلدار بیار
نکتۂ روح فزا از دہنِ یار بگوئے	نامۂ خوشخبر از عالمِ اسرار بیار
تا معطر کنم از لطفِ نسیمِ تو مشام	شمۂ از نفحاتِ نفسِ یار بیار
روزگاریست کہ دل چہرۂ مقصود ندید	ساقیا آں قدحِ آئینہ کردار بیار
کامِ جاں تلخ شد از صبر کہ کردم بے دوست	عشوۂ زاں لبِ شیرین شکر بار بیار
دلِ دیوانہ ز زنجیر نمی آید باز	حلقۂ از خمِ آں طرۂ طرار بیار

یہ اشعار حضرت حاجی صاحب رہ کے اس زبانی پیغام کے مناسب ہیں کہ جب تک تمھارا یہ خادم زندہ ہے کیوں کسی دوسرے کی طرف رجوع کرتے ہو۔

دیگر

اے صبا نکہتے از کوئے فلانے بمن آر | زار و بیمار غمم راحتِ جانے بمن آر
قلب بیحاصل ما را بزن اکسیر مراد | یعنی از خاکِ در دوست نشانے بمن آر
در غریبی و فراق و غمِ دل پیر شدم | ساغرِ می ز کفِ تازہ جوانے بمن آر

انھوں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کرامت نامہ دیا اور زبانی پیغام بھی نقل کیا اور پھر یہ اشعار صادق آنے لگے ؎

بحمد اللہ چہ راحت یافت جانِ بیقرار من | کہ آمد ناگہاں نامہ زسوئے شہر یار من
بایں شکرانہ بر دیدہ نہادم پائے قاصد را | کہ از نامہ منور کرد چشمِ انتظار من

حضرت والا فرماتے ہیں کہ قبل ظہر انھوں نے حضرت کا مجھے یہ پیغام سنایا تھا بس سنتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے دہکتے ہوئے تنور پر کسی نے بھری ہوئی مشک چھوڑ دی ہے اور جلتے ہوئے سینہ پر برف کا ٹکڑا رکھ دیا ہو عصر تک نصف سے بھی کم پریشانی رہ گئی اور مغرب تک تو بس بالکل مطلع صاف تھا۔ پریشانی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ پھر میں نے صبح کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عریضہ لکھا جس کی پیشانی پر حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار حسب حال لکھے ؎

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند | واندراں ظلمتِ شب آب حیاتم دادند
کیمیائیست عجب بندگیٔ پیر مغاں | خاک او گشتم و چندیں درجاتم دادند

اور حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بھی لکھا ؎

دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست | دستِ او جز قبضۂ اللہ نیست۔ اھ

اسی زمانہ میں حضرت والا نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں بھی اس طرح دیکھا کہ پیر جی[1] کے متعلق فرما رہے ہیں کہ ان کے پاس نہ بیٹھا کرو خارش ہو جائے گی اھ یہ بھی غیبی دستگیری تھی۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو مذکورۂ بالا پیغام زبانی دیتے وقت حضرت والا کے عریضۂ حالات کا جواب باصواب تحریر فرما کر دستی حوالہ فرمایا تھا اُس کے بعض خاص خاص فقرات کی نقل بھی حسب وعدہ درج کی جاتی ہے۔ یہ مکتوب مجموعۂ مکتوبات امدادیہ کا تیئیسواں[۲۳] مکتوب ہے۔ حضرت حاجی صاحب اپنے اس مکتوب بہجت اسلوب میں حضرت والا کو تحریر فرماتے ہیں۔

" بعد دعوات زائد ذوق و شوق مع الجمعیت و انشراح و انبساط خاطر واضح باد۔ خطِ آں عزیز رسید کیفیت حالات معلوم شد۔ نوشتہ بودند کہ از تدبیر (پیر جی صاحب رح) قدرے افاقہ دست دادہ است اینچنیں افاقہ ظنی و مستعار است قیام بذیر نیست و برفتن نزد صاحب موصوف اجازت

طلبیدہ بودند از طرف فقیر اجازت است اما اوراد و اشغال مختلف بحالت تلوین ہم زیان است زیرا کہ اثر ہر یک جداگانہ است۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است بدانکہ باعث تفرقہ و تشویشات خاطر بچند وجہ فرمودہ اند الی قولہ ایں علاج در ضیاء القلوب از صفحہ ۴۹ تا صفحہ ۵۵ مرقوم است بعمل آرند ان شاء اللہ تعالیٰ طبیعت صلاح و فلاح پذیر خواہد شد خاطر جمع دارند۔ ثم الی قولہ باقی حالات اینجانب زبانی مولوی عبد الرزاق صاحب معلوم خواہد شد ...... فقط ۱۳۱۳ھ غالباً

یہ مکتوب راحۃ القلوب بڑے بڑے نادر حقائقِ طریق و رفع تشاویشِ خاطر کی بڑی بڑی نافع تدابیر انیق سے مملو تھا۔ لیکن جو اس والا نامہ فیض شمامہ کی روح تھی وہ حضرت کاتب یعنی حضرت حاجی صاحبؒ کی قلبی دعا و توجہ تھی چنانچہ حضرت والا فرماتے ہیں کہ تدابیر مرقومۂ مکتوب کے استعمال کی ضرورت ہی واقع نہ ہوئی۔ پیغام زبانی سنتے ہی اور خط پڑھتے ہی تسلی ہو گئی اور (جیسا اوپر بیان کیا گیا) مغرب تک بالکل مطلع صاف تھا۔ پریشانی کا نام و نشان بھی نہ رہا کامل سکون ہو گیا اھ۔ احقر مؤلف عرض کرتا ہو کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی یہ مرقومۂ بالا بشارت کہ "ان شاء اللہ تعالیٰ طبیعت صلاح و فلاح پذیر خواہد شد خاطر جمع دارند" اللہ تعالیٰ نے اتنی جلد پوری فرما دی کہ برسوں کی پریشانی گھنٹوں میں ختم ہو گئی اور امداد غیبی نے حضرت والا کو گرداب تحیّر و توحش سے نکال کر دفعۃً ساحل سلامت و سکون پر لا کھڑا کیا

اپنے ماموں صاحب سے رجوع کرنے کے متعلق حضرت والا نے جو معذرت نامہ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں بزبان عربی تحریر فرمایا تھا اس میں اپنی معذوری کی تفصیل بہت مؤثر الفاظ میں درج فرمائی ہے۔ اُس کے اُس حصہ کا اقتباس جس میں کیفیت اضطرابیہ والتہابیہ کے عارض ہونے کا حال مسطور ہے اپنے موقع پر نقل کیا جا چکا ہے۔ اب یہ موقع اُس کے اُس حصہ کے اقتباس کو نقل کرنے کا ہے جس میں حضرت والا نے خود اپنے قلم مبارک سے کیفیت اضطرابیہ مذکورہ کے مبدل بہ سکون ہونے کا تذکرہ ارقام فرمایا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

"...... ثم لما ساعد لی الجد بلثم تراب نعلیۃ وحضرت لدیہ وجددت الارادۃ لیکون لما عسی ان یکون فات اعادۃ فلما رجعت ازددت ظماء واکاد حسب السراب ماء ودرایتنی لا ازداد الا حیرۃ ووحشۃ وضیقا ودھشۃ کتبت الی حبیبی ما وقع من الحال وناديت بالبلبال ؎

یا مرشدی یا موئلی یا مفزعی — یا ملجائی فی مبدئی ومعادی
ارحم علی ایا غیاث فلیس لی — کھفی سوی احبیکم من زاد

فاذالا نام بکم وانی ھائم فانظر الیّ برحمۃ یاھاد

یاسیدی للہ شیئا انہ انتم لی المجدی وانی جادی

فعذرنی ونصرنی وقال حبا وکرامہ + واقامنی علی ساحل السّلامۃ فترنمت شوقاً وتمنیت ذوقاً

ذوقاً ای قرأت ۱۲

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند واندراں ظلمتِ شب آبِ حیاتم دادند

کیمیائیست عجب بندگیٔ پیرِ مغاں خاک اوگشتم وچندیں درجاتم دادند

۵

قد لسعت حیۃ الھوی کبدی فلا طبیب لھا ولا راقی

الا الحبیب الذی شغفت بہ فعندہ رقیتی وتریاقی

غرض بعون اللہ تعالےٰ حضرت والا اپنے مرشد برحق کی دعا و توجہ کی برکت سے اس گھاٹی سے پار ہو گئے اور حسب ارشاد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُسی وقت سے اپنے ماموں صاحبؒ سے علیحدگی اختیار فرمالی اور گو اس انقطاع تعلق کی پیر جی صاحبؒ کو اطلاع کرنا حضرت والا کو بربناءِ غایت ادب وحسن ظن و امکان تاویل گراں تھا اور اس میں بے ادبی محسوس فرماتے تھے لیکن شریعت کے مقابلہ میں طبیعت کو مردانہ وار مغلوب فرما کر بمقتضائے ضرورت شرعیہ جناب پیر جی صاحبؒ کی خدمت میں نہایت ادب کے ساتھ ایک تبلیغی عریضہ لکھا اور آئندہ تعلق استفاضہ و استفادۂ باطنی رکھنے سے بربنا رشریعت مقدسہ صاف عذر فرما دیا۔ نیز بحیثیت مقتدائیت بمصلحت حفظ عوام باوجود قرابت قریبۂ خاصہ آمد و رفت بھی ترک فرما دی۔ لیکن ادب ہمیشہ غائبانہ بھی غایت درجہ ملحوظ خاطر رکھا اور اب تک نہایت ادب ومحبت وحسن ظن کے ساتھ جناب پیر جی صاحب رحمہ کے حالات اور حکمت آمیز کلمات اکثر لطف لے لیکر بیان فرمایا کرتے ہیں اور جناب پیر جی صاحب رحمہ نے بھی ہمیشہ حضرت والا کے ساتھ حسن ظن اور محبت غائبانہ رکھی یہاں تک کہ ایک موقع پر جب کسی خادم نے حضرت والا کے اس قطع تعلق کی شکایت پیر جی صاحب رحمہ سے کی تو انھوں نے سختی کے ساتھ روک دیا اور فرمایا کہ میری اور بات ہے میرا تو وہ لڑکا ہے میں تو یہ سمجھتا ہوں جیسے بچپن میں کبھی اُس نے مجھ پر پیشاب بھی کر دیا ہو گا اور کبھی میں نے اُس کو ایک آدھ طمانچہ بھی مار دیا ہو گا ویسے ہی اب ہوا سہی۔ لیکن کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اُسکو کچھ کہے۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ مجھے خود ماموں صاحب کے ایک مرید نے اُن کا خط دکھایا اُس میں لکھا تھا کہ بوجہ اختلاف مشرب فلاں شخص (یعنی حضرت والا) کی صحبت میں بیٹھنا تو مناسب نہیں لیکن بے ادبی کبھی نہ کرنا وہ اپنا کار منصبی کر رہا ہے جو شریعت کی رو سے اُسپر واجب ہے اھ بمعناہ

علاوہ اس غائبانہ اظہار تعلق و محبت کے خود حضرت والا کو بعد اس قطع تعلق کے بھی خط میں لکھ کر بھیجا تھا کہ مجھے ایک چیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سینہ بسینہ بطور امانت پہونچی تھی۔ تم جوان صالح تھے اور اس امانت کے اہل تھے میں نے تمہیں وہ امانت دینی چاہی تھی لیکن تم نے لینا ہی نہ چاہا اگر اب بھی لینا چاہو تو میں اب بھی وہ امانت تمہیں دینے کے لئے تیار ہوں اھ۔ حضرت والا نے جواب میں لکھ بھیجا کہ اگر وہ چیز شریعت کے موافق ہے تو میں لینے کے لئے حاضر ہوں لیکن اگر سر مو بھی شریعت کے خلاف ہے تو مجھے اُس سے معاف رکھیں۔

غرض حضرت والا نے بضرورت شرعیہ جناب پیر جی صاحب رح سے نہایت ادب اور حسن و خوبی کے ساتھ علیحدگی اختیار فرمائی۔ جس سے حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز بھی جن سے اس معاملہ میں خط و کتابت ہو رہی تھی بہت مسرور ہوئے اور بہت تحسین فرمائی اس خط و کتابت کا خلاصہ اوپر گذر چکا ہے جو کہ ایک جزو ہے اس مکاتبت کا اُسی کا دوسرا جزو مسئلہ مولود شریف کی تحقیق بھی ہے جس کا خلاصہ خود حضرت والا کے قلم مبارک کا لکھا ہوا یادیاراں تذکرہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مصنفہ حضرت والا سے نقل کیا جاتا ہے وہ اقتباس یہ ہے۔

"میں مدت تک مسائل اختلافیہ میں اہل الحق و اہل البدعۃ کے متعلق باوجود صحت عقیدہ کے (والحمدللہ) ایک غلطی میں مبتلا رہا اور اُس غلطی پر بہت سے خیالات اور بہت سے اعمال متفرع رہے۔ یعنی بعض اعمال رسمیہ مثل مجلس متعارف میلاد شریف و امثالہ سے جو محققین بعض مفاسد کی وجہ سے عوام الناس کو مطلقاً اور اُن عوام الناس کے ساتھ خواص کو بھی روکتے ہیں اُن مفاسد کو تو میں ہمیشہ مذموم اور اُن کے مباشر کو ہمیشہ ملوم سمجھتا تھا اور یہ صحت عقیدہ کی تھی اور عوام الناس کو ہمیشہ ان مفاسد پر متنبہ اور مطلع کرتا رہتا تھا لیکن یہ بات میرے خیال میں جم رہی تھی کہ علت نہی کی وہ مفاسد ہیں جہاں علت نہ ہوگی معلول بھی نہ ہوگا۔ پس خواص جو کہ اُن مفاسد سے مبرا ہیں اُنکو روکنے کی ضرورت نہیں اور اسی طرح عوام کو بھی علی الاطلاق روکنے کی حاجت نہیں بلکہ اُنکو نفس اعمال کی اجازت دے کر اُن کے اُن مفاسد کی اصلاح کر دینا چاہئے بلکہ اس اجازت دینے میں یہ ترجیح اور مصلحت سمجھتا تھا کہ اس طریق سے تو عقیدہ کی بھی اصلاح ہو جائے گی جس کا فساد مدار نہی ہے اور بالکل منع کر دینے میں عوام مخالف سمجھیں گے اور عقیدہ کی اصلاح بھی نہ ہوگی۔

ایک مدت اس حالت میں گذر گئی اور باوجود دائمی درس و تدریس فقہ و حدیث وغیرہما کے کبھی ذہن کو اس کے خلاف کی طرف انتقال والتفات نہیں ہوا حضرت قدس اللہ سرہ کا شکریہ کس زبان سے

ادا کروں کہ خود ہی غایت رافت وشفقت سے مولوی منور علی صاحب دربھنگوی مرحوم سے اس امر میں میری نسبت تاسف ظاہر فرمایا اور اُسی غلطی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ بھی واقع ہوا تھا کہ بعضے درویشوں سے جن کی حالت کا انطباق شریعت پر تکلف سے خالی نہ تھا میں نے بہ خیال خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدِرَ بعض اذکار واشغال کی تلقین بھی حاصل کرلی تھی اور آمد ورفت وصحبت کا بھی اتفاق ہوتا تھا اور لزوم مفاسد کی نسبت وہی خیال تھا کہ خواص کے عقائد خود درست ہوتے ہیں وہاں مفسدہ لازم نہیں اور عوام کو حق و باطل پر تقریراً متنبہ کرتے رہنا دفع مفسدہ کے لئے کافی ہے سو حضرت رہ نے خصوصیت کے ساتھ اسپر بھی تاسف ظاہر فرمایا اور غایت کرم یہ قابل ملاحظہ ہے کہ جیسا حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غایت کرم وحیا سے بالمشافہہ کسی پر عتاب نہ فرماتے تھے اسی طرح حضرت قدس سرہ نے باوجود حاضری کرۃً بعد مرۃٍ کے بالمشافہہ کبھی اس سے تعرض نہیں فرمایا اور اس سے زیادہ لطف وکرم یہ کہ اگر کبھی کسی نے اعتراض کیا تو میرے فعل کی تاویل اور اُس کو محمل حسن پر محمول فرمایا اور اُسی غلطی کی ایک فرع یہ بھی کہ حضرت پیرو مرشد قبلہ وکعبہ حاجی صاحب رہ نے ایک تقریر در باب ممانعت تنازع واختلاف مسائل معہودہ میں اجمالاً ارشاد فرمائی اور مجکو اُس کی تفصیل کا حکم دیا چونکہ میرے ذہن میں وہی خیال جما ہوا تھا اُس کی تفصیل بھی اسی کے موافق عنوان سے حیز تحریر میں لایا اور حضرت حاجی صاحب رہ کے حضور میں اُس کو سنایا۔

چونکہ حضرت رہ کو بوجہ لزوم خلوت وقلت اختلاط مع العوام وبنا بر غلبہ حُسن ظن عوام کی حالت اور جہالت اور ضلالت پر پورا التفات نہ تھا لامحالہ اس مفصل تقریر کو پسند فرمایا اور کہیں کہیں اُس میں اصلاح وکمی بیشی بھی فرمائی اور ہر چند کہ وہ عنوان میرا تھا مگر چونکہ اصل مضمون حضرت رہ نے ازخود ارشاد فرما کر قلمبند کرنے کا حکم دیا تھا لہذا حضرت رہ نے اُس تقریر کو اپنی ہی طرف سے لکھوایا اور خود اپنے دستخط ومُہر سے مزین فرمایا اور اپنی ہی طرف سے اشاعت کی اجازت دی جو بعنوان "فیصلہ ہفت مسئلہ" شائع کردیا گیا جس کو بعضے کم سمجھوں نے اپنی بدعات کا مؤید سمجھا واَنّٰی لھم ذالک کیونکہ اُن مفاسد کا اُس میں صراحۃً رد ہے صرف خوش عقیدہ خوش فہم لوگوں کو البتہ رخصت و وسعت اُس میں مذکور ہے جس کا مبنیٰ وہی خیال مذکور ہے کہ عوام کے مفاسد کا خواص پر کیوں اثر پڑے غرضکہ حضرت قدس اللہ سرہٗ نے ان سب کے متعلق مولوی منور علی صاحب سے تذکرہ فرمایا مولوی صاحب نے مجھ سے ذکر کیا تو حضرت کے قوت فیضان سے اجمالاً تو مجکو فوراً اپنی غلطی پر تنبہ ہوگیا لیکن زیادہ بصیرت کیلئے میں نے اس بارہ میں مکاتبت کی بھی ضرورت سمجھی چنانچہ چند بار جانبین سے تحریرات ہوئیں اور وہ تحریرات سوانح میں چھپ چکی ہیں

بالجملہ نتیجہ یہ ہوا کہ مجھکو بصیرت و تحقیق کے ساتھ اپنی غلطی پر بفضلہ تعالےٰ اطلاع ہو گئی اور اس پر اطلاع ہونے سے ایک باب عظیم علم کا جو کہ مدت تک مغلق تھا مفتوح ہو گیا جس کا ملخص یہ ہے کہ مدار نہی فی الواقع فساد عقیدہ ہی ہے لیکن فساد عقیدہ عام ہے خواہ فاعل اسکا مباشر ہو خواہ اس کا سبب ہو پس فاعل اگر جاہل عامی ہے تو خود اسی کا عقیدہ فاسد ہو گا اور اگر وہ خواص میں سے ہے تو گو وہ خود صحیح العقیدہ ہو مگر اُس کے سبب سے دوسرے عوام کا عقیدہ فاسد ہو گا اور فساد کا سبب بننا بھی ممنوع ہے اور گو تقریر سے اس فساد پر تنبیہ عوام کی ممکن ہے مگر کل عوام کی اس سے اصلاح نہیں ہوتی اور نہ سب تک اس کی تقریر پہونچتی ہے پس اگر کسی عامی نے اس خاص کا فاعل ہونا تو سُنا اور اصلاح کا مضمون اُس تک نہ پہونچا تو یہ شخص اُس عامی کے ضلال کا سبب بن گیا اور ظاہر ہے کہ اگر ایک کی ضلالت کا بھی کوئی شخص سبب بن جائے تو بُرا ہے اور ہر چند کہ بعض مصلحتیں بھی فعل میں ہوں لیکن قاعدہ یہ ہو کہ جس فعل میں مصلحت اور مفسدہ دونوں مجتمع ہوں اور وہ فعل شرعاً مطلوب بالذات نہ ہو وہاں اُس فعل ہی کو ترک کر دیا جائے گا پس اس قاعدہ کی بنا پر اُن مصلحتوں کی تحصیل کا اہتمام نہ کریں گے بلکہ اُن مفاسد سے احتراز کے لئے اُس فعل کو ترک کر دیں گے البتہ جو فعل ضروری ہے اور اُس میں مفاسد پیش آویں وہاں اُس فعل کو ترک نہ کریں گے بلکہ حتی الامکان اُن مفاسد کی اصلاح کیجائے گی چنانچہ احادیث نبویہ و مسائل فقہیہ سے یہ سب احکام و قواعد ظاہر ہیں ماہر پر مخفی نہیں اُن میں سے کسی قدر رسالہ اصلاح الرسوم میں بندہ نے لکھ بھی دیا ہے جب میرے اس خیال کی اصلاح ہو گئی تو اُس کے سب فروع و آثار کی اصلاح بفضلہ تعالےٰ ہو گئی چنانچہ خلاف شریعت درویشوں کی صحبت و تلقی سے بھی نجات ہو ئی اور فیصلہ ہفت مسئلہ کے متعلق بھی ایک ضروری ضمیمہ لکھ کر شائع کر دیا گیا جس سے اُس کے متعلق اہل افراط و تفریط کے سب اوہام کو رفع کر دیا گیا ہے۔ انتہیٰ الاقتباس۔

ناظرین کو حضرت والا کے مختلف تغیرات و تقلبات حالات باطنیہ سے جو ابتک معرض بیان میں آئے یہ بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہر تغیر اپنی شان خاص کے اعتبار سے درجہ میں بمقابلہ حال ماسبق کے کہیں زیادہ بلند پایہ تھا جیسا موقع بہ موقع اُس کو مبرہن بھی کیا جاتا رہا ہے۔ اس جگہ حضرت والا ہی کا ایک ملفوظ شریف یاد آیا۔ ارشاد فرمایا کہ اس طریق میں ہر کیفیت ماسبق سے ارفع ہوتی ہے مثلاً اگر بسط کے بعد قبض لاحق حال ہوا تو یہ قبض اُس بسط سے ارفع ہو گا اور اگر اس قبض کے بعد پھر بسط ہو گا تو یہ بسط اُس قبض سے بھی نیز پہلے بسط سے بھی ارفع ہو گا وعلیٰ ہذا۔ یہی فرق مراتب حضرت والا کے احوال رفیعہ میں رہا چنانچہ اپنے پیر و مرشد کی خدمت سراپا برکت میں

قیام سے قبل اُس کیفیت کا ورود ہوا جس کو اصطلاح صوفیہ میں شوق کہتے ہیں خدمت پیرومرشد میں پہونچکر وہ شوق مبدل بہ اُنس ہوگیا اور یہ اُنس اُس شوق سے ارفع تھا۔ واپسی پر پھر شوق کا ورود ہوا جو اُس اُنس اور اُس پچھلے شوق سے بھی ارفع تھا۔ اس کے بعد اب پھر بہ توجہاتِ حضرت حاجی صاحب رح شوق مبدل بہ اُنس ہوگیا۔ جیسا ابھی بہ تفصیل بیان کیا جاچکا ہے۔ اس اُنس مع اللہ کی شان ساری کیفیات ماسبق سے ارفع واعلیٰ تھی جسکا لازمی اثر بقول مشہور یہ ظہور پذیر ہوا "ہر کہ از حق اُنس گیرد از خلق وحشت گیرد" اور جس کا حسب ارشاد حضرت مولانا رومی یہ نتیجہ ہوا ؎

تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند — از ہمہ کارِ جہاں بیکار ماند

چنانچہ رفتہ رفتہ حضرت والا کو تعلقات سے وحشت شروع ہوئی اور گو جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے اسی قسم کی وحشت قبل قیام مکہ معظمہ بھی ایک بار لاحق ہوئی تھی لیکن چونکہ وہ زمانہ تلوین کا تھا اور یہ کیفیت بھی تلوین ہی سے ناشی تھی اور راسخ نہ تھی اور اس لئے حضرت حاجی صاحب رہنے اجازت چاہنے پر اُسوقت بھی حضرت والا کو ترک تعلق کی اجازت نہ دی تھی اور اب کی بار کی وحشت عن الخلق تمکین سے ناشی تھی اس لئے راسخ بھی تھی اور برو قت بھی تھی یہ بھلا کیونکر فرو ہوسکتی تھی (اور اس وحشت کے عروض سے حضرت حاجی صاحب رح کے اس ارشاد کے ظہور کا وقت آگیا جو فرمایا تھا کہ جب کانپور سے دل برداشتہ ہو تو تھانہ بھون جا بیٹھنا)

چنانچہ اُنس مع اللہ کے ساتھ وحشت عن الخلق بھی یوماً فیوماً ترقی کرتی چلی گئی یہانتک کہ حضرت والا کو کانپور جیسے محبوب مقام اور درس و تدریس جیسے دیرینہ دلچسپ شغل سے بھی متوحش کردیا۔ کیونکہ یہ وہ وقت تھا کہ اب حضرت والا کو ہر طرح کامل و مکمل بنا کر خالص افاضۂ باطنی ہی کے لئے منجانب اللہ وقف فرمادیا گیا تھا۔

غرض وہ کوئی بہت ہی قوی جذبۂ غیبی تھا جس نے حضرت والا کو کانپور سے دل برداشتہ کردیا۔ حالانکہ حضرت والا کو کانپور اسدرجہ محبوب تھا کہ جب حضرت حاجی صاحب رح نے حضرت والا کو رخصت کرتے وقت یہ وصیت فرمائی تھی کہ اگر کبھی کانپور کے تعلق سے دل برداشتہ ہو تو پھر دوسری جگہ تعلق نہ کرنا توکلاً علی اللہ تھانہ بھون جاکر بیٹھ جانا اُس وقت حضرت والا کو تعجب ہوا تھا کہ حضرت یہ کیوں فرمارہے ہیں میرا دل بھلا کانپور سے کیوں برداشتہ ہونے لگا۔ مجھے تو وہاں کے لوگوں کی محبت اور برتاؤ نے اس قدر مانوس کردیا ہے کہ میں نے کانپور کو ہمیشہ کے لئے اپنا وطن ہی بنا لینا تجویز کرلیا ہے۔ اور دل برداشتگی کی قید کو غنیمت سمجھ کر اپنے دل میں کہا کہ حضرت نے

بہت اچھی قید لگادی نہ میرا دل کبھی کانپور سے برداشتہ ہوگا نہ ترک کانپور کی نوبت آئے گی لیکن ؎

توچنیں خواہی خدا خواہد چنیں　　　　میدہد یزداں مراد متقیں

کا ظہور تو بالضرور ہونا ہی تھا اور اللہ تعالے کو تو اب حضرت والا سے کام ہی اور لینا تھا یعنی حضرت حاجی صاحب رح کا بہمہ وجوہ قائم مقام اور جانشین خاص بناکر قدیم خانقاہ امدادیہ واقع تھانہ بھون کو جو حضرت حاجی صاحب رح کی موجودگی میں مشائخ کے طبقہ میں دکان معرفت کے لقب سے یاد کیجاتی تھی از سر نو آباد کرانا اور اُس دکان معرفت کو پھر وہی رونق اور گرم بازاری بخشنا اور اس مرکز پر بٹھلاکر علوم و معارف امدادیہ سے اکناف عالم کو بہرہ اندوز فرمانا - چنانچہ بفضلہ تعالے ایسا ہی ہوا اور اب اس خانقاہ پر بحمد اللہ تعالے دکان معرفت کا پرانا لقب پھر بالکل صادق آنے لگا اس مکرر آبادی خانقاہ کی یہی صورت ہوئی جو اسوقت بیان کی جارہی ہے -

غرض ۱۳۱۴ھ کے ختم پر حضرت والا شغل درس و تدریس اور تعلق کانپور کو یکقلم ترک کردینے پر بالکل آمادہ ہوگئے لیکن اہل کانپور سے جن کو حضرت والا کے حسن معاملہ حسن اخلاق حسن تعلیم اور حسن بیان نے انتہا درجہ کا گرویدہ کرلیا تھا پیچھا چھڑانا کوئی آسان کام نہ تھا - حضرت والا ان لوگوں سے بہت ہی حسن تدبیر اور بلیغ اہتمام اخفار کے ذریعہ عہدہ برآ ہوسکے ورنہ اگر حضرت والا کے قصد کی اُنھیں پہلے سے ذرا بھی اطلاع ہوجاتی تو ہرگز نہ آنے دیتے - سبحان اللہ اپنی خداداد خوش فہمی اور خوش سلیقگی سے ایسا نفیس طریق اختیار فرمایا اور اس خوبی سے مدرسہ کے تعلق ملازمت کو بتدریج ترک فرمایا کہ نہ اُس کے کسی انتظامی شعبہ میں مطلق خلل پیش آیا نہ ذرا تعلیمی حرج واقع ہوا جس کا حضرت والا کو سب سے زیادہ تردد تھا اور اس کی بڑی فکر تھی کہ میری علیحدگی سے مدرسہ کو کسی قسم کا نقصان پہونچے

چنانچہ حضرت والا نے اول تو یہ کیا کہ مدرسہ سے تنخواہ لینی بند کردی - لوگوں نے اسکی مخالفت کی کیونکہ اُنھیں شبہہ ہوا کہ جب تنخواہ نہ لیں گے تو مدرسہ سے کہیں تعلق کم نہ کردیں اور حضرت کے نقصان کا بھی خیال تھا مگر چونکہ اتفاقی طور پر اُس زمانہ میں مدرسہ کی آمدنی میں قلت ہوگئی تھی حضرت والا نے یہ کہکر اُنھیں مطمئن فرمادیا کہ مدرسہ کی آمدنی کم ہوگئی ہے اور مدرسہ پر سب سے زیادہ مؤنت اور بار میری ہی تنخواہ کا ہے یعنی پچاس روپیہ ماہوار کا اس لئے فی الحال جب تک مدرسہ کو کافی آمدنی نہ ہونے لگے گی میں اپنی تنخواہ نہ لوں گا - جب اسپر سب کی آمادگی ہوگئی تو پھر حضرت والا نے اسی طرح حسن تدبیر سے اپنے کو صدر مدرسی سے علیحدہ کرنا چاہا - اُس کی یہ صورت اختیار فرمائی کہ مدرسہ کی روئداد میں جو ماہوار شائع کیجاتی تھی یہ اعلان منجانب مہتمم شائع کیا کہ مدرسین کو بہت دن سے ترقیاں نہیں دی گئیں

لہذا مدرس اول یعنے خود حضرت والا کو تو سرپرست مدرسہ بنایا جاتا ہے اور اُن کی جگہ موجودہ مدرس دویم مولوی محمد اسحاق صاحب بردوانی کو مدرس اول مقرر کیا جاتا ہے اور اسی ترتیب سے سب مدرسین کو ترقی دیجاتی ہے اسپر بھی بعضوں کو شبہہ ہوا اور اس تجویز کی مخالفت کرنے لگے لیکن حضرت والا نے اُن کو بمصلحت اخفاء ڈانٹا کہ آپ لوگ میری ترقی اور میری سرپرستی کو پسند نہیں کرتے اسپر وہ بیچارے خاموش ہو گئے۔

اسباق کا یہ انتظام فرمایا کہ قریب الفراغ طلبہ کے اسباق یہ کہکر اپنے ذمہ لیلئے کہ ان کے اسباق مختلف اساتذہ کے پاس ہیں اور وہ زیادہ وقت نہیں دے سکتے اور ان کو زیادہ وقت کی ضرورت ہی تاکہ جلدی فارغ ہو سکیں اور میرے پاس وقت زیادہ ہے اس لئے ان کے اسباق مجتمعاً میں اپنے ذمہ رکھتا ہوں۔ اس سے حضرت والا کا مطلب یہ تھا کہ میرے چلے جانے سے کسی طالب علم کا مطلق حرج نہ ہو کیونکہ قریب الفراغ طلبہ کے اسباق سے تو بعد فراغ سبکدوشی ہو جائے گی اور پھر کوئی سبق میرے پاس نہ رہ جائے گا بقیہ طلبہ بدستور دیگر مدرسین سے پڑھتے رہیں گے اب رہا نشست کا انتظام اُس کی یہ صورت اختیار فرمائی کہ خود مسجد میں بیٹھکر درس دینے لگے اور وجہ یہ بیان کی کہ فارغین کی جماعت بڑی ہے اُن کے لئے مدرسہ کی درسگاہ تنگ ہے نیز چونکہ میں تنخواہ نہیں لیتا مجکو مسجد میں تعلیم دینا جائز ہے۔ لہذا میں تو مسجد میں پڑھاؤں گا اور میری درسگاہ میں مولوی محمد اسحاق صاحب بردوانی مدرس اول ہوکر پڑھائیں گے۔

غرض اس لطافت کے ساتھ مولوی محمد اسحاق صاحب کو ہر طرح مدرس اول اور بہمہ وجوہ اپنا قائم مقام بنا کر مدرسہ کو اُن کے سپرد کر دیا یہاں تک کہ جو بعض انتظامی امور مدرسہ خاص حضرت والا کے سپرد تھے اُن کو بھی کم فرصتی کا عذر ظاہر فرما کر مولوی صاحب ہی کے سپرد فرما دیا لیکن اس قید کے ساتھ کہ آخر میں نام میرا ہی لکھا جائے بقلم اپنے یہ قید اس لئے بڑھادی کہ لوگوں کو حضرت والا کے قصد قطع تعلق کا شبہہ نہ ہو اور پتہ نہ چل جائے۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف اسی طرح نام لکھنے لگے یعنی اشرف علی بقلم محمد اسحاق۔ اور حضرت والا کے ترک تعلق کے بعد بھی برسوں مولوی محمد اسحاق صاحب جب تک جامع العلوم میں مدرس رہے برابر اسی طرح جملہ کاغذات مدرسہ پر الفاظ اشرف علی بقلم محمد اسحاق لکھتے رہے جس کی برکت سے مدرسہ بفضلہ تعالےٰ حضرت والا کے ترک تعلق کے بعد بھی مدت دراز تک بحسن وخوبی چلتا رہا اور ابتک قائم ہے گو اب اُسکا رنگ متغیر ہو گیا ہے۔

جب حضرت والا کے طلبا فارغ التحصیل ہو گئے تو حضرت والا کے ذمہ کوئی سبق نہ رہا۔ لہذا

جیسا کہ سوچا تھا بہ آسانی یہ عذر پیش کر سکے کہ اتنی بڑی جماعت کو فارغ التحصیل کرنے میں مجھ کو مشقت بہت پڑی ہے جس سے تکان ہو گیا ہے لہذا اب مجھے کچھ دن آرام لینے کی ضرورت ہے۔ کوئی پابندی تو رہی نہ تھی کیونکہ تنخواہ لینا بند ہی کر چکے تھے لہذا آزادی کے ساتھ رخصت لیکر وطن تشریف لے آئے لیکن کسی کو قطع تعلق کے ارادہ کی مطلق اطلاع نہ ہونے دی ایک شخص نے البتہ تھانہ بھون سے وہاں کے ایک صاحب کو بذریعۂ خط اطلاع کر دی تھی کیونکہ حضرت والا نے بعض اہل وطن کو اپنے اس ارادہ سے قبل ترک تعلق ہی مطلع کر دیا تھا۔ لیکن جب اُن صاحب نے حضرت والا سے پوچھا کہ کیا یہ خبر صحیح ہے تو حضرت والا نے بغرض اخفا اُن کو ڈانٹا کہ کیا تم کو یہاں سے میرے چلے جانے کا انتظار ہے۔ مجھے اس کی شکایت ہے کہ تمھارے دل میں یہ خیال ہی کیوں پیدا ہوا اور مجھ سے ایسا سوال اور تذکرہ ہی کیوں کیا۔ غرض بات وہیں ختم ہو گئی اور اسکا چرچا اوروں میں نہ پھیلنے پایا۔

حضرت والا اسباب بھی اپنے ساتھ نہ لائے تاکہ کسی کو شبہہ نہ ہونے پائے لیکن بہت دن پہلے سے اپنے سب اسباب کو باندھنا شروع کر دیا تھا اور جس وقت وہاں سے تشریف لائے ہیں تو گٹھریاں بندھی ہوئی اور سب اسباب ایک جگہ مجتمع کر کے اور مقفّل کر کے رکھ آئے تھے تاکہ بعد کو منگوا لینے میں سہولت رہے۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ جس وقت کانپور سے ریل چلی ہے اُسوقت میری مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی بس ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قید سے رہائی ہو گئی ہو۔ اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اھ۔ احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ اُسوقت حضرت والا گویا حضرت حافظ شیرازیؒ کے یہ اشعار بزبان حال پڑھتے ہوئے اپنے وطن مالوف کو روانہ ہوئے ؎

چرا نہ در پئے عزم دیارِ خود باشم	چرا نہ خاک کفِ پائے یار خود باشم
غمِ غریبی و غربت چو بر نمی تابم	بشہر خود روم و شہر یار خود باشم
ز محرمانِ سراپردۂ وصال شوم	ز بندگانِ خداوندگار خود باشم
ہمیشہ پیشۂ من عاشقی و رندی بود	دگر بکوشم و مشغول کار خود باشم

۱۳۱۵ھ میں حضرت والا نے کانپور چھوڑا اور بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ مذکور کے ماہ صفر کے آخر میں کانپور سے رخصت ہوئے اور صفر ۱۳۰۱ھ میں کانپور کا تعلق شروع ہوا تھا یعنی اس چودھویں صدی کے جس کے حضرت والا بعض تفاسیر حدیث پر بقرائن قویہ مجدد ہیں بالکل شروع کے پورے چودہ[۱۴] سال حضرت والا نے کانپور میں رہ کر زیادہ تر افاضۂ ظاہری میں گذارے اُس کے بعد ربیع الاوّل ۱۳۱۵ھ سے زیادہ تر افاضۂ باطنی کا دور شروع ہوتا ہے۔

جب حضرت والا نے حضرت حاجی صاحب رحمہ کو مستقل قیام تھانہ بھون کی اطلاع کی تو حضرت حاجی صاحب رحمہ نے اسپر بہت اظہار مسرت فرمایا اور پے در پے خطوط میں دعائیں تحریر فرماتے رہے اور نہایت وثوق کے ساتھ یہ تحریر فرماتے رہے کہ بہتر ہوا آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے اُمید ہے کہ آپ سے خلائق کثیر کو فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا اور سلسلہ جاری رہیگا اھ۔

حضرت والا نے وطن پہونچنے کے بعد بھی کئی مہینہ تک اپنے واپس نہ آنے کے قصد سے کانپور والوں کو مطلع نہ کیا۔ اور برابر مدرسہ کے حالات دریافت فرماتے رہے اور مشورے دیتے رہے۔ جب ہر طرح اطمینان ہوگیا کہ مدرسہ کے سب کام اچھی طرح چل رہے ہیں اور کوئی اندیشہ انتظامات مدرسہ میں خلل پڑنے کا نہ رہا اُسوقت حضرت والا نے مطلع کردیا کہ اب میرا ارادہ آنے کا نہیں ہے اور حضرت حافظ شیرازی رح کا یہ شعر جو بالکل حسب حال تھا لکھ بھیجا ؎

از قیل وقال مدرسہ حالے دلم گرفت　　　یک چند نیز خدمت معشوق و می کنم

جب کانپور والوں کے پاس حضرت والا کا اس مضمون کا خط پہونچا تو اُن کے قلق اور اندوہ کی کوئی انتہا نہ تھی حضرت والا کی واپسی کانپور کی برابر کوشش کرتے رہے۔ بالآخر آپس میں مشورہ کرکے بصد الحاح یہ درخواست پیش کی کہ مدرسہ کا کوئی کام آپ کے ذمہ نہ ہوگا بس کانپور میں صرف قیام رکھا جائے اور ہم لوگ بجائے پچاس روپیہ ماہوار کے سو روپیہ ماہوار کی خدمت ہمیشہ کرتے رہیں گے اس سے اندازہ کرلیا جائے کہ اہل کانپور حضرت والا کے کس درجہ گرویدہ تھے حضرت والا نے خشک جواب دینے کے بجائے لکھ بھیجا کہ میں نے وطن کی سکونت حضرت حاجی صاحب رح (قدس اللہ سرہٗ العزیز) کے ایماء سے اختیار کی ہے حضرت ہی کو لکھا جائے۔ چنانچہ اُن لوگوں نے حضرت حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں بھی بہت الحاح اور اصرار کے ساتھ التجا کی کہ حضرت والا کو کانپور میں قیام کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی جائے لیکن حضرت حاجی صاحب رح تو خود ہی اس صورت کے مدتوں پہلے سے مجوز تھے وہاں سے اس کی اجازت کیونکر مل سکتی تھی اور حضرت رح حضرت والا کے مستقل قیام تھانہ بھون کو صرف مناسب ہی نہیں بلکہ خلق اللہ کے نفع کے لئے ضروری خیال فرماتے تھے جس کا ضروری ہونا اب تو سب کو مشاہد ہو رہا ہے لیکن اُسوقت حضرت حاجی صاحب رح ہی جیسے صاحب بصیرت اس جزم کے ساتھ یہ رائے قائم فرما سکتے تھے چنانچہ اپنے مکتوب ۴۹ مورخہ ۱۵ محرم ۱۳۱۷ھ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "فقیر کے نزدیک مستقل قیام آپ کا تھانہ بھون میں ضروری ہے۔ باقی تعطیل وغیرہ کسی فرصت کے وقت یا جس وقت طبیعت کچھ گھبرائے تو کانپور کا

بھی دورہ کریں اور اُن لوگوں کی خبر گیری کریں اور طالب کے واسطے تو تھانہ بھون کانپور سے کچھ دور نہیں ہے چنانچہ کانپور بھی یہی مضمون جواب میں لکھا گیا ہے اھ۔ (ملاحظہ ہو اقتباس نمبر ۴۴) چنانچہ حسب ارشاد حضرت حاجی صاحب رح جب وہ لوگ بلاتے حضرت والا ہو آتے اور اکثر بلاتے ہی رہتے اور حضرت بھی نہایت خوشی سے وہاں جایا کرتے کیونکہ اُن حضرات کی محبت اور خلوص کی وجہ سے حضرت والا کو بھی وہاں کے لوگوں سے بہت محبت تھی اور ابتک ہے۔ لیکن ابتو مدت سے سفر ہی منقطع ہے۔

جناب حاجی عبدالقیوم صاحب کے والد ماجد جناب حاجی محمد یعقوب صاحب اُسوقت کانپور میں نہ تھے جبکہ حضرت والا وہاں سے رخصت ہوئے کیونکہ وہ کلکتہ گئے ہوئے تھے۔ جب واپس آئے اور اُنھوں نے دیکھا کہ حضرت والا تشریف لیجا چکے ہیں اور اب آنے کا بھی قصد نہیں ہے تو اُنھیں بے حد صدمہ ہوا اور فرمایا کہ تم لوگوں نے جانے ہی کیوں دیا اگر میں ہوتا تو مدرسہ میں تالا لگا کر کنجی اُن کی جیب میں ڈال دیتا اور کہدیتا کہ لیجئے مدرسہ کو بھی اپنے ساتھ ہی لیتے جائیے لوگوں نے کہا کہ اُنھوں نے اپنے ارادے سے کسی کو مطلع ہی کب ہونے دیا۔ یہاں خبر ہی کس کو تھی کہ واپس نہ آنے کے ارادے سے جا رہے ہیں۔

اس کل واقعہ سے حضرت والا کی کمال دانشمندی و حُسن تدبیر و خیال بہبودی مدرسہ ظاہر و باہر ہے ورنہ ایسے موقعوں پر عموماً اپنی ذاتی مصلحتیں ہی مدنظر رکھی جاتی ہیں بالخصوص جب مدرسہ سے کوئی تعلق ہی رکھنا نہ ہو تو پھر مدرسہ کی مصلحتوں کا کون خیال کرتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

ترک ملازمت کا دورِ جدید

غرض حضرت والا چودہ برس تک بمقام کانپور درس و تدریس میں مشغول رہنے کے بعد وطن واپس آ کر حسب ارشاد پیر و مرشد ہمہ تن افاضۂ ظاہری و باطنی یعنے تصانیف و مواعظ و ارشاد و تلقین میں مصروف ہو گئے اور متوکلانہ زندگی بسر فرمانے لگے اور ابتک اُسی شغل میں بدستور مشغول ہیں متعنا اللہ تعالےٰ بطول بقائہ۔

توکل کے متعلق حضرت حاجی صاحب رح نے اپنے مکتوب نمبر ۲۹ مورخہ ۱۶ رجب ۱۳۱۲ھ (ملاحظہ ہو اقتباس نمبر ۲۵) میں نہایت وثوق کے ساتھ پہلے ہی تحریر فرما دیا تھا کہ جب تک یہاں

(یعنی کانپور) کا تعلق خدا کو منظور رہے رکھئیے بعد ازاں پھر تھانہ بھون میں محض توکل بخدا خدا کا نام لیکر بیٹھ جائیے اور کسی نوع کوئی تعلق ظاہری نہ کیجئے وہ خود مسبب الاسباب ہے سب کام آپ کے درست کردے گا انشاء اللہ تعالےٰ کوئی تردد نہ کرنا پڑے گا اھ چنانچہ بفضلہ تعالےٰ یہی ظہور پذیر ہوا۔ اللہ تعالےٰ نے نہایت فراخی کے ساتھ فتوحات ظاہری بھی عطا فرما رکھی ہیں اور حضرت والا ماشاء اللہ تعالےٰ ہر لحاظ سے شاہانہ زندگی بسر فرما رہے ہیں۔ حالانکہ ہدایا قبول فرمانے میں بہت ہی تنگی اور احتیاط فرماتے ہیں اور متعدد شرائط جو عین مصلحت اور مناسب ہیں مقرر فرما رکھی ہیں۔ اُنکے خلاف ہرگز قبول نہیں فرماتے چنانچہ بڑی بڑی رقمیں اور قیمتی قیمتی اشیاء آئے دن واپس ہوتی رہتی ہیں لیکن اللہ تعالےٰ پھر اُس سے بھی زیادہ موافق شرائط کے عطا فرما دیتے ہیں۔ یہ سب حضرت حاجی صاحبؒ کی دعا اور تجویز کی برکت ہے اسی لئے حضرت والا منجملہ آداب توکل کے یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بلا شیخ محقق کی رائے کے اسباب کو نہ چھوڑے۔

جب حضرت والا نے اپنے والد ماجد کے ترکہ میں سے بعض مشتبہ اموال کو نہ لینا چاہا تو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ نے بھی ارشاد فرمایا تھا کہ اگر لو تو فتوے سے گنجائش ہے اور اگر نہ لو تب بھی اللہ تعالےٰ تم کو روزی سے کبھی پریشان نہ کرینگے جب اتنی دعائیں شامل حال تھیں پھر کیوں نہ غیبی امداد ہوتی۔

اس کے متعلق حضرت والا کا طالبعلمی کے زمانہ کا ایک خواب یاد آیا۔ دیکھا کہ ایک تالاب جس میں بجائے پانی کے چاندی فوارے کی طرح اُبل رہی ہے۔ میرے پیچھے پیچھے چلا آرہا ہے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تعبیر دی تھی کہ انشاء اللہ تعالےٰ دنیا تمہارے پیچھے پیچھے پھرے گی اور تم اُس کی طرف رخ بھی نہ کرو گے چنانچہ الحمد للہ یہی ہو رہا ہے بمصداق اتتہ الدنیا وھی راغمۃ یہ تو مال کے متعلق خواب تھا ایک خواب میں جاہ کی بھی بشارت عطا فرمائی گئی تھی وہ خواب خود حضرت والا کے قلم مبارک کی لکھی ہوئی عبارت میں "اصدق الرؤیا فی تشریف بعض الاشراف بالبشریٰ"؎ سے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

"ایک مردانہ مکان ہے جیسا حضرت استاذی مولانا محمود حسن صاحبؒ کا ہے اُس کے چبوترہ پر ایک بزرگ بہت لطیف اور نازک بہت سفید کپڑے پہنے ہوئے ایک مکلف چارپائی اور مکلف بستر پر تشریف رکھتے ہیں انھوں نے مجھ کو ایک پرچہ لکھکر اور مہر لگا کر دیا یہ مہر پرچہ کی تمام جوانب میں جابجا لگی ہوئی تھی میں نے اسکو پڑھا تو اُس میں لکھا تھا کہ بنے تمکو عزت دی اور مہر میں تھا "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲) پھر اسی خواب میں

؎ اس رسالہ کا مفصل پتہ فہرست تالیفات جو سوانح ہذا کے آخر میں منسلک ہے درج ہے ۱۲ منہ

ایک دنیادار کے مردانہ مکان میں ایک دنیوی حاکم کو میز کرسی لگائے دیکھا اُس نے بھی ایک پرچہ پر اسی طرح لکھکر اور مہر کر کے دیا اُس میں بھی یہی مضمون تھا "ہم نے تمکو عزت دی" مگر مہر کے حروف پڑھے نہ جاتے تھے "

یہ دونوں خواب بفضلہ تعالیٰ ہو بہو صادق آئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو دین و دنیا دونوں کی ایسی عزت عطا فرمائی کہ فی زمانہ بے نظیر ہے جیسا کہ آج عالم آشکارا ہے۔ بڑے بڑے اہل دولت اور ملک التجار ذی وجاہت و ذی اقتدار نوابان و رؤسا و عہدہ داران بلکہ بعض والیان ملک تک حضرت والا کی جانب نہایت نیازمندی کے ساتھ رجوع ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں اور حضرت والا نہایت استغنا مگر تہذیب کے ساتھ اور اُن کے مرتبہ کے موافق اُن سے برتاؤ فرماتے ہیں۔ گو یہ امر مدار قبولیت عند اللہ ہرگز نہیں لیکن اکثر عادت اللہ یہی رہی ہے کہ ایسے حضرات کی جانب جن سے عام خدمت دینی لینی ہوتی ہے اور جن کو مرکز رشد و ہدایت بنانا ہوتا ہے ہر طبقہ کے ذی وجاہت افراد کو بھی مائل کرا دیا جاتا ہے۔ تاکہ نفع عام ہو

حضرت والا توکل کے اندر جو حضرت حاجی صاحب رح کی تعمیل ارشاد میں اختیار کیا گیا تھا اسقدر مستقل تھے کہ شروع شروع میں کسی قدر قرض ہو گیا تو حضرت والا نے حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کیا اور غالباً حضرت حاجی صاحب رح کو بھی تحریر کیا۔ حضرت حاجی صاحب رح نے تو اپنے مکتوب نمبر ۳۷ مورخہ ۶ رجب ۱۳۱۵ھ میں تحریر فرمایا کہ آپ کی استقامت اور توکل میں کامیابی کی دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ظاہری اور باطنی فیض کو روز افزوں ترقی عطا فرمائے اھ اور حضرت مولانا گنگوہی رح نے حضرت والا سے پوچھا کہ کہو تو مدرسہ دیوبند میں تمہارے لئے مدرسی کی تحریک کروں۔ حضرت والا نے غایت ادب سے عرض کیا کہ میرا تو اسوقت عرض کرنے کا مقصود صرف دعا ہے باقی حضرت حاجی صاحب رح نے بعد ترک تعلق کانپور کسی اور جگہ کوئی تعلق کرنیکی ممانعت فرما دی ہے لیکن اگر حضرت کی یہی تجویز ہے تو میں اسکو بھی حضرت حاجی صاحب رح ہی کی تجویز سمجھوں گا اور یہ سمجھوں گا کہ حضرت حاجی صاحب رح ہی نے اپنی پچھلی تجویز کو منسوخ فرما کر اب یہ صورت تجویز فرما دی ہے۔ کیونکہ تجویز موخر ناسخ ہوتی ہے تجویز مقدم کی۔

یہ سنکر حضرت مولانا گنگوہی نے فوراً گھبرائے ہوئے سے لہجہ میں فرمایا کہ نہیں نہیں اگر حضرت حاجی صاحب رح کی ممانعت ہے تو میں ہرگز اُس کے خلاف مشورہ نہیں دیتا میں دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ قرض سے سبکدوش فرمائے۔ چنانچہ دونوں حضرات کی دعا کی برکت سے قرضہ سے جلد ہی سبکدوشی ہو گئی اور پھر بفضلہ تعالیٰ کبھی تنگی واقع نہیں ہوئی۔ حضرت والا نہایت اطمینان اور سکون قلبی کے ساتھ خلق اللہ کی خدمت دینی میں مشغول رہے بالخصوص تصانیف مفیدہ اور مواعظ نافعہ میں

حضرت مولانا گنگوہی رہ حضرت والا کی خدمات دینی کے حالات سن سنکر نہایت مسرور ہوتے تھے۔ ایکبار حضرت والا سے اظہار مسرت فرما کر آخر میں فرمایا کہ بھائی میرا جی تو جب خوش ہو گا جب تمھارے پاس کچھ اللہ اللہ کرنے والے بھی جمع ہو جائیں گے۔ حضرت والا نے عرض کیا کہ آپ کی دعا سے انشاء اللہ یہ بھی ہو جائے گا۔ چنانچہ بحمد اللہ حضرت مولانا رح کی یہ آرزو جلد ہی پوری ہو گئی۔ اور طالبین حضرت والا کی طرف کثرت سے رجوع کرنے لگے۔ اور اللہ اللہ کرنے والوں کا ایک مجمع کا مجمع خانقاہ میں رہنے لگا اور بفضلہ تعالے ابتک یہ سلسلہ روز افزوں ہے۔ اللھم زد فزد۔ حضرت مولانا گنگوہی رح بھی کبھی کبھی اپنے پاس آنیوالے طالبین کو حضرت والا کے پاس بھیجدیا کرتے تھے بلکہ یہ سلسلہ وقت قیام کانپور ہی سے جاری تھا۔

مستقل قیام تھانہ بھون کے بعد کے بعض حالات باطنیہ

سنہ ۱۳۱۴ھ تک کے باطنی حالات اور تغیرات و تقلبات سلوک جو حضرت والا کو مختلف اوقات میں واقع ہوتے رہے بہ تفصیل بیان کئے جا چکے ہیں۔ اب جو نیا دور سنہ ۱۳۱۵ھ سے شروع ہوا اس کے یعنی مستقل قیام تھانہ بھون کے بعد کے حالات معرض تحریر میں لائے جاتے ہیں جو قدرتی طور پر بہت ہی خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ اب تو حضرت والا سارے تعلقات کو چھوڑ کر طے منازل سلوک ہی کے لئے اپنے کو بالکل فارغ اور اسی کام کے واسطے اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے ہمہ تن وقف کر چکے تھے اور خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں اسی غرض سے آکر مستقلاً قیام پذیر ہو گئے تھے۔ یہاں کی ترقیات باطنیہ کا کیا ٹھکانا ہے۔ اُنس مع اللہ کا اسقدر غلبہ ہوا کہ ملنے جلنے والوں سے سخت وحشت ہونے لگی لیکن بے مروتی کو بھی دل گوارا نہ کرتا تھا۔ مجبور ہو کر یہ ارادہ کیا کہ لوگوں سے علیحدہ ہو کر آبادی سے باہر سکونت اختیار کیجائے۔ لیکن حضرت والا نے باوجود تقاضائے شدید بلا استشارہ بزرگاں بطور خود ایسا کرنا ہرگز مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ مولانا گنگوہی رح سے لوگوں کے ہجوم کی شکایت کر کے آبادی سے باہر رہنے کی اجازت طلب کی۔ مولانا نے اس کی اجازت نہ دی۔ فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کا یہ طریق نہیں رہا۔ ایسا کرنا مناسب نہیں۔ البتہ اگر لوگوں سے ملنے جلنے کو جی نہیں چاہتا اور حرج اوقات ہوتا ہے تو سبکو جھاڑو مارو کسی کی پروا نہ کرو جب اپنے کو تنگی ہو تو پھر کس کی مروت کس کا لحاظ اس ارشاد پر ایک شعر یاد آیا ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد — فدائے یک تن بیگانہ کآشنا باشد

چنانچہ پھر حضرت والا نے ایسا ہی کیا بقول حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ؎

باتو پیوستم و از غیر تو دل ببریدم	آشنائے تو ندارد سرِ بیگانہ و خویش

اور زیادہ تر وقت خلوت ہی میں اور اپنے محبوب حقیقی سے راز و نیاز ہی میں گذارنے لگے بقول حضرت آشفتہ رحمہ ؎

چہ خوشست باتو بزمے بنہفتہ ساز کردن	درِ خانہ بند کردن سرِ شیشہ باز کردن

اور بقول حضرت حافظ رحمہ ؎

ذکر رخ و زلفِ تو دلم را	وردیست کہ صبح و شام دارد

تمہیدِ مضمونِ قبض وہیبت مُعنوَن بہ الغیبہ فی الہیبہ

(جو عنقریب آنیوالا ہے)

غرض بعد ترک تعلق مدرسی حضرت والا کانپور سے اپنے وطن مالوف تھانہ بھون میں آکر اور مقیم خانقاہ امدادیہ ہو کر ہمہ تن مشغول بحق ہو گئے بقوائے ؎

بہ سودائے جاناں زجاں مشتغل	بہ ذکر حبیب از جہاں مشتغل

اور ایک عرصہ تک گویا حضرت حافظ شیرازی رحہ کے ان اشعار کے مصداق اور مخاطب رہے ؎

ایکہ در کوئے خرابات مقامے داری	جم وقتِ خودی ار دست بجامے داری
ایکہ باز لف و رخ یار گذاری شب و روز	فرصتت باد کہ خوش صبحے و شامے داری

اور برابر نہایت سکون اور انشراح و انبساط کے ساتھ اُنس مع اللہ کے درجات عالیہ طے فرماتے رہے لیکن بھلا عشق و محبت کے کوچہ میں عافیت دائمی کہاں عشق تو گویا جنم روگ ہے عاشق کو تو مرتے دم تک بھی چین نصیب نہیں کیونکہ اکثر احوال میں نزول بلاعادتاً لوازم سلوک سے ہے بقوائے آیات و احادیث و اقوال عارفین و عشاق جن میں سے بعض بطور نمونہ مضمون آیندہ مُعنوَن بہ الغیبہ فی الہیبہ کی ذیلی سرخی "بیان واقعات غلبہ قبض وہیبت" کے بالکل ختم پر جہاں عنوان "عود الی السابق" ہے وہاں سے چند سطور کے بعد مذکور ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ چونکہ حسب سنت غالبۂ الٰہیہ سالک کی ترقی کا ایک اقرب طریق

؎ چونکہ اس قسم کی کیفیات میں کلام عارفین کا مطالعہ بہت نافع ہوتا ہے اور وہ اکثر نظم کی صورت میں پایا جاتا ہے اس لئے سوانح ہذا کے خاص اس جزو میں جا بجا حسب ضرورت و مصلحت ایسے اشعار کافی مقدار میں نقل کر دئے گئے ہیں تاکہ مختلف المذاق طالبین اپنے مذاق کے مناسب کلاً یا بعضاً اُن کے تکرار و استحضار سے فائدہ اُٹھا سکیں خود یہ اشعار مقصود بالذات نہیں ۱۲ منہ

یہ بھی ہے کہ اُس کو ایک حال پر نہ رکھا جائے لہذا اکثر و بیشتر سالکین کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا یہی معاملہ رہتا ہے کہ قبض و بسط یا خوف و رجا یا ہیبت و انس یا عروج و نزول یا بطور حاصل یوں کہئے کہ نشیب و فراز طریق حسبِ خصوصیات استعداد سالک مختلف منازل پر مختلف ازمنہ میں مختلف الوان سے کم و بیش عمر بھر پیش آتے رہتے ہیں۔ اسی فصل و وصل کو کسی نے اس عنوان سے بیان کیا ہے۔

رباعی

خواندی مارا و باز راندی مارا ۔۔۔ راندی مارا و باز خواندی مارا
در شہر خرابہ و بدشت و گلزار ۔۔۔ اے عشق کجا کجا رساندی مارا

غرض سالک کے حالات میں برابر تغیرات و تقلبات لگے رہتے ہیں اور اُس کے قلب پر جو کہ جلوہ گاہ محبوب حقیقی ہے کبھی تجلّیٔ جمال اور کبھی تجلّیِ جلال کا ورود ہوتا رہتا ہے جو حقیقتاً ایک ہی نور کی شعاعیں ہوتی ہیں جس کو حضرت حافظ رح نے اس عنوان سے بیان فرمایا ہے ؎

ایں ہمہ عکسِ مئے و نقشِ مخالف کہ نمود ۔۔۔ یک فروغِ رخِ ساقیست کہ در جام افتاد

اور ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود۔ کی مصداق کیونکہ محبوب کی تو ہر ادا محبوب ہوتی ہے حسب ارشاد حضرت حافظ شیرازی رح ؎

اے ہمہ شکلِ تو مطبوع و ہمہ جائے تو خوش ۔۔۔ دلم از عشوہ شیرینِ شکرخائے تو خوش
ہمچو گلبرگِ تری ہست وجودِ تو لطیف ۔۔۔ ہمچو سروِ چمنی ہست سراپائے تو خوش
ہم گلستانِ خیالم ز تو پُر نقش و نگار ۔۔۔ ہم مشامِ دلم از زلف سمنسائے تو خوش
شیوۂ ناز تو شیرین خط و خالِ تو ملیح ۔۔۔ چشم و ابروئے تو زیبا قد بالائے تو خوش
پیشِ چشم تو بمیرم کہ بداں بیماری ۔۔۔ میکند دردِ مرا از رخِ زیبائے تو خوش
در بیابانِ فنا گرچہ ز ہر سو خطر ست ۔۔۔ میرود حافظِ بیدل بہ تولّائے تو خوش

اسی غالب صفت الٰہیہ کے موافق حضرت والا کو بھی ترکِ تعلقات اور قیام وطن کے تقریباً ایک سال بعد دوران سلوک میں بہ سلسلۂ ترقیات باطنیہ ایک نہایت ہیبتناک اور دشوار گذار گھاٹی پیش آئی یعنی قلب پر دفعتہً ایک ایسی سخت کیفیت کا ورود ہوا جس نے آنِ واحد میں اُس سارے انشراح و سکون باطنی کو جو ایک عرصہ سے حاصل تھا یک قلم غارت کر دیا اور حضرت والا ایک شدید ترین قسم کے غم و اندوہ میں مبتلا ہو گئے اور بزبان حال بلکہ حضرت والا تو خیال ہے

؎ یہ مصرعہ بدلا ہوا ہے ۱۲ منہ

کہ غالباً بزبان قال بھی بار بار بیتابانہ یہ شعر پڑھتے تھے ؎

درون سینۂ من زخم بے نشاں زدۂ　　بہ حیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدۂ

چونکہ حضرت والا کی یہ حالتِ باطنی بہت ہی مہتم بالشان اور گویا سلوک کی آخری گھاٹی تھی اس لئے بغرض امتیاز اُس کی تفصیل لکھنے کے قبل اُس کا ایک عنوان بھی تجویز کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جیسا اس سے قبل بھی ایک مضمونِ خاص کا "السوق من الشوق" عنوان تجویز کیا جا چکا ہے وہ عنوان یہ ہے۔

الغیبہ فی الہیبہ

اس داستانِ غم کو شروع کرنے کے قبل خود صاحب واقعہ یعنی حضرت والا کا ایک نہایت برمحل شعر زیب عنوان کرتا ہوں وہ شعر یہ ہے ؎

نوش ما دیدی بہ بیں ہم نیش ما　　عیش ما دیدی بہ بیں ہم ریش ما

اس کے بعد بنام خدا اُس کی تفصیل بیان کرتا ہوں ؎

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان موج افزا　　دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

اس دردناک افسانہ کی ابتدا ایک ناگہانی قتل کے خونیں حادثۂ جانکاہ سے ہوتی ہے جس پر گویا یہ شعر صادق آتا ہے ؎

نمیدانم حدیثِ نامہ چوں است　　ہمی بینم کہ عنوانش بخون است

بیان واقعات غلبۂ قبض و ہیبت

واقعات کی تفصیل یہ ہے کہ مکرمہ و معظمہ جناب بڑی پیرانی صاحبہ مدظلہا کے خالو صاحب کو جو چرتھاول کے زمیندار اور پنشنر سب انسپکٹر تھے ایک مقدمہ کے سلسلہ میں دشمن کاشتکاروں نے شہید کر دیا۔ اس حادثۂ عظیم کی خبر پاتے ہی جناب بڑی پیرانی صاحبہ مدظلہا حضرت والا کو لیکر فوراً چرتھاول پہونچیں اور حضرت والا ہی کے اہتمام اور نگرانی میں تجہیز و تکفین ہوئی۔ غسل میت بھی حضرت والا ہی کے مواجہہ میں ہوا۔ دورانِ غسل میں مرحوم مظلوم کا زخم رسیدہ سر اور اُن کی نعش کا حسرتناک منظر برابر حضرت والا کے پیشِ نظر رہا اور حضرت والا کے نازک اور پُرسوز و گداز قلب مبارک کو دزدیدہ طور پر سخت زخمی اور متاثر کرتا رہا لیکن بظاہر اُسوقت حضرت والا کو کوئی خاص اثر محسوس نہ ہوا اور نہایت سکون کے ساتھ تجہیز و تکفین کے اہتمام میں مشغول رہے مگر جب دفن سے

فارغ ہو کر واپس تشریف لے آئے اور آکر دہلیز میں بیٹھے تو گھر کے اندر سے مستورات کے رونے کی آواز آئی قلب تو زخمی ہو ہی چکا تھا بس سنتے ہی اُس پر ایک ایسی کاری چوٹ لگی کہ بیچین ہو گئے اور سخت اضمحلالِ قلبی عارض ہو گیا یہاں تک کہ اختلاج کی سی کیفیت محسوس ہونے لگی۔

ابھی ایک تاثر سے قلب سبکدوش نہ ہونے پایا تھا کہ دو تین ہی دن بعد سسرال میں ایک اور غمی ہو گئی جس کے سلسلہ میں گنگوہ جانا ہوا۔ اس واقعہ سے صدمہ زدہ قلب کو ایک اور صدمہ پہونچا اور چوٹ کھائے ہوئے دل پر ایک اور چوٹ لگی۔ گو اپنی حقیقت میں تو یہ دوسرا حادثہ پہلے حادثہ کے برابر سخت نہ تھا لیکن وہ پچھلے تاثر کے بڑھا دینے میں معین ہو گیا اسی حال میں کہ قلب سخت ماؤف و متاثر ہو رہا تھا پچھلی رات کو تہجد کے لئے وضو کرتے ہوئے ایک بیک بلا اختیار ایک خطرۂ منکرہ کا ورود ہوا جس کا حاصل چند الفاظ تھے جو دفعۃً متخیلہ میں واقع ہو گئے گو یہ کوئی نئی بات نہ تھی کیونکہ اس قسم کے خطرات سالکین کو پیش آتے ہی رہتے ہیں بلکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی خطرات سے خالی نہ تھے جیسا کہ حدیث ذالک صریح الایمان سے ثابت ہے اور خود حضرت والا کو بھی اس سے قبل بھی اور بعد بھی اس قسم کے خطرات آئے ہونگے لیکن اس مرتبہ اس درجہ شدید اور مدید اثر ہوا کہ حضرت والا اپنی زندگی ہی سے بیزار ہو گئے کہ بفحوائے ؎

ذوقے چناں ندارد بے دوست زندگانی بے دوست زندگانی ذوقے چناں ندارد

یہاں تک کہ خودکشی تک کے وسوسے آنے لگے چنانچہ خود فرماتے تھے کہ ایک بار ایک صاحب ملنے آئے اُن کے پاس اُسوقت بھری ہوئی بندوق موجود تھی۔ بار بار میرے جی میں آتا تھا کہ اُن سے کہہ دوں کہ خدا کے لئے فیر کر کے میرے ناپاک وجود سے اس دنیا کو پاک کر دو کیونکہ میں اُس حالت کو بُعد اور اُس بُعد کے وہم سے اپنے آپ کو فرعون اور ہامان سے بھی بدتر باوجود اپنے کو مومن اور اُن کو کافر سمجھنے کے سمجھتا تھا اور چونکہ یہ ذوقیات ہیں اس لئے تقریب فہم کے لئے بس اس سے زیادہ شرح نہیں کر سکتا۔ کہ یوں سمجھتا تھا کہ جس بلا میں وہ لوگ مبتلا تھے اُس سے تو اُن کو ایمان لاکر ایک منٹ میں چھٹکارا ہو سکتا تھا اور میں جس بلا میں مبتلا ہوں اُس سے سالہا سال میں بھی خلاصی ممکن نہیں اھ۔

فائدہ از حضرت والا اس حالت کے انکار و استبعاد عقلی کو ان دلائل نقلی سے دفع کرنا سہولت سے ممکن ہے فی رسالۃ القشیریہ عن حمدون (المتوفی ۲۷۱ھ) قال من ظن ان نفسہ خیر من نفس فرعون فقد اظہر الکبر۔ اور اس سے بھی اقویٰ اگر قدرے محتاج تقریر

حضرت اسامہ صحابی رضؓ کا یہ قول ہے حتی تمنیت انی اسلمت یومئذ رواہ مسلم فی باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ لا الٰہ الا اللہ من کتاب الایمان جو ایک جہاد میں اُن سے غلطی ہو جانے پر اُنھوں نے فرمایا تھا جس کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں معناہ لم یکن تقدم اسلامی بل ابتدأت الآن الاسلام لیمحو عنی ما تقدم وقال ھذا الکلام من عظم ما وقع فیہ اھ وجہ الدلالۃ ظاہر حیث رجح بعض الاحوال المذمومۃ علی بعض الاحوال المحمودۃ لکون الاول اقرب الی دفع الضرر من الثانی لعارض مع ان حقیقۃ الامر عکسہ فی نفسہ) اور حضرت والا نے اس حالت کی شدت کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ بڑی مصیبت یہ تھی کہ اگر ذکر کرنے بیٹھتا جو کہ قرب کی حالت تھی تو ساتھ کے ساتھ وہ خطرۂ منکرہ بھی عود کرتا اور اگر عود خطرہ سے بچنے کی غرض سے ذکر کو منقطع کرنا چاہتا جو کہ بُعد تھا تو اس کو بھی کسی طرح دل گوارا نہ کرتا گویا یہ حالت تھی ؎

من شمع جانگدازم تو صبح دلکشائی | سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی
نزدیک آنچنانم دور آنچناں کہ گفتم | نے تاب وصل دارم نے طاقتِ جدائی

غرض سخت کشمکش میں مبتلا تھا اور ایسی شدید حالت تھی کہ باوجود صحت بدنی کے موت کو حیات پر ہزارہا درجہ ترجیح دیتا تھا اھ۔

اسبابِ اشتدادِ خطرہ

حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ اُس خطرۂ منکرہ کے اس درجہ مؤثر ہو جانے کے تین سبب تھے اوّل تو یہ کہ پے درپے صدمات نے (جن کا ذکر ابھی کیا گیا) قلب کو پہلے ہی سے چوٹل اور گداز کر رکھا تھا جس کی وجہ سے اُس میں تاثر و انفعال کی کیفیت اور قبول خطرہ کی استعداد بدرجہ اتم پیدا ہو گئی تھی پھر جب اُس خطرۂ منکرہ کا وقوع ہوا تو قلب بوجہ غایتِ ضعف و اضمحلال نہ اُسکی مدافعت کرسکا نہ مقاومت لہٰذا وہ دلنشین ہو کر رہ گیا۔ دوسرا سبب یہ ہوا کہ میں نے بعد ترک تعلق کانپور ترک اشغال مباحہ میں بہت زیادہ مبالغہ کیا تھا اور تعلقات سے اپنے قلب کو بالکل یکسو اور فارغ کر لیا تھا حالانکہ بعد میں تجربہ سے یہ ثابت ہوا کہ اتنا مبالغہ مضر ہوتا ہے کیونکہ اِدھر تو قلب کو خالی کر لیا گیا اور اُدھر چونکہ عالم غیب کوئی مشاہد چیز نہیں دوسری شے اُس میں اُس قوت اور تمکن کے ساتھ بھری نہ جاسکی لہٰذا اس خلوِ قلب کی حالت میں شیطان کو وساوس ڈالنے کا بسہولت موقع مل گیا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کر تیار کیا گیا تو اُس کو ابلیس نے چاروں طرف سے

گھوم پھر کر دیکھا اور جب اُس کو اندر سے خالی پایا تو اس سے خوش ہوا کہ اس کی فطرت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ یہ اپنے قابو میں نہ ہو گا (یعنی جب یہ خالی ہے تو میں اس کے اندر آسانی سے حلول کر سکوں گا چنانچہ مشہور بھی ہے "خانۂ خالی را دیو میگیرد) الفاظ حدیث موصوف کے یہ ہیں عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لما صور اللہ آدم فی الجنۃ ترکہ ماشاء اللہ ان یترکہ فجعل ابلیس یطیف بہ فینظر ماھو فلما رأہ اجوف عرف انہ خلق خلقاً لایتمالک رواہ مسلم۔

تیسرا سبب شدت تاثر کا یہ تھا کہ وہ خطرۂ منکرہ صورۃً کمالِ محبت کے منافی تھا لہذا بے انتہا شاق گذرا اھ۔

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ ایسے خطرہ پر جو صورۃً کمال محبت کے منافی نظر آتا تھا اس درجہ غم و اندوہ کا طاری ہو جانا تو خود کمال محبت پر دال تھا بفحوائے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ذالک صریح الایمان لیکن کمال محبت میں تو صورت بعد بھی مضطرب کر دینے کیلئے کافی ہے بمصداق ؎

بر دلِ سالک ہزاراں غم بود گر ز باغِ دل خلالے کم بود (یعنی بگمان خود)

تدابیر انسدادِ اشتدادِ خطرات

تاثر خطرہ کے اشتداد و امتداد کے ان ہر سہ اسباب کو بیان فرمانے کے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ ان ہر سہ اسباب سے سالکین کے واسطے خطرات کے اثر کے اشتداد و امتداد کے انسداد کے لئے تین نہایت مفید اور کار آمد دستور العمل مستفاد ہوئے۔

اول یہ کہ سالک حتی الوسع اپنے قلب کی تقویت اور تفریح کے لئے مقویات و مفرحات کا استعمال اور اسباب مشوشۂ قلب سے حتی الامکان اجتناب رکھے تاکہ قلب میں قوت رہے اور ایسے احوال کا تحمل کر سکے اور منجملہ اسباب قویہ مشوشۂ قلب کے کسی ایسے واقعہ حزن کا جس کی تدبیر اختیار سے خارج ہو (مثلاً کسی کی موت) خواہ اُس حزن کا منشار اپنا درد ہو یا کسی کی ہمدردی ہو یا اُس کے آثار و نتائج سیئۃ یا محتملہ کا ذہن میں استمرار استحضار یا زبان سے اُس کا تکرار ہے یعنی بقصد اُس کو سوچنا اور اُس میں خوض و فکر کرنا یا اُس کا بکثرت تذکرہ کرنا کہ اس سے قلب ایک معتد بہ درجہ میں متاثر ہو کر مشوش اور مضمحل ہو جاتا ہے اور واقعۂ حزن سے حزن طبعی ہونا گو غیر اختیاری ہے جو مضر بھی نہیں لیکن اُس کا بار بار یاد کرنا یا ذکر کرنا اختیاری ہے اور مضر بھی ہے۔ چنانچہ اسی بنار پر نصوص میں لاتحزن اور لا تحزنی وارد ہے کیونکہ منہی عنہ ہونا دلیل ہے اختیاری ہونے کی اور جس طرح اُس کا احداث یا ابقار اختیاری ہے اسیطرح

اُسکا ازالہ بھی اختیاری ہے جس کا طریق تجربہ متاید بالنص سے یہ ہے کہ کسی اہم واجب یا مباح یا طاعت میں قلب کو مشغول کر دیا جاوے۔ کلمۂ استرجاع کی تعلیم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس کا حاصل ایک مراقبہ خاص ہے تعزیت کی حقیقت بھی یہی ازالہ ہے اُس کا لقب شرعی اور عنوان لغوی خود اسکا مساعد ہے ایک عارف کا ایک مقولہ بھی اس کا صریح مویّد ہے کما فی طبقات الکبریٰ عن الحسین بن عبد اللہ الصنیجی قال لا یقطعك شئ عن شئ الا اذا کان القاطع اتم واکمل واعلی عندك فان کان مثلہ او دونہ فلا یقطعك فالحکم لما غلب علی القلب اور واقعۂ غم کی یاد کی مذکورۂ بالا ممانعت میں جو کثرت کی قید لگائی اُس کی وجہ یہ ہے کہ بالکل تذکرہ نہ کرنا اور ضبط میں مبالغہ کرنا بھی تجربہ سے مضر ثابت ہوا ہے کہ سب غبار اندر ہی اندر رہنے سے طبیعت گھٹ جاتی ہے اور اُس کی قوت دافعۂ غم گھٹ جاتی ہے اسلئے مصلحت یہ ہے کہ شروع شروع میں گاہ گاہ اپنے کسی دیندار ہمدرد سے اعتدال کے ساتھ حدود شرعیہ میں رہ کر اُس واقعۂ غم کا کسی قدر تذکرہ بھی کر لیا کرے اسکی بھی تائید نص سے ہوتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرزند حضرت ابراہیم کی وفات پر روئے بھی اور یہ بھی ارشاد فرمایا انا بفراقك یا ابراھیم لمحزونون اور دوسرے کے ساتھ اپنی ہمدردی کو بھی حد کے اندر رکھے اور وہ حد یہ ہے کہ دوسرے کو نفع تو پہونچ جائے لیکن اپنے کو ضرر نہ پہونچے۔ اس کے لئے بس عقلی ہمدردی کافی ہے اور طبعی ہمدردی کو صرف اُسی حد تک رہنے دیا جائے جس حد تک عقلی ہمدردی کے مؤثر ہونے کے لئے ضروری ہو۔ اس سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے ورنہ تجربہ سے یہ بھی مضر ثابت ہوا ہے۔ زیادہ ہمدردی اور ترحم سے قلب کو تو تکلیف ہوتی ہی ہے بعض اوقات خلاف تسلیم و تفویض خیالات پیدا ہونے لگتے ہیں جو سخت اندیشہ کی بات ہے۔

دوسرے ترک مشاغل مباحہ میں مبالغہ نہ کرے اور بالکلیہ یکسوئی اختیار نہ کرے تاکہ قلب میں ایسی چیزیں بھی مہیا رہیں جو اس قسم کے خطرات کو آنے سے روکیں بفحوائے ؏ انائے کہ پُر شد دگر چوں بَرد۔ جیسے اگر کوئی شخص بوتل کو ہوا سے خالی کرنا چاہے تو اس کی سہل صورت یہ ہے کہ اُسکو پانی سے بھر دے۔ پھر اُس کے اندر نہ ہوا رہے گی نہ ہوا کا گذر ہو سکے گا یہی حال قلب کا ہے کہ جب غیبیات کا مشاہدہ اُس میں متمکن نہ ہو تو اُس حالت میں مشاغل مباحہ خطرات منکرہ کا وقایہ ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ عقلی مسئلہ ہے کہ نفس ایک وقت میں دو طرف پوری توجہ نہیں کر سکتا۔ لیکن ان مشاغل مباحہ میں تعلقات حبّی کا بڑھانا داخل نہیں کہ وہ بھی مضر ہیں صرف تعلقات انتظامی و تفریحی کافی ہیں مثلاً انتظامات معاش۔ سیر و تفریح۔ مطالعۂ تواریخ وغیرہ۔

تیسرے خطرات کے اشتداد و امتداد کے انسداد کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں کہ اُنکی طرف التفات ہی نہ کرے۔ یہاں تک کہ بقصد دفع بھی التفات نہ کرے بلکہ ذکر میں توجہ کے ساتھ مشغول ہو جائے لیکن توجہ میں بھی مبالغہ اور تندہی نہ کرے ورنہ کاوش کرنے سے طبیعت تھک کر ملول ہو جائے گی اور پھر خطرات کا اثر ہونے لگے گا پھر ذکر میں مشغول ہو جانے کے بعد بھی اس کا منتظر نہ رہے کہ خطرات بند ہوئے یا نہیں کیونکہ باوجود ایک طرف توجہ قائم ہو جانے کے بھی دوسرے خیالات اگر بلا قصد آویں تو وہ مخل یا منافی یکسوئی کے نہیں کیونکہ خزانۂ خیال میں تو بہت سی اشیاء ہوتی ہیں وہ ضرور سامنے آئیں گی جیسے کوئی شخص بہت سے نقطوں میں سے ایک مرکزی نقطہ پر نظر جمائے رکھے تو نظر کی شعاعیں اِدھر اُدھر ضرور پھیلیں گی اور جو پاس والے نقطے ہیں وہ بھی بلا قصد نظر کے سامنے ضرور رہیں گے لیکن مستقل طور پر نظر اُسی ایک مرکزی نقطہ پر قائم رہے گی اھ

یہ تو خطرات کے اشتداد و امتداد کے انسداد کی تدابیر مذکور ہوئیں اور اگر اشتداد و امتداد واقع ہو چکا ہو جو صورت حال حضرت والا کو پیش آئی اُس کے رفع کی تدابیر بعد کو مذکور ہوں گی۔ کیونکہ ترتیب کا مقتضا یہ ہے کہ پہلے اس ابتلاء کے واقعات کی تفصیل کو جو اسوقت بیان کی جارہی ہے مکمل کیا جائے پھر جو جو اسرار و حکم الٰہیہ اس ابتلا میں مضمر تھیں اُن کو بیان کیا جائے گا اُس کے بعد اشتداد و امتداد خطرات کے رفع کی تدابیر انشاء اللہ تعالےٰ معرض تحریر میں لائی جائیں گی لہذا بمقتضائے ترتیب ہٰذا اب واقعات کی بقیہ تفصیل عرض کی جاتی ہے۔

بقیہ تفصیل واقعات غلبہ قبض و ہیبت

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حسن اتفاق سے ابتداءً یہ ابتلا تہجد کے وقت گنگوہ کے قیام میں پیش آیا تھا چنانچہ حضرت والا نے صبح کو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر استعلاجاً عرض حال کیا حضرت مولانا نے ارشاد فرمایا کہ التفات نہ کیا جائے۔ پھر حضرت والا تھانہ بھون واپس تشریف لے آئے چونکہ اسباب مذکورہ کی بناء پر قلب میں انفعال کی کیفیت حد درجہ پیدا ہو گئی تھی اس لئے وہ خطرۂ منکرہ برابر عود کرتا رہا اور روز بروز زور ہی پکڑتا چلا گیا جس سے کیفیت انفعالیہ میں اور بھی ترقی ہوتی چلی گئی وھلم جرّا یہاں تک کہ اختلاج قلب کے شدید دورے پڑنے لگے اور حضرت والا چند روز ہی میں ایسے کمزور ہو گئے جیسے کوئی مدتوں کا مریض ہو

حکیم مولوی محمد صدیق صاحب گنگوہی سے جو اپنے مقام مطب یعنی گڑھی پختہ سے تھانہ بھون آئے

ہوئے تھے بغرض معالجہ رجوع کیا گیا۔ مولوی محمد یونس صاحب مرحوم جو حضرت والا کے شاگرد تھے اور حضرت والا ہی سے بیعت بھی تھے قارورہ لیکر گئے۔ حکیم صاحب نے قارورہ دیکھ کر کہا کہ مجھے حیرت ہے یہ شخص زندہ کس طرح ہے۔ کیونکہ قارورہ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ حرارت غریزیہ بالکل فنا ہو چکی ہے۔ مولوی صاحب نے واپس آکر از راہ سادگی حضرت والا کے سامنے یہی قول بلفظہ نقل کر دیا۔ حضرت والا نے اُنھیں بہت ڈانٹا کہ تم نے یہ کیا حماقت کی۔ بھلا ایسی بات بھی کہیں مریض سے کہی جاتی ہے اور پھر مریض بھی مریضِ قلب۔ وہ بہت نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ واقعی مجھسے حماقت ہوئی لیکن اب تو ہو گئی اب کیا کروں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اب یہ کرو کہ پھر اس قارورہ کو لیجاؤ اور راستہ ہی سے لوٹ کر تھوڑی دیر بعد آکر مجھسے کہو کہ میں حکیم صاحب کے پاس پھر قارورہ لیگیا تھا اب وہ کہتے ہیں کہ میری پہلی رائے غلط تھی یہ تو اچھے خاصے ہیں کوئی اندیشہ کی بات نہیں۔ مولوی صاحب نے اسپر طالبعلمانہ اشکال پیش کیا کہ اس سے کیا ہوگا آپ تو خود ہی مجھے یہ سب سکھا کر بھیج رہے ہیں فرمایا تمھیں اس سے کیا جو میں کہہ رہا ہوں تم یہی کرو۔ کیونکہ الفاظ میں بھی اللہ تعالےٰ نے اثر رکھا ہے چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا اور حضرت والا واقعی اپنے قلب کو اُسوقت دیکھتے تھے کہ اس غیر واقعی اطلاع سے بھی اُسکو بہت سکون ہوا اور اُس وحشت میں کمی ہو گئی جو پہلی خبر سے پیدا ہو گئی تھی۔ کیونکہ قلب کی حالت تو اُس زمانہ میں بہت ہی نازک ہو رہی تھی ذرا ذراسی بات کا اثر ہوتا تھا کیوں نہ ہو ع نیست بیماری چو بیماریِ دل۔

جب طبیب کے علاج سے کچھ نفع نہ ہوا تو حضرت والا نے خود ہی یہ علاج تجویز کیا کہ مجھکو سفر میں جانا چاہیے اور دوست احباب سے ملنا چاہیئے کیونکہ حضرت والا کو جیسا اوپر بیان کیا گیا ترک مشاغل مباحثہ میں غلو کا بھی منجملہ اسباب تشویش ہونا منکشف ہو چکا تھا جب حضرت والا نے سفر کا قصد فرمایا تو بعض محبین اہل وطن نے حضرت مولانا گنگوہی رح سے خط لکھکر عرض کیا کہ ہم لوگوں کو اُن سے بہت فیض پہونچ رہا ہے اُن کو سفر سے منع فرما دیا جائے لیکن مولانا رح تو حضرت والا کی حالت سے اچھی طرح واقف تھے فرمایا نہیں نہیں اسوقت اُن کے لئے سفر ہی میں جانا مصلحت ہے روکنا ہرگز مناسب نہیں۔

حضرت والا نے اپنی ہی تجویز سے یہ تدبیر ظاہری بھی کی کہ مستعار بندوق لیکر میدان میں تشریف لیجاتے اور بلا نشانہ خالی فیر کیا کرتے اس سے بھی فائدہ ہوا کیونکہ بندوق کی محض آواز سے بھی قلب میں فرحت پیدا ہوتی تھی۔ غرض ادھر تو حضرت والا ایک شیخ محقق واقف طرق تربیت اور ماہر جذبات

فطرت ہونے کی بناء پر اپنے فہم خداداد سے ان خارجی تدابیر نافعہ کو عمل میں لائے اور اُدھر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ سے برابر بذریعہ خطوط بھی اور حاضر ہو ہو کر بھی عرض حال کرتے رہے۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت مولانا گنگوہی رح شروع سے اخیر تک برابر اُسی ایک تجویز پر قائم رہے کہ خطرات منکرہ کی طرف التفات نہ کرو اور ہمیشہ اسی پر زور دیتے رہے۔ جس سے مولانا کی اعلیٰ درجہ کی شانِ ارشاد معلوم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دعا اور توجہ بھی خاص طور سے فرماتے رہے۔ حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت مولانا گنگوہی رح کا ایک یہی ارشاد کہ خطرات کی طرف التفات نہ کرو مولانا کے امام فن ہونے کی کافی دلیل ہے اھ۔

اب اس حالت کے متعلق حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز کے بعض والا نامجات کا اقتباس مکاتیب رشیدیہ سے لیکر نقل کیا جاتا ہے وہو ہذا۔

(مکتوب اول) خط آپ کا موصول ہو کر کاشف ما فیہ ہوا اگر یہ خوف و حزن امور آخرت سے ہے تو محمود ہے۔ (چنانچہ واقع بھی یہی تھا کیونکہ امر منکر پر اگرچہ وہ غیر اختیاری ہو طبعاً محزون ہونا اُس کا منشا بجز حُبِّ حق کے کیا ہو سکتا ہے۔ پھر اس حزن سے خوف بُعد ناشی ہوا اور ان سب کا امور آخرت میں سے ہونا ظاہر ہے) بزرگوں کو اسی خوف سے بڑی بڑی شدت سے قبض واقع ہوا حتی کہ بعض نے جان بھی دی۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں ؎

جان صدیقاں ازیں حسرت بریخت | کآسماں بر فرقِ ایشاں خاک بیخت

پس ایسی حالت اور اس صورت میں تو جائے شکر ہے نہ جائے غم۔ امام غزالی رح اسی غم میں بیت المقدس میں دس سال تک پریشان اور محزون رہے کہ اطباء اُن کے علاج سے عاجز ہو گئے آخر ایک یہودی طبیب نے اُن کو دیکھا اور تشخیص کی کہ اِن کو کوئی حسی مرض نہیں ہے بلکہ خوفِ آخرت ہے اس کا کوئی علاج نہیں ہے پس مژدہ ہو کہ حق تعالےٰ نے یہ دولت آپ کو دی۔ ایسے حزن پر ہزار فرحت قربان اور اس حالت کی موت شہادت کبریٰ ہے اور اگر کوئی امر دیگر ہے تو اُس کا جواب بدون دریافت حقیقت حال کے میں نہیں لکھ سکتا۔ اور یہاں آنے کے باب میں جو آپ استفسار فرماتے ہیں تو بقول ع او خویشتن گم است کرا رہبری کند مگر معہذا اگر آپ تشریف لاویں گے تو خود ہی امید نفع کی رکھتا ہوں کہ صحبت صلحاء جس قدر میسر آوے غنیمت ہے فقط والسلام۔

(مکتوب دوم) آپ کے خط سے کیفیت معلوم ہوئی میں آپ کے لئے دعاء خیر کرتا ہوں

(الی قولہ) وسوسۂ مذکورہ میں اندیشۂ سوءِ خاتمہ بھی منجملہ اوہام ہے اس کو حتی الوسع دفع کرتے رہیں اور اجروتکفیر(سیئات) بھی یقینی ہے انشاء اللہ تعالیٰ انتہی ۱۵ ر شعبان ۱۳۱۶ھ

حضرت مولانا گنگوہی رح سے رجوع کرنے کے علاوہ حضرت والا اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کو بھی جلد جلد اطلاع حالات کرتے رہے اور وہاں سے بھی تدبیرات و بشارت و دعوات حاصل ہوتی رہیں چنانچہ مکتوبات امدادیہ کے مکتوب نمبر ۴۴ مورخہ یکم رجب ۱۳۱۶ھ میں تحریر فرماتے ہیں کہ الحمد للہ آپ کے قلب کی حالت بہت اچھی ہے یہ مقام خوف و رجا ہے اسی کو ہیبت و انس کہتے ہیں کبھی ہیبت کبھی انس کا غالب ہوجانا ہے دونوں کو ایک سمجھنا چاہئے اھ دوسرے مکتوب نمبر ۴۵ مورخہ ۱۹ ر رجب ۱۳۱۶ھ میں تحریر فرماتے ہیں خط آپ کا دوسرا بھی پہنچا پہلے خط کے جواب میں لکھ دیا گیا ہے۔ مکرر ہے کہ آپ کی حالت بھی بہت اچھی ہے انشاء اللہ تعالیٰ کچھ ضرر نہ ہوگا فقیر دعا کرتا ہے (الی قولہ) جو کچھ قلب پر وارد ہو منجانب اللہ خیال کرو جو واردات مضر ہوں گے اس مراقبہ سے سب دفع ہوجائیں گے اھ پھر مکتوب نمبر ۴۶ مورخہ ۸ ر شعبان ۱۳۱۶ھ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی حالت بہت اچھی ہے پہلے آپ کو لکھ دیا گیا ہے (الی قولہ) اس قسم کی گھاٹیاں طالب کو آیا ہی کرتی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ سب سے پار ہوجاؤ گے فقیر دعا کرتا ہے انہ سمیع قریب اھ

پھر مکتوب نمبر ۴۷ مورخہ ۲۲ ر شوال ۱۳۱۶ھ میں بھی یہی تحریر فرماتے ہیں کہ حالت آپ کی ماشاء اللہ بہت اچھی ہے اللہ تعالیٰ مبارک کرے جو کچھ بقیہ قبض ہے وہ بھی رفع انشاء اللہ تعالیٰ ہوجائے گا فقیر دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مخلصین سے کرے اھ پھر مکتوب نمبر ۴۸ مورخہ ۱۴ ر ذالحجہ ۱۳۱۶ھ میں بھی استحسان حالت تحریر فرمائی اور پھر مکتوب نمبر ۴۹ مورخہ ۱۵ محرم ۱۳۱۷ھ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی حالت اب الحمد للہ بہت اچھی ہے فقیر دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ ترقی فرماوے اھ واقعات اور مکتوبات کی تاریخوں سے مظنون ہوتا ہے کہ تقریباً ایک سال تک غلبۂ ہیبت ممتد رہا اور یہ سال حضرت والا کے دور سلوک کا گویا عام الحزن تھا۔ اس حالت کی شدت کا اندازہ بجز خود حضرت والا کے کوئی دوسرا کر نہیں سکتا بمصداق بفحوائے ؎

شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابے چنیں ہائل | کجا دانند حالِ ما سبکساران ساحلہا
اے تراخارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست | حالِ شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

چنانچہ حضرت والا ''الابتلاء لاھل الاصطفاء'' میں ایک طالب کو جنھوں نے اپنی سخت سخت باطنی پریشانیوں کی ایک طویل تفصیل لکھ کر بھیجی تھی تحریر فرماتے ہیں کہ جو جو مضائق و مصاعب

وعقبات وطلبیات آپ نے لکھی ہیں یہ تو سو حصوں میں سے ایک حصہ بھی نہیں جو جو بعض کو پیش آتے ہیں اسوقت مجکو بعض (مراد خود حضرت والا) کے احوال یاد آ گئے اور سر سے پاؤں تک اُسنے مجکو ہلا دیا ہے کہ مشکل سے اپنے کو سنبھال کر لکھنے کو موقوف نہیں کیا الخ (منقول از مقدمہ تبویب تربیت السالک اس تحریر کی تاریخ ۸ ارمحرم ۱۳۳۲ھ ہے یعنی حالت غلبۂ ہیبت کے فرو ہو جانیکے پندرہ برس بعد بھی اسکی کیفیت کے محض تصور نے حضرت والا کو سر سے پاؤں تک ہلا دیا اللہ اکبر اسی سے ناظرین اندازہ فرمالیں کہ جس کیفیت کے محض تصور نے اور وہ بھی اتنی طویل مدت گذرجانیکے بعد اسدرجہ اثر کیا اُسکے عین طریان کے زمانہ میں حضرت والا پر نہ معلوم کیا گذری ہوگی)

غرض جس حالت کا بیان کیا جارہا ہے وہ بہت ہی شدید قسم کی حالت تھی جس کا اتنی مدت تک تحمل بہ اعانت خداوندی و بہ توجہات بزرگان حضرت والا ہی جیسے عالی ظرف اور راسخ الایمان سے ہو سکا ورنہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ بدحواسی میں ضرور اپنے ایمان یا جان یا ایمان اور جان دونوں کا سخت نقصان کر بیٹھتا چنانچہ خود احقر کو بعض اہل قبض کے حالات معلوم ہیں جن کی ایسی خطرناک حالت ہو گئی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت والا کی برکت و دعا و توجہ سے جلد افاقہ نہ ہو جاتا تو وہ تو کہیں کے بھی نہ رہے تھے نہ دین کے نہ دنیا کے دونوں ہی جہان سے گئے گذرے تھے حالانکہ حسب ارشاد حضرت والا اُن کی حالت ہزارواں حصہ بھی اُس حالت کی نہ تھی جو خود حضرت والا پر طاری ہوئی تھی۔

حضرت والا کی تواضع اور صدق طلب بھی قابل صد ہزار آفریں ہے کہ اپنے کو بعد تکمیل بھی کبھی بزرگوں سے مستغنی نہیں سمجھا۔ جب بھی ضرورت پیش آئی بلا ادنیٰ تامل علاوہ اپنے پیر و مرشد کے اپنے بڑے رتبہ کے پیر بھائیوں سے بھی عرض حال کرتے رہے اور مشورے لیتے رہے چنانچہ علاوہ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز کے حضرت حاجی سید محمد عابد صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی جو حضرت حاجی صاحب رح کے خلیفہ مجاز تھے اس حالت کو ظاہر کیا سید صاحب نے بھی حال سنکر حضرت والا کی بہت تسلّی فرمائی۔ اور فرمایا کہ یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ خطرات قلب میں داخل نہیں ہو رہے بلکہ خارج ہو رہے ہیں جیسے اگر چور گھر کے اندر چوری کرنے کے لئے گھسے تب بھی دروازہ پر نظر آتا ہے اور اگر گھر والوں کے جاگ پڑنے کے بعد بھاگنے لگے تب بھی دروازہ ہی سے گذرتا ہوا نظر آتا ہے اھ اس قول کو نقل فرما کر حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میں پہلے حاجی محمد عابد صاحب کو بزرگ تو سمجھتا تھا لیکن سچی بات یہ ہے کہ شیخ اور مربی باطن اس درجہ کا نہ سمجھتا تھا لیکن اس ارشاد کو سنکر مجھے معلوم ہوا کہ شیخ اور مربی بھی کامل درجہ کے تھے اھ۔

غرض بفضلہ تعالیٰ حضرت والا سلوک کی اس دشوار گذار اور آخری گھاٹی سے بتوجہات

و تدبیرات و دعوات بزرگان پار ہو گئے اور حسن اتفاق دیکھئے کہ حضرت حاجی صاحب رح کی یہ بشارت کہ انشاء اللہ تعالیٰ سب گھاٹیوں سے پار ہو جاؤ گے حضرت حاجی صاحب رح کی حیات ہی میں پوری ہو گئی کیونکہ حضرت والا کی اس حالت کے فرو ہونے کے چند ماہ بعد ہی دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے گویا اپنے سامنے ہی حضرت والا کو سب گھاٹیوں سے پار کرا گئے اور حضرت حافظ شیرازی رح کا یہ شعر صادق آ گیا ؎

آں پریشانیٔ شبہائے دراز و غمِ دل　　ہمہ در سایۂ گیسوئے نگار آخر شد

اس جگہ حضرت حافظ شیرازی رح کی دو غزلیں بھی یاد آ گئیں جن میں سے پہلی غزل حالت ابتلاء کے اور دوسری غزل حالتِ سکون کے مناسب ہے وہ دونوں غزلیں بمناسبتِ مقام ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

پہلی غزل

(مناسب حالت ابتلاء)

نفس برآمد و کام از تو بر نمی آید	فغاں کہ بختِ من از خواب بر نمی آید
نگر بروئے دل آرائے یار من ورنہ	بہیچ گونہ دگر کار بر نمی آید
دریں خیال بسر شد دریغ عمر عزیز	بلائے زلفِ سیاہت بسر نمی آید
چناں بحسرتِ خاکِ درِ تو می میرم	کہ آب زندگیم در نظر نمی آید
بسے حکایتِ دل ہست با نسیمِ سحر	ولے بہ بختِ من امشب سحر نمی آید
قدِ بلند ترا تا ببر نمی گیرم	درختِ کامِ مرادم ببر نمی آید
مقیم زلفِ تو شد دل کہ خوش ہوائے خوشت	وزاں غریبِ بلاکش خبر نمی آید
ہمیشہ تیرِ سحر گاہ من خطا نشدے	کنوں چہ شد کہ یکے کارگر نمی آید
زبسکہ شد دل حافظ رمیدہ از ہمہ کس	کنوں ز حلقۂ زلفت بدر نمی آید

دوسری غزل

(مناسب حالت سکون)

روز ہجران و شبِ فرقتِ یار آخر شد	زدم ایں فال و گذشت اختر و کار آخر شد

آں ہمہ ناز و تنعم کہ خزاں می فرمود ۔۔۔ عاقبت در قدمِ بادِ بہار آخر شد
بعد ازیں نور بہ آفاق دہیم از دلِ خویش ۔۔۔ کہ بخورشید رسیدیم و غبار آخر شد
آں پریشانی شبہائے دراز و غمِ دل ۔۔۔ ہمہ در سایۂ گیسوئے نگار آخر شد
ساقیا عمر دراز و قدحت پُرمی باد ۔۔۔ کہ بسعیِ تو ام اندوہِ خمار آخر شد
شکر ایزد کہ بہ اقبالِ کلہ گوشۂ گُل (غلط صحیح) ۔۔۔ نخوتِ بادِ دے و شوکتِ خار آخر شد
صبحِ اُمید کہ بُد معتکفِ پردۂ غیب ۔۔۔ گو بروں آئے کہ کارِ شبِ تار آخر شد
گرچہ آشفتگیِ کارِ من از زلفِ تو بود ۔۔۔ حلِ ایں عقدہم از روئے نگار آخر شد
در شمار ارچہ نیاورد کسے حافظ را ۔۔۔ شکر کاں محنتِ بیحد و شمار آخر شد

اس حالت کے طریان کے زمانہ میں حضرت والا نے بیعت لینا اور تعلیم و تلقین کرنا سب موقوف فرما دیا تھا کیونکہ اُس حال میں تو حضرت والا اپنی فکر میں شب و روز مبتلا تھے دوسروں کی جانب توجہ کرنے کی کہاں فرصت تھی اور کسے ہوش تھا۔ طالبین بہت اصرار کرتے لیکن حضرت والا عذر فرما دیتے اور از راہِ تدین صاف فرما دیتے کہ ایسی حالت میں مجھ سے رجوع کرنا بالکل بے سود ہے کیونکہ میں تو اپنے ہی غم میں گرفتار ہوں۔ لیکن ایک صاحب بریلی میں بہت ہی مُصر ہوئے اور باوجود اس کے کہ حضرت والا نے صاف طور پر متنبہ فرما دیا تھا کہ کچھ نفع نہ ہوگا پھر بھی اصرار کر کے بیعت ہو ہی گئے مگر حسب ارشاد حضرت والا بیعت سے اُن کی حالت میں کوئی اصلاحی تغیر واقع نہ ہوا اور حضرت والا کی فراست کہ کچھ نفع نہ ہوگا بالکل صحیح ثابت ہوئی۔

حضرت والا کی اس خاص حالت باطنی یعنی غلبۂ ہیبت کے متعلق ضروری ضروری واقعات بیان کئے جا چکے اب آخر میں خود صاحب واقعہ یعنی حضرت والا کے قلم مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ میں اس حالت کی مختصر کیفیت جو حضرت والا نے اپنی تصنیف یاد یاراں (تذکرۂ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز) میں بضمن احسانات مولانا رح تحریر فرمائی ہے درج ذیل کیجاتی ہے وہی ہذا۔

"اور دوسرا احسان متعلق باطن کے سو اُس کی تفصیل میں چونکہ مخفیات کا اظہار بھی ہے اور نیز وہ قصہ بھی نہایت دردناک اور ناگوار ہے اس لئے محض اس اجمال پر اکتفا کرتا ہوں کہ میری شامتِ اعمال و کثرت معاصی سے (یہ سوءِ ظن بنفسہ قابل تقلید ہے "مؤلف") مجھ پر ایسی ایک

ع۱؎ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ بعد سکون غلبۂ قبض و ہیبت ایسا ہی ہوا اور ہو رہا ہے ۱۲ ع۲؎ یعنی بہ ظل عاطفت مرشد ۱۲

حالت شدید طاری ہوئی تھی کہ باوجود صحت بدنی کے زندگی سے مایوسی تھی بلکہ موت کو ہزار ہا درجہ حیات پر ترجیح دیتا تھا اور اُس کو اس سے زیادہ عنوان سے تعبیر نہیں کر سکتا ؎

دوگونہ رنج و عذاب ست جانِ مجنوں را	بلائے فرقتِ لیلےٰ و وصلتِ لیلےٰ

اُسوقت حضرت قدس سرہٗ نے دعاو تعلیم وہمت سے خاص توجہ فرمائی جس سے ہوش و حواس درست ہوئے اور جان میں جان آئی اور اُس حالت کے طریان کے اور پھر اُس کے زوال کے منافع بحمداللہ محسوس ہوئے۔ ان دونوں احسانوں کو عمر بھر نہ بھولوں گا اور حکم بھی یہی ہے۔ من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ۔

تبدیل حالتِ قبض وہیبت بحالت بسط و اُنس

(جس پر احقر مؤلف حضرت صاحب سوانح کے حضور میں نہایت ادب و مسرت کے ساتھ حضرت عارف شیرازی رح کے یہ اشعار بطور تہنیت پیش کرتا ہے ؎

حافظ شبِ ہجراں شد بوئے خوش صبح آمد	شادیت مبارکباد اے عاشق شیدائی
رسید دولتِ وصل و گذشت محنتِ ہجر	نہاد کشور دل باز رہ بہ معموری

یہ ابتلائے شدید و مدید جس کی تفصیل اوپر بیان کی گئی حضرت والا کے سلوک کی سخت ترین اور آخری گھاٹی تھی جس سے بعون اللہ تعالےٰ و بتوجہات بزرگان حضرت والا پار ہو کر بفضلہ تعالیٰ پھر جمعیت باطنی و انشراح قلبی سے مشرف ہو گئے اور پھر وہی سابقہ کیفیت بسط و اُنس اور ذوق و شوق کی عود کر آئی بمصداقِ اشعار ہذا ؎

باز آمد آبِ من در جوئے من	باز آمد شاہِ من در کوئے من۔
باز سودائی شدم من اے طبیب	باز دیوانہ شدم من اے حبیب

بلکہ اس شدید و مدید قبض کے بعد جو بسط و اُنس میسر ہوا وہ بفضلہ تعالےٰ بے نظیر و لازوال اور ترقی پذیر تھا اور جو انشراح و سکون حاصل ہوا وہ نہایت راسخ و متمکن اور روز افزوں تھا اور اس انجام بخیر کے لحاظ سے حضرت والا کی یہ ابتلا شدید بالکل حضرت عراقی رح کے اس شعر کا مصداق نکلا ؎

خوشا دردے کہ درمانش تو باشی	خوشا راہے کہ پایانش تو باشی

ضمیمہ۔ اس جگہ رسوخ و تمکن حال کی جس کو اصطلاح صوفیہ میں مقام سے تعبیر کرتے ہیں شرح

؎ پہلا احسان متعلق علم ظاہر کے مجلس کا مضمون یاد یاراں ہی سے اپنے موقع پر اسی باب میں پیشتر نقل کیا جا چکا ہے ۱۲

شرح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ غلط فہمی واقع نہ ہو صاحب مقام ہو جانیکے یہ معنی نہیں کہ سالک تغیرات احوال سے بالکل ہی خالی ہو جاتا ہے کیونکہ حسب ارشاد حضرت والا تغیرات عارضی تو بربنا، مصالح لوازم سلوک سے ہیں جو رسوخ کامل اور تمکین تام کے حصول کے بعد بھی سالکین کے احوال میں گاہ گاہ واقع ہوتے رہتے ہیں لیکن اُن میں اشتداد و امتداد و اعتداد نہیں ہوتا جیسے صحت کاملہ کے حاصل اور اعتدال مزاج قائم ہو جانیکے بعد بھی موسم کے بدلنے یا دیگر اسباب خارجی سے احیاناً کبھی زکام ہو جاتا ہے کبھی طبیعت کسلمند ہو جاتی ہے کبھی بخار بھی چڑھ آتا ہے مگر اس قسم کی عارضی شکایات صحت طبعیہ کے منافی نہیں ہوتیں غرض اعتبار غالب حالت کا ہے اگر سالک میں آثارِ مقام غالب ہیں تو وہ صاحبِ مقام ہے گو احیاناً اُس میں آثار حال کا بھی ظہور ہو اور اگر آثار حال غالب ہیں تو وہ صاحب حال ہے گو احیاناً اُس میں آثار مقام بھی پائے جائیں جیسے وہ شخص صحیح المزاج ہے جس میں آثار صحت غالب ہوں گو کبھی کبھی کسی خلط کا غلبہ بھی ہو جائے اور وہ شخص مریض ہے جس میں آثار مرض غالب ہوں گو کبھی کبھی اس کو افاقہ بھی ہو جاتا ہو۔

غرض کاملین پر بھی کبھی کبھی غلبۂ حال ہو جاتا ہے لیکن وہ منافی کمال نہیں ہوتا۔ بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام پر بھی کبھی کبھی اُن حضرات کی شان کے موافق غلبۂ حال طاری ہوا ہے چنانچہ یوم بدر میں حضور سرور عالم فخر انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس ابتہال کے ساتھ دعا فرمائی تھی وہ بھی غلبۂ حال ہی سے ناشی تھا بلکہ گاہ گاہ فرشتوں سے بھی غلبۂ حال منقول ہے حالانکہ اُن میں انفعال بشری بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا فرعون کے منہ میں کیچڑ ٹھونسنا روایت ترمذی میں مذکور ہے لیکن صاحب مقام پر جو غلبۂ حال ہوتا ہے اُس میں وہ حدود سے خارج نہیں ہوتا بخلاف صاحب حال کے وہ کبھی حدود سے بھی خارج ہو جاتا ہے کہ اُس کو گناہ نہیں ہوتا کیونکہ بوجہ مغلوبیت وہ اُسوقت مرفوع القلم ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت والا کو بحمد اللہ تعالیٰ اُس قبض شدید و مدید کے بعد پھر اس درجہ کا قبض کبھی پیش نہیں آیا اور بفضلہ تعالیٰ حالت باطنی میں ایک مستحکم کیفیت تمکن و رسوخ کی پیدا ہو گئی لیکن حسب تحقیق بالا عارضی تغیرات سے بالکل خالی کیونکر رہ سکتے ہیں وہ تو عادۃً لوازم سلوک سے ہیں اور سالک کو صاحب مقام ہو جانیکے بعد بھی گاہ گاہ پیش آتے رہتے ہیں جن میں سے اکثر تو عام طور پر ظاہر بھی نہیں ہونے پاتے لیکن بعض ظاہر بھی ہو جاتے ہیں چنانچہ حضرت والا کا بھی ایک واقعہ غلبۂ حال کا احقر کو ثقہ راویوں سے معلوم ہوا جو چند ہی سال ہوئے دوران وعظ میں بمقام مسجد خانقاہ تھانہ بھون پیش آیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ دوران وعظ میں حضرت والا نے کسی مضمون کے سلسلہ میں بہت جوش اور نہایت کیف کے ساتھ مثنوی شریف کے یہ اشعار پڑھے ؎

اے حریفاں راہ ہا را بست یار	آہوئے لنگیم و او شیر شکار	جز کہ تسلیم و رضا کو چارۂ	در کفِ شیر نرِ خوں خوارۂ

بس دوسرے شعر کا پڑھنا تھا کہ حضرت والا حالت کا اسقدر غلبہ ہوا کہ بے اختیار زور سے

ایک چیخ نکل گئی۔ اور دیر تک خود بھی بیحد مضطرب رہے اور سامعین کو بھی مضطرب رکھا خصوصیت مضمون اور قرائن حالیہ ومقامیہ سے صاف نمایاں تھا کہ یہ کیفیت غلبۂ ہیبت سے ناشی ہو اس کیفیت کا عود گویا اس شعر کا مصداق تھا

بازگلبانگِ پریشاں میزنم | آتش اندر عندلیباں میزنم

اللہ اللہ وہ کیفیت بھی کس قوت کی کیفیت ہوگی جس نے حضرت والا جیسے کوہ استقلال کو بعد حصول تمکین تام بھی از جارفتہ کردیا۔ کیوں نہ ہو صاحب مقام کے بھی صبر و استقلال کی آخر ایک حد ہوتی ہو جب اُسپر کسی ایسی قوی کیفیت کا ورود ہوتا ہو جسکی قوت اُس حد سے فوق ہوتی ہے تو اُس سے فی الحال مغلوب ہو جاتا ہو لیکن فی المآل جلدی ہی پھر اُسپر غالب آجاتا ہو استداد نہیں ہونے پاتا نہ زیادہ اشتداد ہوتا ہو اور اس قسم کا غلبہ بھی کبھی کبھی ہوتا ہو بکثرت نہیں ہوتا اور اگر ایسی قوی کیفیت کا ورود غیر صاحبِ مقام پر ہو تو اُسکی تو جان ہی کے لالے پڑجائیں غرض اس قسم کا غلبۂ حال منافی تمکین نہیں بلکہ اُس کو بھی باعتبار حقیقت ایک درجہ کی تمکین ہی کہنا زیبا ہے بقول حضرت شیفتہ ؎

باحسنش ایں جنوں کہ تو بینی تحمل است | ناصح ملامتے مکن ایں ناشکیب را

یہ تو وہ غلبۂ حال تھا جسکا حاضرین پر اظہار ہوگیا۔ اسکے علاوہ خفیف ولطیف کیفیات کا ورود تو ہوتا ہی رہتا ہے جو اپنی ذات میں تو عظیم اور قوی ہوتی ہیں لیکن محلِ وُرود کی قوتِ تحمل اور استقلال تمکین کی وجہ سے اُنکے آثار بصورت غلبہ نمایاں نہیں ہونے پاتے لیکن ایسی کیفیات لطیفہ روحانیہ کے آثار لطیفہ بھی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں رہتے چنانچہ حضرت والا کی بات بات سے آثارِ خشیت ایسے نمایاں ہوتے رہتے ہیں کہ طریق سے ادنیٰ مناسبت رکھنے والا بھی اُنکا بوضاحت وبسہولت ادراک کرسکتا ہے اور کرتا رہتا ہے اُن آثار کی چند مثالیں بھی آئندہ بیان حکمتِ حالتِ قبض وہیبت میں عرض کی جائیں گی جو اس دعویٰ کی دلیل ہونگی۔ اگرچہ حضرت والا کے کمالاتِ حالیہ و احوالِ رفیعہ ایسے کھلے ہوئے ہیں کہ صاحب نظر و انصاف اور غیر معاند کو ہرگز کسی دلیل کی حاجت نہیں حسب ارشاد حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب | گر دلیلت باید از وے رومتاب

لیکن ؎

مغز را خالی کن از انکار یار | تا کہ ریحاں یابی از گلزار یار

اب اس ضمیمہ ضروریہ و مفیدہ کو صاحبِ مقام اور صاحبِ حال کی کیفیات کے باہمی فرق کی ایک نہایت واضح مثال پر ختم کیا جاتا ہو جو حضرت والا نے ایک موقع پر ارشاد فرمائی تھی ایک بار حضرت والا خانقاہ کے سقاوہ میں سے وضو کیلئے گرم پانی لے رہے تھے ڈھکن جو کھولا تو اندر سے بھاپ نکلی اور نیچے ایندھن جل رہا تھا اُسکا دھواں بھی اُٹھا جس سے آنکھوں کو تکلیف ہوئی فوراً فرمایا کہ صاحب مقام پر بھی کیفیات کا ورود ہوتا ہو لیکن اُن کیفیات میں لطافت ہوتی ہو جیسی اس بھاپ میں ہو کیونکہ وہ روحانی ہوتی ہیں برخلاف اسکے صاحب حال کی کیفیات نفسانی ہوتی ہیں جن میں ثقل ہوتا ہے جیسا اس دھوئیں میں ہے۔ تمت الضمیمہ۔

عود الی السابق

حضرت والا کے اس ابتلاء شدید کی جس کو اصطلاح صوفیہ میں ہیبت سے تعبیر کرتے ہیں جو قبض کی اعلیٰ ترین قسم ہے اور جس کا طریان کاملین ہی پر ہوتا ہے ضروری تفصیلات سے بعون اللہ تعالیٰ و بحمدہ فراغت ہوگئی اب بعض آیات و احادیث اور ابیات عارفین و عشاق جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکثر احوال میں نزول بلا عادۃً لوازم سلوک سے ہے بطور نمونہ ذیل میں درج کیجاتی ہیں۔

آیات

(قولہ تعالیٰ) لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ و قولہ تعالیٰ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وقال العارف الرومی رحمۃ اللہ علیہ فی حاصلہ

حق تعالیٰ گرم و سرد و رنج و درد — بر تن ما می نہد اے شیر مرد
خوف و جوع و نقص اموال و بدن — جملہ بہر نقد جاں ظاہر شدن

و قولہ تعالیٰ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ و قولہ تعالیٰ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَاْتِکُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ مَسَّتْھُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ و قولہ تعالیٰ اِذْ جَآءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا ھُنَالِکَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا و قولہ تعالیٰ وَنَبْلُوْکُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَۃً (فی الجلالین کفقر و غنی و سقم و صحۃ و فی جامع البیان بالمضارۃ و بالنعم اخری)

احادیث

عن عائشۃ رضی فی حدیث طویل قصۃ فترۃ الوحی زاد البخاری حتیٰ حزن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما بلغنا حزنا غدا منہ مرارا کی یتردی من رؤس شواھق الجبل فکلما اوفی بذروۃ جبل لکی یلقی نفسہ منہ تبدی لہ جبرئیل فقال یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انک رسول اللہ حقا فیسکن لذالک جاشہ و تقر نفسہ وقال العارف الرومی فی حاصلہ

مصطفےٰ را ہجر چوں بفراختے — خویش را از کوہ می انداختے
تا بگفتے جبرئیلش ہیں مکن — کہ ترا بس دولتست از امر کن
مصطفےٰ ساکن شدے ز انداختن — باز ہجراں آوریدے تاختن
باز خود را سرنگوں از کوہ او — می فگندے از غم و اندوہ او
باز گشتے پیش پیدا جبرئیل — کہ مکن ایں کہ تو شاہی بے بدیل
ہمچنیں می بود تا کشف حجیب — تا بیابد آں گہر را او زجیب

بہر ہر محنت چو خود را می کشند	اصل محنتہاست ایں چونش کشند
اے خنک آں کو فدا کردہ است تن	بہر آں کارزو فدائے او شدن
بارے آں مقبل فدائے ایں تن است	کاندراں صد زندگی در کشتن است

عن سعد قال سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الناس اشد بلاءً قال الانبیاء ثم الامثل فالامثل یبتلی الرجل علیٰ حسب دینہ فان کان فی دینہ صلبًا اشتد بلاءہ للعارف الرومی فی حاصلہ ؎

زاں بلاہا کانبیا برداشتند سر بہ چرخ ہفتمیں افراشتند

وان کان فی دینہ رقۃ ہون علیہ فمازال کذلک حتی یمشی علی الارض مالہ ذنب رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی

اقوالِ عارفین وعشاق

ازعارف شیرازی رح

ز پیچ زلف تو ہر حلقۂ و آشوبے (۱) ز سحر چشم تو ہر گوشۂ و بیمارے
تحصیلِ عشق و رندی آساں نمود اوّل (۲) جانم بسوخت آخر در کسبِ ایں منازل
الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا (۳) کہ عشق آساں نمود اوّل و لے افتاد مشکلہا
درد نیست درد عشق کہ اندر علاج او (۴) ہر چند سعی بیش نمائی بتر شود
بحر یست بحرِ عشق کہ ہیچش کنارہ نیست (۵) آنجا جز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست
بہ فتراکِ بلا جانہا چو بر بندند بربندند (۶) ز زلفِ عنبریں دلہا چو بفشانند بفشانند
دکّانِ عاشقی را بسیار مایہ باید (۷) دلہائے ہمچو آتش چشمان رودبارے
در آں ہوا کہ جز برق اندر طلب نباشد (۸) گر خرمنے بسوزد چندیں عجب نباشد
مرغے کہ باغمِ دل شد الفتیش حاصل (۹) بر شاخسارِ عمرش برگِ طرب نباشد
در رہِ منزلِ لیلےٰ کہ خطرہاست بجاں (۱۰) شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی
تا صد ہزار خار نمی روید از زمیں (۱۱) از گلبنے گلے بہ گلستاں نمی رسد
در طریقِ عشقبازی امن و آسائش خطاست (۱۲) ریش باد آں دل کہ با دردش بجوید مرہمے
اہل کام و ناز را در کوئے رنداں راہ نیست (۱۳) رہروے باید جہاں سوزے نہ خامے بیغمے
در ہر کہ بنگری بہ غمے از تو مبتلاست (۱۴) یک دل ندیدہ ام کہ ز عشقت خراب نیست

ع ؎ بتغییر یسیر ۱۲

از حضرت عراقی رح

بعالم ہر کجا رنج و بلا بود (۱۵) بہم کردند و عشقش نام کردند

از نواب مصطفٰے خانصاحب شیفتہ رح

شعلۂ خو جانگداز و لمعۂ رو تاب سوز (۱۶) ہاں نہ پنداری کہ در وصل است آساں زیستن

در خرابات یکے نیست کہ رسوا نبود (۱۷) بلبلے نیست بہ گلزار کہ شیدا نبود

آسودہ خاطری و تجلی طلب کنی (۱۸) ایں برق کے بجز دل ناشادماں رسد

اتصالِ دوست آساں نیست پیش از اتصال (۱۹) انفصالِ تن زجان و جاں زتن خواہد شدن

از حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رح

جانِ صدیقاں ازیں حسرت بریخت (۲۰) کآسماں بر فرقِ ایشاں خاک بیخت

از عارف رومی رح

اینچنیں شیخے گدائے کو بکو (۲۱) عشق آمد لا اُبالی فاتقوا

از حضرت جامی رح

نسازد عشق را کنجِ سلامت (۲۲) خوشا رسوائی کوئے ملامت

متفرقات

ما پروریم دشمن و ما می کشیم دوست (۲۳) کس را رسد نہ چون و چرا در قضائے ما

قطعہ

تا بلا بر کسے قضا نکنیم (۲۴) نامِ او رازِ اولیا نکنیم

ایں بلا گوہرِ خزانۂ ماست (۲۵) گوہرِ خود بکس عطا نکنیم

نوٹ یہ کل اشعار پچیس ہیں۔

اب حسب وعدہ سالکین کے فائدہ بالخصوص اہل ابتلاء کی تسلی کے لئے اس حالت رفیعہ یعنی قبض و ہیبت کی چند خاص خاص حکمتیں بھی نمونہ کے طور پر بیان کی جاتی ہیں وباللہ التوفیق۔

بیانِ حکمتِ حالتِ قبض و ہیبت

اس فصل کے تین جزو ہیں۔ جزو اول میں انشاء اللہ تعالٰے وہ حکمتیں بیان کی جائیں گی جو حضرت والا کے مجموعی حالات کے مشاہدہ سے بداہۃً مفہوم ہوتی ہیں۔ جزو دوم میں اُن حکمتوں کو

نقل کیا جائے گا جو خود حضرت والا نے اپنی بعض تحریرات میں ارقام فرمائی ہیں اور جزو سوم میں وہ حکمتیں درج کی جائیں گی جو آیات و احادیث اور کلام قوم میں منتشر طور پر مذکور ہیں۔

جزو اول۔ حضرت والا کا یہ باطنی ابتلاء بمصداقِ ارشاد خداوندی عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ محض صورۃً ابتلاء تھا حقیقۃً سرچشمۂ الطافِ ربّ العلیٰ اور منبع رحمتِ خدا تھا جس کے اندر نہ صرف خود حضرت والا کی بے انتہا ترقیاتِ باطنیۂ خاصہ مضمر تھیں بلکہ طالبین کی بیشمار مصالح دینیہ عامہ بھی مستتر تھیں۔ اُسوقت تو حضرت والا اس بلائے ناگہانی سے بیحد پریشان تھے کہ یا اللہ میں کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا لیکن یہ خبر نہ تھی کہ اس ظلمات کی تیرگی میں چشمۂ آبِ حیات موجیں مار رہا ہے اور یہ جو غم واندوہ کی گھنگھور گھٹا قلبِ محزوں پر چاروں طرف سے چھائی ہوئی ہے درحقیقت نزول بارانِ رحمتِ الٰہی کا پیش خیمہ ہے۔ حضرت والا کو جو جو ترقیاتِ باطنیہ خاصہ اس ابتلاء سے حاصل ہوئیں اُن کا تفصیلی علم تو بھلا کسی کو کیا ہو سکتا ہے کیونکہ ؎

میانِ عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

اور نہ اس تفصیل کو حضرت والا سے دریافت کرنے کی کوئی جرأت کر سکتا ہے بقوائے ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پُرسد ز باغباں بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

لیکن اجمالاً اتنا سب اہل طریق کو معلوم ہے کہ سلوک کا اعلیٰ ترین مقام مقامِ عبدیت ہے اور یہ بھی مسلمات اہل طریق سے ہے کہ ایسے شدید و مدید قبض میں جیسا کہ حضرت والا کو پیش آیا تھا ثابت قدم رہنے کے بعد سالک بعون اللہ تعالیٰ مقام عبدیت میں نہایت متمکن اور راسخ القدم ہو جاتا ہے کیونکہ متصرف حقیقی کے تصرفاتِ عظیمہ کو خود اپنے اندر مشاہدہ کر لینے کے بعد ہکو اپنا ہیچ در ہیچ اور لاشئے محض ہونا روز روشن کی طرح مشاہد ہو جاتا ہے اور اس مشاہدۂ عجز کی بدولت وہ بفضلہ تعالیٰ نزول کامل سے جو ترقیات باطنیہ کی انتہائی منزل ہے مشرف و ممتاز اور سربلند و سرفراز ہو جاتا ہے۔ نیز چونکہ تغیراتِ احوال قلب کا اُس کو خوب اچھی طرح اور ذاتی طور پر تجربہ ہو چکا ہوتا ہے اس لئے عدم غلبۂ ہیبت کی حالت میں بھی وہ عظمت و جلالِ خداوندی اور شوکت و ہیبتِ قضاؤ قدر الٰہی سے ہمیشہ ترساں و لرزاں ہی رہتا ہے اور اچھی سے اچھی باطنی حالت کو بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہوئے اُس کو کبھی عُجب و ناز کا واہمہ بھی نہیں ہوتا کیونکہ بربناء تجربہ سابق وہ اُس حالت کو حدوثاً محض موہبت خدا اور بقاءً ہر وقت زیر تصرف رب العالمین کئے ہوئے ہوتا ہے غرض استحضارِ عظمت حق اُس کا حالِ دائمی اور غایتِ ادب و احترام حضرت ذوالجلال

والا کرام اُس کا اقتضاء طبعی اور تفویض کامل وفناء تام اُس کا شعار زندگی ہو جاتا ہے یا بطور حاصل یوں کہئے کہ عبدیتِ محضہ اُس کی صفت لازمہ وبندگی وسرافگندگی اُس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے

چنانچہ حضرت والا کی ذات عالی صفات کے اندر ان اوصاف جلیلہ کا تحقق بدرجہ اتم ادنیٰ بصیرت رکھنے والوں کو بھی بملاحظۂ حالات ومصنفات اور استماع ملفوظات وارشادات سے رات دن کالشمس فی نصف النہار مشاہد ہو رہا ہے حاجت بیان نہیں کیونکہ عیاں راچہ بیاں اور بیان بھی کیا جائے تو کیا کیا اور کیونکر کیونکہ ان اشعار کا مضمون صادق آرہا ہے سے

دامانِ نگہ تنگ وگلِ حسنِ تو بسیار | گلچینِ بہارِ تو زداماں گلہ دارد
گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید | لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید

تاہم چند واقعات بطور نمونہ گذارش کئے جاتے ہیں۔

(واقعہ نمبر ۱) بارہا قسم کھا کھا کر فرمایا کرتے ہیں کہ میں اپنے آپ کو کسی مسلمان سے حتیٰ کہ اُن مسلمانوں سے بھی جن کو لوگ فساق وفجار سمجھتے ہیں فی الحال اور کفار سے بھی احتمالاً فی المآل افضل نہیں سمجھتا اور آخرت میں درجات حاصل ہونے کا کبھی مجھے وسوسہ بھی نہیں ہوتا کیونکہ درجات تو بڑے لوگوں کو حاصل ہوں گے۔ مجھے تو جنتیوں کی جوتیوں میں بھی جگہ مل جائے تو اللہ تعالےٰ کی بڑی رحمت ہو اس سے زیادہ کی ہوس ہی نہیں ہوتی اور اتنی ہوس بھی بربناء استحقاق نہیں بلکہ اس لئے کہ دوزخ کے عذاب کا تحمل نہیں اور یہ جو میں بضرورتِ اصلاح زجر وتوبیخ کیا کرتا ہوں تو اُسوقت یہ مثال پیش نظر رہتی ہے جیسے کسی شاہزادے نے جرم کیا ہو اور بھنگی جلاد کو حکم شاہی ہوا ہو کہ اُس شہزادے کو دُرّے لگائے تو کیا اُس بھنگی جلاد کے دل میں دُرّے مارتے وقت کہیں یہ بھی وسوسہ ہو سکتا ہے کہ میں اس شاہزادے سے افضل ہوں۔ غرض کوئی مومن کیسا ہی بد اعمال ہو میں اسکو حقیر نہیں سمجھتا بلکہ فوراً یہ مثال پیش نظر ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی حسین اپنے منھ پر کالک مل لے تو اُسکو جاننے والا کالک کو بُرا سمجھے گا لیکن اُس حسین کو حسین ہی سمجھے گا اور دل میں کہے گا کہ یہ جب کبھی بھی صابون سے منھ دھولے گا پھر اس کا وہی چاند سا منھ نکل آئے گا غرض مجکو صرف فعل سے نفرت ہوتی ہے فاعل سے نفرت نہیں ہوتی اھ

(واقعہ نمبر ۲) ایک بار احقر نے حضرت والا کے ایک ذی فضل معتقد کا یہ قول نقل کیا کہ میں آخرت میں اپنا کوئی عمل ایسا نہ پیش کر سکوں گا جو خالص ہو۔ اس کو سنکر حضرت والا جو اُسوقت کسی خط کا جواب لکھ رہے تھے لکھتے لکھتے بے اختیار رُک گئے اور چہرۂ مبارک پر بہت نمایاں آثار سخت خجلت وندامت

کے ظاہر ہونے لگے اور غلبہ عبدیت سے بیٹھے بیٹھے کسی قدر جھک بھی گئے اور پھر تھوڑی دیر تک اسی ہیئت سے ساکت بیٹھے رہنے کے بعد بہت حسرت کے لہجہ میں فرمایا کہ جی ہاں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے لائق کیا کوئی عمل پیش کیا جا سکتا ہے پھر لیلۃ اللّبن والی حکایت بیان فرمائی۔

(واقعہ نمبر ۳) ایک بار فرمایا کہ جب میں کسی کے ہدیہ کو رد کرتا ہوں تو گو وجہ کے ساتھ ہو لیکن بہت ڈرتا ہوں کیونکہ غور کرنے سے کسی قدر شک کِبر کا ہوتا ہے جس سے نہایت خوف ہوتا ہے اللہ تعالیٰ معاف فرماویں۔ استغناء اور کِبر میں فرق نہایت دشوار ہے دونوں بہت متشابہ ہیں کبھی اس میں دھوکہ ہو جاتا ہے کہ جس کو ہم استغناء سمجھ رہے ہیں وہ دراصل ہوتا ہے کِبر۔ خدا ہی محفوظ رکھے تو انسان محفوظ رہ سکتا ہے ورنہ ہمارا ہر قول فعل حال قال سب ہی پُر از خطر ہے کوئی حالت خطرہ سے خالی نہیں مجھے تو اب وہ شعر اکثر یاد آیا کرتا ہے جو کبھی بچپن میں پڑھا تھا ؎

من نگویم کہ طاعتم بپذیر　　قلمِ عفو بر گناہم کش

بلکہ بروئے حدیث (یعنی قول حضرت عمرؓ کہ ہمارے جو اعمال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں ہوئے ہیں وہ تو مقبول ہو جاویں اور حضور کے بعد جو ہوئے ہیں اگر ان پر مواخذہ نہ ہو تو غنیمت ہے اجر کی ہم ہوس نہیں کرتے ۱۲) بر گناہم تو کیا حق تعالیٰ خود ہماری طاعات کو معاف فرماوے۔ اور طاعات تو خیر کیا قابل معافی ہوتیں مطلب یہ ہے کہ جو اُن میں کوتاہی ہے وہ معاف فرمائے کیونکہ جن کو ہم اپنی طاعات سمجھ رہے ہیں وہ درحقیقت طاعات ہی کب ہیں جس طرح کوئی بے ڈھنگے طور سے پنکھا جھل رہا ہو یا اور کوئی خدمت کر رہا ہو تو وہ تو اپنے جی میں بڑا خوش ہو گا کہ ہم خدمت کر رہے ہیں حالانکہ بعضوں کی خدمت سے سخت اذیت ہوتی ہے لیکن محض دلشکنی کی وجہ سے اُن کو منع نہیں کیا جاتا اسی طرح ہماری طاعات ہیں کبھی کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ہم نے گھنٹہ بھر تک اللہ اللہ کیا ہے یہ خبر نہیں کہ وہاں کچھ پوچھ تک نہیں ہوئی ایسی طاعات پر میں کہتا ہوں کہ ہم لوگوں پر اگر مواخذہ نہ ہو تو غنیمت ہے۔ درجات کی تو اہل درجات تمنا کریں یہاں تو بس یہ التجا ہے کہ حق تعالیٰ سزا سے بچاویں۔ خواہ جنت میں صفِ نعال ہی میں جگہ مل جائے (منقول از حسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۹۰)

(واقعہ نمبر ۴) ایک ذی وجاہت رئیس کے ایک بڑے عہدے دار عزیز کو دفعۃً سخت نمونیہ ہو گیا جس سے سب اعزّہ کو نہایت درجہ تشویش لاحق ہو گئی کیونکہ زندگی کی بھی امید نہ رہی تھی۔ اُن رئیس صاحب نے گھبرا کر حضرت والا کو فوراً تار دیا کہ دعائے صحت فرماویں حضرت والا نے دعا

فرمائی بفضلہ تعالےٰ خلاف توقع بہت جلد مرض کا استیصال ہو گیا۔ جس سے ڈاکٹروں کو بھی حیرت تھی۔ اُن رئیس صاحب نے حضرت والا کو لکھا کہ اللہ تعالےٰ نے حضور والا کی دعا کو قبول فرمالیا اور ہم لوگوں کو زندہ درگور ہونے سے بچالیا جب انتہائی وحشت ہوئی تو حضور والا کو تار دیا۔ قاضی کی دوڑ مسجد تک ۱ھ احقر کو بھی یہی لکھا تھا کہ قاضی کی دوڑ مسجد تک۔ جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے تو حضرت قبلہ ہی کو دعا کے لئے تکلیف دی جاتی ہے اور بفضلہ تعالیٰ ہمیشہ کامیابی ہوتی ہے۔ قاضی کی دوڑ مسجد تک کے فقرے پر حضرت والا نے غایت تواضع سے نہایت لطافت کے ساتھ تحریر فرمایا کہ مسجد مگر بے چھت کی جسمیں نہ سردی کا بچاؤ نہ دھوپ کا نہ بارش کا مگر معتقدین چھتریاں کھول کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور نام مسجد کا وہ چھتری آپ کی محبت اور حسن ظن ہے (جس کی برکت سے اللہ تعالےٰ فضل فرمادیتے ہیں ۱۲)

(واقعہ نمبر ۵) ایک سلسلۂ کلام میں نہایت پُر اثر اور بہت ہی پستی اور شکستگی کے لہجہ میں فرمایا کہ نہ علم کا اعتبار نہ عمل کا اعتبار نہ حال کا اعتبار نہ مقام کا اعتبار کسی شے کا اعتبار نہیں یہاں تک کہ جو سب سے زیادہ ضروری چیز ہے یعنی ایمان اُس کے بقا کا بھی کیا اعتبار کیونکہ قضا و قدر سب جکڑ بند ہیں۔ کیا معلوم کس کے لئے کیا مقدر ہو چکا ہے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جانتا ہے کہ یہ گناہ ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس سے بچنا بھی اختیاری ہے لیکن پھر اُس میں مبتلا ہوتا ہے اور اپنے اختیار سے اپنے آپ کو اُس میں مبتلا کرتا ہے آخر وہ کون ہے جو اُس کو کشاں کشاں لیجا رہا ہے اور پھر دلائل سمعیہ و عقلیہ سے یہ بھی واجب کہ جبر کا بھی عقیدہ نہ رکھو اور واقع میں بھی جبر نہیں۔ بہت ہی نازک بات ہے اور بہت ہی ڈرنے کا مقام ہے اپنی کیسی ہی اچھی حالت ہو ہرگز ناز نہ کرے اور دوسرے کی کیسی ہی بُری حالت ہو ہرگز اُس پر طعن نہ کرے کیا خبر ہے کہ اپنی حالت اس سے بھی بدتر ہو جائے۔ پھر اپنا واقعہ بھی گڑھی کے وعظ کا (جس میں بیان پر قدرت ہی نہ ہو سکی تھی اور مجبوراً وعظ موقوف کرنا پڑا تھا جس کا مفصل حال باب ہشتم "مواعظ حسنہ" میں گذر چکا ہے) بیان فرما کر فرمایا کہ بھلا کس چیز پر ناز کیا جائے۔ ہمارا علم و عمل حال و مقام سب خدا کے قبضہ میں ہے۔ ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ۔ اللہ تعالےٰ جس رحمت کو کشادہ کرنا چاہیں کوئی اُس کا روکنے والا نہیں اور جس رحمت کو روکنا چاہیں کوئی اُس کا کشادہ کرنے والا نہیں کوئی چیز انسان کے مستقل اختیار میں نہیں۔ ایک بار نہایت خشیت کے لہجہ میں فرمایا کہ دیا سلائی

کی طرح سارے مواد خبیثہ نفس میں موجود ہیں بس رگڑ لگنے کی دیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب تک رگڑ سے بچا رکھا ہے بچے ہوئے ہیں۔ فرعون و ہامان کو نہیں بچایا اُن میں وہ مادے سلگ اُٹھے اللہ تعالے ہی محفوظ رکھے تو انسان محفوظ رہ سکتا ہے ورنہ ہر وقت خطرہ ہے مولانا رومی رح فرماتے ہیں ؎

علتِ ابلیس انا خیر بدست　　　　این مرض در نفسِ ہر مخلوق ہست

اکثر گمراہ فرقوں کے عقائد واہیہ کے تذکروں میں بے اختیار ہاتھ جوڑ جوڑ کر اللہ تعالیٰ سے نہایت عجز و نیاز کے لہجہ میں عرض کرنے لگتے ہیں اے اللہ اپنے قہر سے بچائیو اے اللہ اپنے قہر سے بچائیو' اور حضرت مولانا رومی رح کا یہ شعر پڑھنے لگتے ہیں ؎

از شراب قہر چوں مستی دہی　　　　نیستہا را صورت ہستی دہی

اور فرمانے لگتے ہیں کہ جب اللہ تعالے کا قہر ہوتا ہے تو باطل چیزیں بھی حق نظر آنے لگتی ہیں۔ اور اوہام باطلہ بھی حقائق کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

(واقعہ نمبر ۶) رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ کے آخری جمعہ کی نماز کے بعد ایک انبوہ کثیر حضرت والا سے مصافحہ کرنے کے لئے بیتابانہ منتظر تھا حضرت والا نے بجائے اس کے کہ اپنی جگہ سے اُٹھنے کے بعد ہی سے مصافحہ کی اجازت دیں سب کو روک دیا کہ جب تک میں حوض پر جا کر نہ بیٹھ جاؤں گا کسی سے مصافحہ نہ کرونگا کیونکہ ہجوم کی کثرت سے بباعث کبر سنی گر جانے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ اس غرض کے لئے حوض تک اس طور پر تشریف لے گئے کہ اپنے دونوں ہاتھ الگ الگ دو صاحبوں کے ہاتھوں میں دیدیے اگر چلتے ہوئے کوئی مصافحہ کے لئے بڑھتا تو فرما دیتے کہ میرے ہاتھ تو رکے ہوئے ہیں اگر ابھی مصافحہ کرنا ہو تو ان سے مصافحہ کر لو جن کے ہاتھوں میں میرے ہاتھ ہیں اور میں تو حوض پر بیٹھ کر مصافحہ کروں گا۔ پھر حوض پر بیٹھ کر دیر تک اطمینان کے ساتھ لوگوں سے مصافحہ فرماتے رہے فارغ ہونے کے بعد جائے نشست پر تشریف لا کر فرمایا کہ میں تو واللہ اپنی بڑی سعادت سمجھتا ہوں کہ ایک ناکارہ شخص کے اتنے مسلمان محبت کرنے والے ہیں لیکن بیڈھنگا پن برا معلوم ہوتا ہے اگر میں یہ انتظام نہ کرتا تو ہڑبونگ میں لوگوں کے چوٹیں آجاتیں اور مجھے خود بھی بوجہ ضعف گر جانے کا اندیشہ تھا۔ اب اطمینان کے ساتھ سب سے مصافحہ ہو گیا۔ اور میں نے تو اس نیت سے مصافحہ کیا ہے کہ کیا اتنے سارے محبت کرنے والے مسلمانوں میں سے کوئی بھی خدا کا مقبول و مرحوم بندہ نہ ہوگا کیا نعوذ باللہ سب مبغوض اور دوزخی ہی ہوں گے اگر اتنے سارے محبت کرنے والوں میں ایک بھی مرحوم ہوا تو کیا مجکو دوزخ میں جلتا ہوا دیکھ کر اُسے رحم نہ آجائے گا اور اللہ میاں سے سفارش کر کے

وہ مجکو دوزخ سے نہ نکلوالیگا اھ

(واقعہ نمبر ۷) بارہا فرمایا کہ یہ جو اصلاح نفس کی سہل سہل اور نافع تدابیر اللہ تعالےٰ ذہن میں ڈالدیتے ہیں یہ سب طالبین ہی کی برکت ہے میرا کوئی کمال نہیں اللہ تعالےٰ کو منظور رہے کہ میرے بندوں کی اصلاح ہو اور نفع پہونچے لہذا ایک ناکارہ سے خدمت لے رہے ہیں اور جس کو اپنے علوم و معارف پر ناز ہو طالبین سے الگ ہو کر تو ذرا دیکھے واللہ جو بالکل ہی چٹ نہ ہوجائے کیونکہ اللہ تعالےٰ اوروں ہی کے نفع کے لئے اُس کو یہ علوم و معارف عطا فرمار کھے ہیں ع خاص کند بندۂ مصلحت علم را۔ ماں یہ ناز نہ کرے کہ میں بچہ کو دودھ پلاتی ہوں۔ بلکہ اللہ تعالےٰ ہی کو منظور ہے کہ بچہ کی پرورش ہو اسلئے اُس نے گوشت میں بھی دودھ پیدا کر دیا ہے یہ جو دودھ چھاتیوں میں سے اُبل رہا ہے یہ بچہ کے جذب ہی کی برکت ہے۔ اگر ماں بچہ کو دودھ پلانا چھوڑ دے تو پھر دودھ ہی خشک ہوجائے اسی طرح اگر کنوئیں میں ڈول نہ ڈالا جائے اور پانی نہ نکالا جائے تو نیا پانی آنا بند ہوجائے۔ غرض اگر شیخ القاء چھوڑ دے تو تلقی بھی بند ہوجائے۔ اھ۔

(واقعہ نمبر ۸) ایک اہل علم سے جنکو شیخ کی تلاش تھی اور جن سے حضرت والا بوجہ اس کے کہ اُنمیں خودرائی اور اعتراض کا مادہ تھا کشیدہ خاطر تھے۔ فرمایا کہ میں مسجد میں کھڑے ہو کر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے حضرات میں سے کسی سے بھی آپ جس روز بیعت ہوجائیں گے اور مجکو مطلع کردیں گے انشاء اللہ تعالیٰ اُسی وقت سے میرے قلب کے اندر شائبہ بھی کسی قسم کے تکدر کا آپ کی جانب سے نہ رہے گا پھر میں آپ کو اپنا دوست اور اپنے کو آپ کا خادم سمجھوں گا باقی اپنی غرض کے حصول کا یہاں پر آپ خیال بھی نہ لائیں کیونکہ میں آپ جیسے ذی علم کی دستگیری کا ہرگز اہل نہیں ہوں اسپر اگر آپ کہیں تو میں حلف اُٹھا سکتا ہوں اھ (ماخوذ از حسن العزیز جلد اوّل ملفوظ نمبر ۹۲) اسی کے مناسب حضرت والا کا ایک حال کا ملفوظ بھی ہے۔ فرمایا کہ میرے اندر علم ہے نہ عمل ہے نہ کوئی کمال ہے لیکن الحمد للہ اپنے خلو کا اعتقاد تو ہے اللہ تعالےٰ بس اسی سے فضل فرمادے گا اھ۔

(واقعہ نمبر ۹) ایک طالب نے ایک سخت مرض نفسانی کا علاج حضرت والا سے بذریعہ تحریر پوچھا حضرت والا نے جواب دیا جس سے بفضلہ اُن کا وہ سخت مرض بالکل زائل ہوگیا۔ عرض کیا گیا کہ حضرت والا کی تعلیم میں تو کھُلی ہوئی برکت ہے۔ فرمایا کہ میری تعلیم میں کیا رکھا ہے۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کی تائید ہے۔ اللہ تعالےٰ کارساز ہیں میں کیا چیز ہوں۔ چمار کو سڑک کوٹنا نہیں آتا مگر انجینیر اپنا ہاتھ اُس کے دُرمٹ پر رکھکر اُس سے درمٹ چلواتا ہے تو سڑک کُٹ جاتی ہے۔ امر اصلاح میں نہ میرے

علم کو دخل نہ فہم کو - خدا نے ایک کام میرے سپرد کیا ہے وہ میری مدد کرتے ہیں میرا کچھ بھی کمال نہیں اھ
(واقعہ نمبر ۱۰) حضرت والا پر حضرت حق جل وعلیٰ شانہٗ کے ادب کا اس قدر غلبہ رہتا ہے کہ ادنیٰ ایہام بے ادبی سے بھی سخت اجتناب فرماتے ہیں اگر سلسلۂ کلام میں کسی کا بے ادبی کا قول نقل کفر کفر نباشد کے طور پر نقل فرمانے کا اتفاق ہوتا ہے تو اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر نہایت عجز و نیاز کے ساتھ بے اختیار فرمانے لگتے ہیں الٰہی توبہ الٰہی توبہ - متعدد اشعار میں جن میں بے ادبی کا ایہام تھا نہایت لطیف اصلاحیں بھی فرمائی ہیں مثلاً اس شعر میں ؎

فارغ از دغدغۂ گبر و مسلماں کردی اے جنوں گرد تو گردم کہ چہ احساں کردی

الفاظ "گبر و مسلماں" کے بجائے دست و گریباں تجویز فرمائے ہیں - اور ؎

خود بخود آں بتِ عیارہ بہ بر می آید نہ بزور نہ بزاری نہ بزر می آید

میں بجائے بتِ عیار کے شہِ مختار کر دیا ہے جو بقیہ الفاظ کے بھی نہایت مناسب ہے اور ؎

سوئے زلفش نظرے کردن و رویش دیدن گاہ کافر شدن و گاہ مسلماں بودن

میں دوسرے مصرعہ کو یوں کر دیا ہے "گاہ شاداں شدن و گاہ پریشاں بودن" اس میں لفظ پریشان زلف کے بھی مناسب ہے اور ؎

ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے چہ کنم کہ چشم بدبیں نکند بکس نگاہے

میں بجائے چشم بدبیں کے چشم بدخو یا چشم یک بیں کر دیا۔
(واقعہ نمبر ۱۱) ایک صاحب نے ایک خواب کی بناء پر جس میں ان کو تنبیہ کی گئی تھی کہ تو جو بزرگوں کی طرف سے فاسد خیالات رکھتا ہے ان سے جلد توبہ کر حضرت والا سے بھی ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ میں جناب سے بھی معافی چاہتا ہوں - حضرت والا نے فوراً اُن کے ہاتھ پکڑ کر علیحدہ کر دئے اور فرمایا کہ اجی حضرت یہ آپ کیا کرتے ہیں مجھ سے معافی مانگنے کی کیا ضرورت ہے مجھے آپ اُس خواب میں کیوں داخل کرتے ہیں اُس میں تو بزرگوں کا ذکر تھا بزرگوں سے ضرور معافی مانگنی چاہئے میں تو بقسم کہتا ہوں کہ میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا نہ علمی نہ عملی نہ حالی نہ قالی بلکہ مجھ میں تو سراسر عیوب ہی عیوب بھرے پڑے ہیں میری اگر کوئی برائی کرتا ہے تو یقین جانئے مجھے کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوتا کہ میں برائی کا مستحق نہیں بلکہ اگر کوئی تعریف کرتا ہے تو واللہ تعجب ہوتا ہے کہ مجھ میں بھلا کون سی تعریف کے قابل بات ہے جو اسکا یہ خیال ہے اس کو دھوکا ہوا ہے حق تعالیٰ کی ستاری ہے کہ میرے عیوب کو پوشیدہ کر رکھا ہے اس لئے مجھکو کسی کا برا بھلا کہنا مطلق ناگوار

نہیں ہوتا اور اگر کوئی میری ایک تعریف کرتا ہے تو اُسی وقت اپنے دس عیب میرے پیش نظر ہو جاتے ہیں دوسرے یہ کہ آپ نے جو کچھ میرے بارہ میں بُرا بھلا کہا ہو گا تو عدم واقفیت کی وجہ سے کہا ہو گا اس لئے آپ معذور ہیں۔ تیسرے یہ کہ میں مدت سے یہ دعا مانگ رہا ہوں اور اب بھی تازہ کر لیا کرتا ہوں کہ اے اللہ میری وجہ سے اپنی کسی مخلوق پر مواخذہ نہ کیجئو۔ جو کچھ کسی نے میرے ساتھ برائی کی ہو یا آیندہ کرے وہ سب میں نے دل سے معاف کی۔ اس لئے مخلوق خدا کو میری طرف سے بالکل بے فکر رہنا چاہئے کوئی اپنے دل میں شبہہ نہ رکھے آپ بھی میری طرف سے بے فکر رہئے میں پیشتر ہی سب کو دل سے معاف کر چکا ہوں۔ آپ بھی اس عموم میں آ گئے بلکہ اگر کبھی ضرورت ہو تو میری طرف سے پوری اجازت ہے کہ جو کچھ آپ چاہیں مجھے کہہ سن سکتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اگر میں معاف نہ کر دیا کروں اور دوسرے کو عذاب بھی ہوا تو مجھے کیا نفع حاصل ہوا۔ اھ (ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۶۰۲)

ایک بار فرمایا کہ اگر میں معاف نہ کروں تو کیا میں کسی کو اپنی وجہ سے دوزخ میں جلتا ہوا دیکھ سکوں گا۔ استغفر اللہ۔ یہ بھی فرمایا کہ اس معافی میں حقوق مالیہ وغیرہ کو کوئی صاحب داخل نہ سمجھ لیں ورنہ لوگ میری چیزیں ہی اُٹھا لیجائیں صرف سب دشتم مراد ہے۔

(واقعہ نمبر ۱۲) کئی بار فرمایا کہ گو میں اعمال میں تو بہت کوتاہ ہوں لیکن الحمد للہ اپنی اصلاح سے غافل نہیں ہمیشہ یہی اُدھیڑ بن لگی رہتی ہے کہ فلاں حالت کی یہ اصلاح کرنی چاہئے فلاں حالت میں یہ تغیر کرنا چاہئے غرض کسی حالت پر قناعت نہیں اور گو میں نجات کو اعمال پر منحصر نہیں سمجھتا محض فضل پر سمجھتا ہوں لیکن بندہ کے ذمہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اُس کے اوامر کو بجا لائے اور نواہی سے اجتناب رکھے اس لئے مجکو اپنے اعمال کی کوتاہی پر سخت ندامت ہے اور ہمیشہ اپنی اصلاح کی فکر رہتی ہے۔ اھ۔ اپنے کسی منتسب کی دینداری اور تقویٰ کے حالات سن کر فرمایا کرتے ہیں کہ وہ باپ بڑا خوش قسمت ہے جس کی اولاد کمالات میں اُس سے بڑھ جائے۔ یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو میرا نیک نام کرنا منظور ہے کہ جو پہلے سے نیک ہیں اُنھیں کو میرے پاس بھیجدیتے ہیں۔ اور میں مفت میں نیکنام ہو جاتا ہوں ۔

نے دام خوش نہ دانہ خوش اما ز اتفاق ہر بار شاہباز درافتد بہ دام ما

ایک بار یہ بھی فرمایا کہ جس نے جو فن مجھ سے سیکھا وہ اُس فن میں مجھ سے بڑھ گیا۔ غرض حیرت ہے کہ باوجود کمالات ظاہری و باطنی میں یگانۂ روزگار ہونے کے اور بعض خاص کمالات کو تحدث بالنعمۃ کے طور پر اپنے اندر تسلیم کرتے ہوئے بھی حضرت والا اپنے کو ہیچ در ہیچ سمجھتے ہیں اور عُجب و کبر کا نام و نشان تک بھی نہیں جیسا اہل بصیرت

پر روز روشن کی طرح واضح ہے وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء ۱۲

نوٹ

یہ بارہ واقعات بطور نمونہ عرض کیے گئے جن کا آیت فانفجرت منه اثنتا عشرة عينًا کے ساتھ عدد میں اتفاقی توافق ہو گیا۔

تنبیہ

حضرت والا کے ان واقعات و اقوال کو نقل کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے اقوال و احوالِ عبدیت کے متعلق حضرت والا کی ایک ضروری تحقیق بھی اس جگہ نقل کر دی جائے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز بھی بقسم فرمایا کرتے تھے کہ میرے اندر کوئی کمال نہیں۔ اسپر ایک معتقد نے حضرت والا کی خدمت میں اشکال پیش کیا کہ دو حال سے خالی نہیں اگر یہ قسم سچی ہو تو مولانا کے کمالات کی نفی ہوئی جاتی ہے اور اگر سچی نہیں تو مولانا نے خلاف واقعہ قسم کیوں کھائی اس کے متعلق کیا عقیدہ رکھا جائے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ مولانا کو اپنی قسم میں سچا بھی سمجھا جائے اور کمالات کا اعتقاد بھی رکھا جائے کیونکہ مولانا جو نفی فرما رہے ہیں وہ کمالات متوقعہ کی اور ہم جو اعتقاد رکھتے ہیں وہ کمالات واقعہ کا لہذا کوئی تعارض نہیں اھ۔ اسپر احقر عرض کرتا ہے کہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بہت بلند مینار پر چڑھتا چلا جا رہا ہو اور اس کی نظر اوپر کو ہو تو وہ انتہائی بلندی پر بھی پہونچکر یہی سمجھے گا کہ میں نے ابھی کچھ بھی اونچائی طے نہیں کی کیونکہ آسمان کی بلندی تو ابھی اتنی ہی معلوم ہوتی ہے تو گویہ ٹھیک ہے کہ آسمان کی بلندی کے لحاظ سے ابھی اُس نے گویا کچھ بھی اونچائی طے نہیں کی لیکن اگر زمین سے دیکھا جائے تو وہ بہت اونچائی پر پہونچا ہوا ہے بقول حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ؎

آسماں نسبت بعرش آمد فرود ... لیک بس عالیست پیشِ خاک تود

چونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ شانہٗ کی تجلیات لامتناہی ہیں اس لئے سالک عرفان کے کتنے ہی بلند مقام پر پہونچ جائے وہ اپنے کو ہنوز روزِ اول کا مصداق اور تہی دست ہی یقین کرتا ہے اور وہ اس یقین میں بالکل سچا ہوتا ہے بفحوائے ما عرفناك حق معرفتك وبفحوائے ارشادِ مولانا رومی رح ؎

اے برادر بے نہایت در گہیست ... ہر کہ بروے میرسی بروے مایست

نیست کس را از حقیقت آگہی ... جملہ می میرند با دستِ تہی

اس جگہ ایک مجذوب صاحب جھنجھانوی کا قول حضرت والا کے متعلق یاد آیا فرمایا کہ ترقی کر رہے ہیں اس سے یہی مقام مراد ہے۔ صاحب مقام ہذا جب ترقی باطنی کے درجات طے کرتا ہوا آگے

بڑھتا ہے تو اُس کو ہر درجہ حاصلہ بلحاظ درجات متوقعہ بالکل پست بلکہ لاشئے محض معلوم ہوتا ہے یہی بنا حضرت والا کے مذکورۂ بالا اقوال و احوالِ عبدیت کی ہے اور اسی قسم کے اقوال و احوال اکابر طریق سے بھی بکثرت منقول ہیں جیساکہ واقف سے مخفی نہیں اور یہی بنا وہاں ہوتی تھی۔ غرض عارف کی جتنی بصیرت بڑھتی جاتی ہے عظمتِ حق کا انکشاف روز افزوں ہوتا چلا جاتا ہے اور آداب عبودیت کے روز بروز نئے نئے دقائق پیش نظر ہوتے چلے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی عبادات وطاعات کو خواہ کتنی ہی کامل ہوں حقوقِ عظمت حق کے لحاظ سے ہیچ در ہیچ سمجھتا ہے اور اُس کا یہ سمجھنا بالکل حق بجانب ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کی عظمت کا حق کسی طرح ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے عارف کو اپنی کسی درجہ کی بھی حالت پر قناعت نہیں ہوتی اور کسی درجہ کی بھی اصلاح پر اطمینان نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ وہ قسمیں کھا کھا کر اپنے کمالات کی نفی کرتا رہتا ہے۔ تم التنبیہ

یہ تو اُن منافعِ خاصہ کا اجمالی ذکر تھا جو خود حضرت والا کو اس حالتِ ہیبت کے طریان سے بفضلہ تعالےٰ حاصل ہوئے اور طالبین کے مصالح عامہ تو ظاہر و باہر ہیں کیونکہ کامل رہبر وہی ہو سکتا ہے جس کو ہر قسم کے نشیب و فراز طریق کا ذاتی تجربہ ہو چکا ہو اور ہر طرح کے عقبات خود اُس کو پیش آچکے ہوں چنانچہ خود حضرت والا ہی فرمایا کرتے ہیں کہ مجکو سخت سے سخت حالات پیش آچکے ہیں۔ لہذا احوال باطنی کا ایسا تجربہ ہو گیا ہے کہ کسی سالک کی کتنی ہی اُلجھی ہوئی حالت ہو اور وہ کیسی ہی باطنی پریشانی میں مبتلا ہو بحمد اللہ مجکو اُس کے معالجہ کے باب میں ذرا بھی تردد لاحق نہیں ہوتا اور بفضلہ تعالیٰ ایسی ایسی تدبیریں ذہن میں آجاتی ہیں کہ انکے استعمال سے وہ نہایت سہولت اور سرعت کے ساتھ اُس حالت سے نکل جاتا ہے۔ بالخصوص وساوس و خطرات کی تشخیص ماہیت اور تجویز علاج میں تو اللہ تعالیٰ نے مجکو ایسی بصیرت عطا فرما دی ہے کہ آجکل کم لوگوں کو ہوگی ولا فخر اھ

اس ارشاد کی تصدیق ایک دو سے نہیں بلکہ بلا مبالغہ صدہا سالکین سے ہو سکتی ہے جن کو حضرت والا نے بعون اللہ تعالےٰ سخت سخت عقبات سلوک سے نہایت سہولت و سرعت کے ساتھ بہت ہی مختصر مختصر کلمات حکمت آیات اور نہایت سہل سہل تدابیر پُر تاثیر ارشاد فرما فرما کر پار کرا دیا ہے اور پار کرا رہے ہیں جن میں سے بعض کا حال تربیت السالک کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے اور بعض تو یہاں تک پریشان تھے کہ خودکشی پر آمادہ ہو گئے تھے لیکن اُنکو حضرت والا کے ایک ہی خط سے بفضلہ کامل تسلی ہو گئی اور پھر وہ اپنے ارادہ سے باز آ گئے۔

بریلی میں ایک صاحب علم رئیس تھے جو مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے

شاگرد تھے۔ مرض وفات میں اُن پر وساوس کا اس درجہ ہجوم ہوا کہ انھیں اپنے سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہونے لگا گھبرا کر حضرت والا کو بواسطہ منشی اکبر علی صاحب مرحوم جو حضرت والا کے چھوٹے بھائی تھے اور اُس زمانہ میں بریلی میں بعہدۂ سکریٹری میونسپلٹی ممتاز تھے تکلیف تشریف آوری دی۔ حضرت والا کو مریض پر اسقدر شفقت ہوتی ہے کہ اُس کی درخواست کو حتی المقدور ضرور پوری فرماتے ہیں۔ چنانچہ تشریف لیگئے۔ اُن رئیس صاحب نے فوراً تخلیہ کرایا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ حضرتِ والا نے ایسی تسلی آمیز تقریر فرمائی کہ اُن کی ساری پریشانی دور ہوگئی اور وہ اسقدر مسرور ہوئے کہ بعد کو جتنے دن حضرت والا کا وہاں قیام رہا روزانہ بہ اصرار مکلّف کھانے بھجواتے رہے حالانکہ حضرت والا کا قیام اپنے بھائی صاحب ہی کے مکان پر رہا۔ پھر قریب ہی زمانہ میں وہ رئیس صاحب بہ برکت ارشادات حضرت والا نہایت ہشاش بشاش دنیا سے رخصت ہوئے۔

۱۳۱۹ھ میں ایک وکیل صاحب کانپوری کو جو ایک درجہ میں صاحب علم بھی تھے احیاء العلوم کی کتاب الخوف کے مطالعہ سے سوءِ خاتمہ کا اس قدر اندیشہ ہوگیا تھا کہ مایوسی کی سی کیفیت ہوگئی تھی اور قریب تھا کہ نماز روزہ سب چھوڑ دیں اُسی زمانہ میں حسن اتفاق سے حضرت والا بتقریب سفر کانپور تشریف لائے۔ اُنھوں نے وہ عبارات پیش کیں حضرت والا فرماتے ہیں کہ اُن پر اسقدر خوف کا غلبہ تھا کہ اُن سے عبارت بھی اچھی طرح نہیں پڑھی جاتی تھی۔ حضرت والا نے اُن کے اشکالات کے نہایت تسلی بخش جوابات دئے۔ جن سے اُن کی پوری تسلی ہوگئی۔ پھر اُنھیں کی فرمائش پر اُن جوابات کو حضرت والا نے قلمبند بھی فرمالیا جن کا مجموعہ بصورت رسالہ موسومہ بہ خاتمہ بالخیر طبع بھی ہوچکا ہے۔ یہ سب فیض و برکات اُسی غلبۂ ہیبت کے ہیں جو حضرت والا پر طاری ہوچکا ہے جس کی بدولت حضرت والا کو دستگیریٔ اہل ابتلا میں بفضلہ ایسی کامل دستگاہ حاصل ہوگئی ہے کہ اُس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

اسپر جناب محترمہ بڑی پیرانی صاحبہ مدظلہا کی ارشاد فرمائی ہوئی ایک مثال یاد آئی۔ حضرت والا غلبہ ہیبت کے زمانہ میں جس درجہ پریشان تھے اُس کا حال تو ناظرین کو معلوم ہو ہی چکا ہے۔ جب پریشانی بہت زیادہ بڑھتی تو اپنا غم ہلکا کرنے کے لئے اپنی غمگسار و جاں نثار شریک غم و شادی رفیق زندگی یعنی حضرت بڑی پیرانی صاحبہ سے بھی اپنے پُردرد حالات بیان فرماتے رہتے اور وہ حضرت والا کی باتوں کے نہایت مناسب اور تسکین بخش جوابات دے دیکر تسلی فرماتی رہتیں۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ مجھے اُن کے جوابات سے بہت تسلّی ہوتی تھی اھ۔

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ الحمد للہ اس امر میں بھی حضرت والا کو موافقت سنت کی برکت حاصل

ہو گئی کیونکہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتداء نزولِ وحی سے خوف زدہ ہو گئے تھے تو اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے بھی حضور کی بہت تسلی فرمائی تھی حضرت بڑی پیرانی صاحبہ مدظلہا نے حضرت والا کی اُس حالتِ غلبۂ ہیبت کے فرو ہو جانے کے بعد بھی حضرت والا کو خوش کرنے کے لئے اس ابتلاء کی ایک نہایت اچھی مثال دی۔ فرمایا کہ اس کی ایسی مثال ہوئی جیسے کسی کو کہیں جانا ہوا اور راستہ باغ کے اندر سے ہو لیکن اُس کے برابر برابر ہی جھاڑ جھنکاڑ بھی ہوں اور وہ اتفاق سے جھاڑ جھنکاڑ میں ہو کر چلنے لگا تو گو کانٹوں کی وجہ سے اُس کا تمام بدن لہولہان ہو گیا اور نہایت پریشانی اُٹھانی پڑی لیکن راستہ برابر قطع ہوتا رہا اور آگے چل کر پھر وہ اُسی پُربہار راستہ پر پڑ گیا ایسے شخص کو تکلیف تو بیشک سخت ہوئی لیکن قطعِ مسافت میں کوئی حرج واقع نہیں ہوا اور اُس تجربہ سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ وہ دوسروں کی بہت اچھی طرح رہبری کر سکے گا یعنی اگر کوئی سالک اس قسم کی پریشانی میں مبتلا ہو جائے گا تو وہ اسکو بہت آسانی کے ساتھ اُس سے نکال سکے گا اھ اس مثال سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ مبتلائے قبض و ہیبت کو تکلیف تو بیشک سخت ہوتی ہے لیکن قطع طریق میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔

غرض یہ ابتلاء شدید خود حضرت والا کے لئے بھی نیز مسترشدین کے لئے بھی سراسر رحمت ہی رحمت تھا۔ بعون اللہ تعالیٰ بیان حکمت حالت قبض و ہیبت کے جزو اول سے فراغت ہوئی اب بنام خدا اُس کے جزو دوم کو شروع کرتا ہوں یعنی اُن حکمتوں کو نقل کرتا ہوں جو خود حضرت والا نے اپنی بعض تحریرات میں ارقام فرمائی ہیں وباللہ التوفیق۔

جزو دوم

یعنی حالت قبض و ہیبت کی اُن حکمتوں کا بیان جو خود حضرت والا نے اپنی بعض تحریرات میں ارقام فرمائی ہیں

(۱) حضرت والا ایک طالب کے طویل خط کے جواب میں جو مبتلائے قبض و وساوس تھے رسالہ مسمی بہ الابتلاء لاھل الاصطفاء کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں "اب بعض منافع و مصالح وساوس و بعض اقسام قبض اور میل الی المعصیت کے سالک کے حق میں بیان کر کے اس عجالہ کو ختم کرتا ہوں۔ اس میں چند خفی الطاف رحمانیہ ہیں جن کو دیکھ کر مبتلائے بلیہ بیساختہ یہ کہکر پوری تسلی

حاصل کرے گا ۵

الا لا یجارات اخو البلیہ فللرحمٰن الطاف خفیہ

نمبر ۱ - اس شخص کو کبھی عُجب نہیں ہوتا سمجھتا ہے کہ میں بدحال ہوں۔

نمبر ۲ - ہمیشہ ترسان رہتا ہے اپنے علم وعمل پر ناز نہیں ہوتا سمجھتا ہے کہ میرا علم وعمل وحال کیا چیز ہے اس کی حقیقت دیکھ چکا ہوں۔

نمبر ۳ - اگر یہ عقبہ پیش آچکتا ہے شیطان کے مقابلہ میں اُس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے اُس سے ڈرتا نہیں کہ بس اس سے زیادہ کیا کرے گا۔ اور بدون اسکے گذرے ہوئے لطیف الطبع کو ہر مضر صحبت تک سے اندیشہ رہتا ہے جس کو میں نے ایک بار بیان کیا تھا کہ اس کی وجہ لطافتِ طبع معلوم ہوتی ہے

نمبر ۴ - مرتے وقت اگر دفعۃً یہ حالت پیش آتی تو پریشان ہو کر خدا جانے کس کس خیال میں مرتا اگر یہ عقبہ گذر جاوے تو اس کے تحمل کی قوت ہو جاتی ہے اگر اُسوقت بھی ایسا ہوا تو پریشان اور حقتعالیٰ پر بدگمان نہ ہوگا اطمینان ومحبت حق میں جان دے گا۔

نمبر ۵ - یہ شخص محقق ہو جاتا ہے دوسرے مبتلا کی دستگیری آسانی سے کر سکتا ہے۔

نمبر ۶ - ہر وقت اپنے اور حق تعالےٰ کی رحمت دیکھتا ہے کہ ایسے نالائق کو ایسی نعمتیں عطا فرمائے ہیں

نمبر ۷ - اس حدیث کے معنی برائے العین دیکھ لیتا ہے کہ مغفرت عبد کے عمل سے نہ ہوگی۔ رحمتِ حق سے ہوگی وغیر ذالک مما لا یحصیٰ۔ اور میں نے اسی مجموعہ کو کہا تھا کہ کوئی حالتِ محمودہ پیدا ہونے والی ہے (منقول از مقدمہ تبویب تربیۃ السالک)

(۲) ایک طالب نے جن پر ہیبت کا غلبہ تھا ایک طویل عریضہ حضرت والا کی خدمت میں لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کچھ عرصہ سے میں حالاً اور وجداناً اپنے اندر کفر کی حالت پاتا ہوں اگرچہ بحمداللہ عقیدہ میں کچھ فرق نہیں لیکن ذوقاً اپنے اعمال و اخلاق افعالِ کفر معلوم ہوتے ہیں الخ حضرت والا نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا

(جواب) مبارک ہو یہ حالت ہیبت کہلاتی ہے جو حالت رفیعہ ہے اکابر صحابہ پر یہ حالت گذری ہے صحیح بخاری میں ستر صحابہ کی نسبت ہے کلھم یخاف النفاق علی نفسہ۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد یہ حالت مبدل بہ اُنس ہو جائے گی مخاطب (یعنی خود حضرت والا ۱۲) پر بھی یہ حالت گذری ہے جس میں ہزاروں منافع حاصل ہوئے زوال عُجب و مشاہدۂ قدرت و معائنۂ عجز خود وغیر ذالک۔

(منقول از تبویب تربیۃ السالک باب پنجم)

(۳) ایک اور اہل قبض کے طویل خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں میں نے پورا خط پڑھا کوئی بات پریشان ہونے کی نہیں ہے یہ حالت قبض کہلاتی ہے جس کے اسباب مختلف ہوتے ہیں چنانچہ ایک سبب یہ بھی ہے کہ تحمل سے زیادہ کام کیا جائے۔ آپ کو یہی سبب پیش آیا اور یہ بری حالت نہیں ہے محمود اور نافع ہے بلکہ محققین نے اس کو بسط سے ارفع کہا ہے کہ اس سے اخلاق رذیلہ کا معالجہ زیادہ ہوتا ہے۔ بہرحال نہ لاعلاج ہے اور نہ خدانخواستہ یہ محرومی کی علامت ہے تمام ذاکرین کو قریب قریب یہ حالت پیش آتی ہے پھر اس سے نجات بھی ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اور ترقی ہوتی ہے ایک علامت اس کے محمود ہونے کی خود آپ نے لکھی ہے یعنی حب شیخ۔ مطرود اس سے محروم رہتا ہے۔ غرض بالکل تسلی رکھیں اور ذکر و شغل تھوڑا تھوڑا شروع کریں اور اپنی رائے سے نہ بڑھاویں مجھ کو معمولات کی اطلاع کرتے رہیں اور میری تعلیم کے موافق عمل کریں انشاء اللہ تعالیٰ روز بروز ترقی ہوگی

(منقول از تبویب تربیت السالک باب پنجم)

(۴) ایک اہل قبض کو تحریر فرماتے ہیں "حق تعالیٰ رحیم و حکیم ہیں جس شوق و ذوق سوز و گداز کو آپ کمال سمجھتے ہیں نہ وہ کمال ہے اور جس خشکی اور وسوسہ کو آپ نقصان سمجھتے ہیں نہ وہ نقصان ہے اگر آپ کو وہ کیفیات حاصل ہوتیں چونکہ آپ اُن کو بڑی چیز سمجھتے ہیں ضرور عُجب پیدا ہوتا خدا تعالیٰ نے عجب سے بچایا جو خدا تعالیٰ کی نعمت ہے اور اس پر شکر واجب نہ کہ بالعکس شکایت کی جاوے

؎ آنکس کہ تو نگرت نمی گرداند او مصلحت تو از تو بہتر داند

اس مضمون میں یہ باطنی دولت بھی داخل ہے۔ اور جس چیز کو آپ نقصان سمجھ رہے ہیں اگر یہ نہ ہوتی تو آپ میں یہ انکسار نہ پیدا ہوتا جو بڑی نعمت ہے اور اس پر بھی شکر واجب۔ البتہ چونکہ اس میں احتمال ناشکری کا ہے اس لئے اب اس کی حقیقت سمجھ لیجئے تاکہ اس پر بھی شکر کیجئے معلوم ہوتا ہے تربیت السالک کے مضمون کو آپ ذہن سے نکال دیتے ہیں۔ کلیہ سمجھ لیجئے کہ جو افعال اختیاری ہیں اُن میں اللہ و رسول کے خلاف نہ کیا جاوے تو پھر احوال خواہ کچھ ہی ہوں وہ چونکہ غیر اختیاری ہیں اُن کی کچھ پرواہ نہ کرنا چاہئے کام کئے جائیے۔ آپ محروم نہیں ہیں ایک وقت میں یہ امر تحقیقاً بھی معلوم ہو جاوے گا اب تقلیداً مان لیجئے

(منقول از تبویب تربیت السالک باب پنجم)

(۵) ایک اور اہل قبض کو تحریر فرماتے ہیں "مبارک مبارک یہ وہ حالت ہے کہ میری تمنا دل سے اپنے متعلقین کے لئے اس کے طاری ہونے کی بشرط البصیرۃ والاستقلال ہوا کرتی ہے اور اس کے منافع اس قدر ہیں کہ احصار میں نہیں آتے مثلاً عُجب و کبر کی جڑ کٹ جانا ہر وقت استحضار اپنے محل

تصرف قہر میں ہونے کا - وساوس وخطرات غیر اختیار یہ یعنی تصرفات شیطانیہ کی انتہا معلوم ہو کر جھک نکل جانا جو کہ شرعاً عین مطلوب ہے اگر مرتے وقت کسی کو ایسی حالت پیش آوے وہ طبعاً گھبرا جاوے اور خدا جانے گھبراہٹ میں کیا سمجھ بیٹھے حالتِ حیات و علم میں اس کے پیش آجانے سے اس کا تحقق ہو جاتا ہے اگر وقت مرگ پیش آوے وہ مؤثر نہیں ہوتی وغیر ذلک من المنافع والمصالح جن سب کا خلاصہ فنائے تام ہے اور اس کے بعد جو بسط ہوتا ہے وہ بھی بے نظیر ہوتا ہے۔ الحمدللہ اس حالت کے منافع حق تعالیٰ نے مجکو بھی مشاہدہ کرائے ہیں تب ہی سے اس کو حصول مقصود کے لئے مثل جزو اخیر علتِ تامہ کے سمجھ رہا ہوں اور اُسی سے اپنے احباب کے لئے اسکا متمنی ہوتا ہوں مگر مبارکباد دیتا ہوں - (منقول از تبویب تربیت السالک باب پنجم)

ناظرین حضرت والا کے اس جواب ہی سے اندازہ فرمالیں کہ حضرت والا کو اس حالت سے کسقدر منافع حاصل ہوئے ہیں اور اس حالت کا طریان عموماً سالکین کے لئے کس درجہ ضروری تصور فرماتے ہیں -

(۶) ایک اور مبتلائے پریشانی کو تحریر فرماتے ہیں جنھوں نے یہاں تک لکھ دیا تھا کہ اس ورطۂ ناپیدا کنار سے بساحل تسلی پہونچا دیجئے گا ورنہ اس نابکار ناہنجار بدکردار بدشعار کو جان تلف کرنیکے لئے فتوی کی کوئی حاجت باقی نہیں رہی -

جواب

یہ حالت قبض کہلاتی ہے اور منافع میں یہ بسط سے بھی زیادہ ہے - گو عین قبض کے وقت وہ منافع معلوم نہ ہوں مگر بعد میں اکثر معلوم بھی ہو جاتے ہیں اور اگر معلوم بھی نہ ہوں تب بھی حاصل تو ہوتے ہیں اور حصول ہی مقصود ہے نہ کہ اس حصول کا علم - چنانچہ جو حالات اسوقت آپ پر طاری ہیں یہ غایت انکسار و عبدیت کے آثار ہیں جن پر دولت قرب کے ترتب کی قوی اُمید ہے جیسا اکابر کا الہام ہے - انا عند المنکسرۃ قلوبھم قال العارف الرومی رح ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ   جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

ہرگز پریشان نہ ہوں ذکر جس قدر ہو سکے کرلیا کیجئے اگرچہ کسی قدر تکلف بھی کرنا پڑے اور اگرچہ اُس میں دلچسپی بھی نہ ہو اور جس میں زیادہ کلفت ہو اُس کو تخفیف (کم) کر دیجئے - اور استغفار کی قدرے کثرت رکھیں - اور جب تک یہ حالت رہے ہفتہ میں ایک بار دو بار اطلاع دیتے رہئے انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد رفع ہو جاوے گی - سب کو یہ حالت پیش آتی ہے میں تو اس سے خوش ہوا کہ علامت ہے راہ قطع

ہونے کی - یہ سب رستہ ہی کی گھاٹیاں ہیں - (منقول از تبویب تربیت السالک باب پنجم)

(۷) ایک اور اسی قسم کے طویل خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں "یہ تغیرات طبعی و نفسانی ہیں نہ کہ روحانی و قلبی سو ایسے تغیرات مضر تو کیا نافع ہوتے ہیں - عُجب کا علاج ان سے ہوتا ہے عبدیت کی حقیقت کا اس میں مشاہدہ ہوتا ہے فنا و تہیدستی رائے العین ہو جاتی ہے فی الحقیقت یہ قسم ہے قبض کی جسکی یہ حکمتیں ہیں اختیاری کام کی پابندی ایسے ہی وقت دیکھنے کے قابل ہے محل امتحان ہے اگر اس امتحان میں پاس ہو گیا اعلیٰ درجہ کے نمبر کا مستحق ہو گا خوب غور کر کے سمجھئے کئی بار اس کو پڑھئے میں بھی دعائے خیر کرتا ہوں -

(منقول از تبویب تربیت السالک)

نوٹ اس قسم کی اور بھی تحریریں ہیں لیکن بخوف طوالت ان سات ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے حضرت والا کی تحریرات بالا سے ناظرین کو بطور نمونہ حالت قبض و ہیبت کی چند حکمتیں معلوم ہونے کے علاوہ یہ بھی بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اگر خود حضرت والا پر ایسی حالت نہ طاری ہو چکی ہوتی تو اس جزم و قوت اور وثوق و بصیرت کے ساتھ دوسروں کی ہرگز تسلی نہیں فرما سکتے تھے اور یہ امر بھی اس حالت کے طریان کی بڑی حکمتوں میں سے ہے -

الحمد للہ حالت قبض و ہیبت کی خود حضرت والا کے قلم مبارک سے ارقام فرمائی ہوئی حکمتوں کی نقل سے فراغت ہو گئی - اب حضرت والا کی زبان مبارک سے بھی ارشاد فرمائی ہوئی ایک حکمت خاص اور درج کر کے اس جزو دوم کو ختم کیا جاتا ہے اسی حالت کا تذکرہ تھا - فرمایا کہ اس حال میں سالک یہ دیکھ کر پریشان ہوتا ہے کہ میرے لئے چاروں طرف سے راستے بند کر دئے گئے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی اس میں یہ مصلحت ہوتی ہے کہ سب طرف سے مایوس ہو کر میری ہی طرف رجوع ہو اور اس سد باب سے مقصود اپنے سے محجوب کرنا نہیں ہوتا بلکہ شیطان سے بچا کر خود اپنی پناہ میں لینا مقصود ہوتا ہے - جیسے ماں اپنے بچہ کو کسی مکان میں مقید کر کے چاروں طرف کے کیواڑ بند کر دے کیونکہ باہر ریچھ ہے تو بچہ گھبراتا ہے اور سخت پریشان ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ماں نے میرے اوپر بڑا ظلم کر رکھا ہے لیکن اُس ناوان کو یہ خبر نہیں کہ ماں کا مقصود اُسکو محبوس کرنا نہیں بلکہ باہر جو ریچھ پھر رہا ہے اُس سے بچانا اور اپنی پناہ میں لینا مقصود ہے انتہیٰ کلامہ

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ چاروں طرف سے راستے بند کر دئے جانے کی یہ صورت ہوتی ہے کہ سالک اُن خطرات واہیہ کو جس نہج سے بھی دفع کرنا چاہتا ہے وہ ہرگز دفع نہیں ہوتے بلکہ وہ دفع کی جتنی زیادہ کوشش کرتا ہے اُتنا ہی زیادہ اُن کا ہجوم اور زور بڑھتا چلا جاتا ہے - اور اللہ تعالیٰ کا اپنی پناہ میں لینا اس طور پر ہوتا ہے کہ جب دفع کی سب کوششیں بیکار بلکہ مولم ثابت ہوتی ہیں تو مجبور اور مایوس ہو کر انکو چھوڑ دیتا ہے اور پھر اضطراراً اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے جس سے فوراً سکون محسوس ہونے لگتا ہے - پھر

اس تجربہ کے بعد بجائے دفع کی کوشش کے وہ توجہ الی اللہ ہی کے دائماً قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے یہانتک کہ اسمیں بعون اللہ تعالیٰ کامیاب ہوکر خطرات کا استیصال ورنہ کم از کم اضمحلال ضرور ہوجاتا ہے جس سے اذیت جاتی رہتی ہے اور اس سے بھی بہتر اور اقرب توضیح اپنی ارشاد فرمودہ مثالِ مذکور کی خود حضرت والا نے بعد کو فرمائی وہ یہ کہ اللہ تعالےٰ سالک کو اس تنگی میں اس لئے مبتلا کرتے ہیں کہ وہ مہلکات باطنی عُجب وکبر سے محفوظ رہے۔ اور اگر اُس کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا جاتا تو رذائلِ نفس کے پنجہ میں جا پھنستا اور ہلاک ہوجاتا اھ

جزوسوم

یعنی بعض وہ آیات و احادیث و اقوالِ عارفین جن میں حالتِ قبض وہیبت کی حکمتیں منتشر طور پر مذکور ہیں —

آیات

(قولہ تعالےٰ) عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم (وقولہ تعالےٰ) ولیمحص اللہ الذین آمنوا (وقولہ تعالےٰ) ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم ویعلم الصابرین (وقولہ تعالےٰ) ولیبتلی اللہ ما فی صدورکم ولیمحص ما فی قلوبکم (وقولہ تعالےٰ) ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین وقیل فی حاصلہ ؎

در محبت ہر کہ او دعوے کند　صد ہزاراں امتحاں بروے کند
گر بود صادق کشد بارِ جفا　ور بود کاذب گریزد از بلا

وقال العارف الشیرازیؒ فی حاصلہ

خوش بود گر محکِ تجربہ آید بمیاں　تا سیہ روئے شود ہر کہ درو غش باشد

وقیل فی حاصلہ ایضاً

بشکل وہیئت انسان زرہ مرو زنہار　تواں بہ صبر و تحمل شناخت جوہر مرد
اگر نہ پاک بود از بلا بخواہد جست　وگر در اصل بود پاک صبر خواہد کرد

احادیث

(جزو حدیث اشد الناس بلاءً الانبیاء) یبتلی الرجل علےٰ حسب دینہ

فان کان فی دینہ صلبًا اشتدّ بلاءہ وان کان فی دینہ رقۃ ھوّن علیہ فمازال کذالک حتی یمشی علی الارض مالہ ذنب رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی۔

اقوال عارفین

از عارف رومی رح

نالم آنرا نالہا خوش آیدش (۱) از دو عالم نالۂ و غم بایدش

عاشقم بر رنجِ خویش و دردِ خویش (۲) بہرِ خوشنودیِ شاہِ فردِ خویش

خاکِ غم را سرمہ سازم بہرِ چشم (۳) تا ز گوہر پر شود دو بحرِ چشم

اشک کاں از بہرِ او بارند خلق (۴) گوہر است و اشک پندارند خلق

زاں بلاہا بر عزیزاں بیش بود (۵) کاں تجمّش یار با خوباں نمود

طفل می لرزد ز نیشِ احتجام (۶) مادرِ مشفق ازاں غم شاد کام

تا نگرید کودکِ حلوا فروش (۷) بحرِ بخشائش نمی آید بجوش

تا نگرید ابر کے خندد چمن (۸) تا نگرید طفل کے جوشد لبن

ہر کجا پستی است آب آنجا رود (۹) ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

ہر کجا دردے دوا آنجا رود (۱۰) ہر کجا رنجے شفا آنجا رود

چونکہ قبضے آیدت اے راہرو (۱۱) آں صلاحِ تست آئس دل مشو

گر ہمارہ فصل تابستاں بدے (۱۲) سوزشِ خورشید در بستاں زدے

گر ترش رویست آں دی مشفق است (۱۳) صیف خنداں است اما محرق است

چونکہ قبض آید تو دروے بسط بیں (۱۴) تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں

قند شادی میوۂ باغِ غم است (۱۵) ایں فرح زخم ست و آں غم مرہم است

غم چو آئینہ است پیش مجتہد (۱۶) کاندراں ضد می نماید روئے ضد

بعد ضد رنج آں ضدِ دگر (۱۷) رو دہد یعنی کشاد و کر و فر

ایں دو وصف از پنجہ دست ببیں (۱۸) بعد قبضِ مشت بسط آید یقیں

پنجہ را اگر قبض باشد دائما (۱۹) یا ہمہ بسط او بود چوں مبتلا

زیں دو وصفش کار و مکسب منتظم (۲۰) چوں پرِ مرغ ایں دو حال او را مہم

امتحانہائے زمستان و خزاں (۲۱) تابِ تابستان بہارِ ہمچو جاں

تا بروں آرد زمینِ خاک رنگ (۲۲) ہر چہ اندر جیب دارد لعل و سنگ

تا میانِ قہر و لطفِ آں خفیہا (۲۳) ظاہر آید ز آتشِ خوف و رجا

آں بہاراں لطف و شحنۂ کبریاست (۲۴) واں خزاں تہدید و تخویفِ خداست

پس مجاہد را زمانے بسطِ دل (۲۵) یک زمانے قبض و درد و غش و غل

زانکہ ایں آب و گلے کابدانِ ماست (۲۶) منکر و دُزدِ ضیائے جانہاست

بندہ می نالد بحق از دردِ نیش (۲۷) صد شکایت میکند از رنجِ خویش

حق ہمی گوید کہ بے ایں رنج و درد (۲۸) مر ترا لابہ کناں در است کرد

زیں سبب بر انبیا رنج و شکست (۲۹) از ہمہ خلقِ جہاں افزوں ترست

پوست از دارو بلاکش میشود (۳۰) چوں ادیمِ طائفی خوش میشود

آدمی را نیز چوں آں پوست داں (۳۱) از رطوبتہا شدہ زشت و گراں

تلخ و تیز و مالش بسیار دہ (۳۲) تا شود پاک و لطیف و بافرہ

ور نمی تانی رضا دہ اے عیار (۳۳) کہ خدا رنجت دہد بے اختیار

کہ بلائے دوست تطہیرِ شماست (۳۴) علمِ او بالائے تدبیرِ شماست

چوں صفا بیند بلا شیریں شود (۳۵) خوش شود دارو چو صحت بیں شود

من عجب دارم ز جویائے صفا (۳۶) کو رمد در وقتِ صیقل از جفا

گر بلا آید ترا اندہ مبر (۳۷) ور زیاں بینی غمِ او را مخور

کاں بلا دفعِ بلاہائے بزرگ (۳۸) واں زیاں منعِ زیانہائے سترگ

تمثیل گریختن مؤمن و بے صبری در بلا با اضطراب و بیقراری نخود بجوش تا بیروں جہد و منع کدبانو

بشنو ایں تمثیل و قدرِ خود بداں (۳۹) و ز بلا ہا رو مگرداں اے جواں

ہر زمانے می برآید وقتِ جوش (۴۰) بر سرِ دیگ و برآرد صد خروش

میزند کفگیر کدبانو کہ نے (۴۱) خوش بجوش و بر مجہ ز آتش کنے

زاں بجوشانم کہ مکروہِ منی (۴۲) بلکہ تا گیری تو ذوق و چاشنی

سر بہ پیشِ قہر نہ دل برقرار (۴۳) تا ببرم حلقت اسمٰعیل وار

اے نخود می جوش اندر ابتلا (۴۴) تا نہ ہستی و نہ خود ماند ترا

زاں حدیث تلخ میگویم ترا (۴۵)	تا ز تلخیہا فرو شویم ترا
ہر کہ او اندر بلا صابر نشد (۴۶)	مقبل ایں درگہہ فاخر نشد

از عارف شیرازی رح

ابیات

جاں فدائے تو کہ ہم جانی و ہم جانانی (۴۷) ہر کہ شد خاکِ درت رست ز سرگردانی

منِ شکستۂ بدحال زندگی یابم (۴۸) دراں زماں کہ بہ تیغ غمت شوم مقتول

غزل

ازآں زماں کہ فتنۂ چشمت بما رسید (۴۹) ایمن ز شرِ فتنۂ آخر زماں شدم

اول ز حرفِ لوحِ وجودم خبر نبود (۵۰) در مکتبِ غمِ تو چنیں نکتہ داں شدم

نوٹ

یہ اشعار جن میں حالت قبض و ہیبت کی حکمتیں مذکور ہیں پچاس ہیں۔ یہ عدد برعایتِ اہمیت مضمون اُن اشعار کے عدد سے مضاعف ہے جن میں اس کا ذکر ہے کہ اکثر احوال میں نزول بلا لوازم سلوک سے ہے اور جن کو بیان واقعات غلبۂ قبض و ہیبت کے ختم پر ذیلی عنوان عود الی السابق کے تحت میں بعد نقل آیات و احادیث درج کیا گیا ہے اور چونکہ اس حالت قبض و ہیبت کے معالجہ کا بیان جو آگے آتا ہے بیان حکمت سے بھی زیادہ اہم ہے اس لئے معالجۂ قبض و ہیبت کے ذیل میں جو اشعار آئندہ درج کئے جائیں گے اُن کا عدد انشاء اللہ تعالٰے ان اشعار متضمن حکم کے عدد سے بھی مضاعف یعنی سَو ہوگا۔ احقر نے ان ہرسہ اقسام کے اشعار کو منتخب کرکے حضرت والا کی خدمت میں پیش کیا تو جن جن اشعار کا عنوان کچھ بیباکانہ سا تھا اُن کو حذف فرما دیا اور بعض اشعار کے بعض الفاظ میں مناسب ترمیم فرما دی اور اشعار کے عدد کی مذکورۂ بالا تحدید بھی حضرت والا ہی کی موزونیت طبع لطیف کا نتیجہ ہے۔

الحمد للہ بیانِ حکمتِ حالتِ قبض و ہیبت کے تینوں اجزا یعنی جزو اول و جزو دوم و جزو سوم سے فراغت حاصل ہوئی۔ اب اشتداد و امتدادِ خطرات کے رفع کی تدابیر ذکر کی جاتی ہیں جس کا وعدہ سابقۃً اثنا بیان واقعۂ ہیبت میں جہاں ضمناً تدابیر انسداد خطرات مذکور ہیں گذرچکا اس مضمون کا عنوان معالجۂ حالتِ قبض و ہیبت" تجویز کیا جاتا ہے۔

معالجۂ حالتِ قبض وہیبت

بیانِ حکمتِ حالتِ قبض وہیبت کے عنوان سابق البیان کی طرح حسن اتفاق سے عنوانِ زیر بیان کا بھی تین ہی جزو پر مشتمل ہونا ذہن میں آیا گویا یہ معالجہ ایک نسخہ ہے جس کے تین جزو ہیں جنکی تفصیل یہ ہے۔

جزو اوّل - مطالعہ کتب ذیل مصنفۂ حضرت والا مع مطالعۂ جملہ مضامینِ عنوانِ سابق البیان یعنی بیانِ حکمتِ حالتِ قبض وہیبت (۱) رسالۂ خاتمہ بالخیر (۲) رسالہ الابتلاء لاہل الاصطفاء (۳) رسالہ خیر الاخبار فی خیر الاختیار جو کتاب کمالاتِ اشرفیہ کے آخر میں طبع ہو کر شائع ہوا ہے (۴) بتویب تربیۃ السالک باب ہشتم۔

جزو دوم - مطالعۂ بعض مضامین متفرقہ منقولۂ ذیل از حضرتِ والا یہ مضامین دو حصوں پر مشتمل ہیں۔ حصۂ اول تحریرات حصۂ دوم تقریرات۔

حصۂ اول تحریرات

(۱) (الف) نقل ضمیمہ رسالہ خاتمہ بالخیر۔

ضمیمہ - ایک موذی مرض کے علاج میں۔ خطرہ ہر چند مواخذہ کی چیز نہیں جیسا اوپر تحقیق ہوا مگر اُسکا غلبہ وہجوم طبیعت کو بہت پریشان کر دیتا ہے اور انتہا درجہ کا حزن والم قلب پر طاری ہو جاتا ہے سو (یہ) امراض شرعیہ میں سے تو نہیں ہے اس حیثیت سے اس کا علاج ضرور نہیں مگر امراض طبیعہ میں سے سخت درجہ کا مرض ہوا اسلئے اس کا علاج سہل و مجرب و مختصر بیان کیا جاتا ہے وہ یہ کہ خطرہ کی حقیقت بلا اختیار نفس کا کسی بُری چیز کی طرف متوجہ ہو جانا ہے چونکہ یہ مسئلہ بہ ہدایت عقل و بہ تسلیم حکماء و علماء ثابت ہے کہ نفس جس وقت ایک طرف متوجہ ہوتا ہے دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا اسی لئے جب کسی بُری چیز کا خیال دل میں آوے تو اُس کے دفعیہ کا قصد نہ کرے نہ اُس میں نہ اُس کے اسباب میں خوض کرے کہ اس سے زیادہ لپٹتا ہے بلکہ فوراً کسی نیک چیز کی طرف خیال کو متوجہ کر دے اُس سے وہ بُرا خیال خود بخود دفع ہو جائے گا اور اگر وہ پھر خیال میں آوے پھر ایسا ہی کرے

؎ یہ رسالہ الگ بھی طبع ہوا تھا مگر اب وہ کمیاب ہے جدا گانہ کم ملتا ہے البتہ اب بتویب تربیت السالک کے مقدمہ کا جزو بن کر شائع ہوا ہے وہاں دیکھ لیا جائے ۱۲

انشاءاللہ تعالیٰ اس تدبیر سے اُس کا اثر بلکہ خود وہ خطرہ ہی متخیلہ سے بالکل نکل جائے گا۔ علاج کلی اُسکا یہی ہے۔ حدیث میں جو ایسے وقت میں بعض اذکار یا مطلق ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اُس سے یہ علاج مستنبط ہے۔ باقی معالجات جو مشائخ کے نزدیک معمول ہیں جیسے تصور شیخ یا پاس انفاس یا تخیل نقش اسم ذات وہ سب اسی کلی کے جزئیات ہیں اور اگر خطرات سے پریشان ہو کر ضعف قلب یا خفقان یا نحافت جسم یا کسی مرض کے عروض کی نوبت آگئی ہو تو علاج مذکور کے ساتھ مقویات و مفرحات قلب و غذائے نفیس اور ادویہ مرض عارضی کا استعمال بھی کیا جانا ضرور ہے چونکہ بعض سالکین کو یہ عقبہ پیش آتا ہے جس سے اُن کے ظاہری و باطنی انتظام میں خلل پڑ جاتا ہے اس لئے اسکی اصلاح عرض کر دی گئی اس علاج کو سہولت و اختصار کی وجہ سے بے قدری کی نظر سے نہ دیکھیں امتحان کرکے اس کا نفع ملاحظہ فرمائیں ۱۱ رجمادی الاول ۱۳۱۹ھ

نوٹ متعلقہ ضمیمۂ بالا (از مؤلف سوانح) چونکہ قریب زمانہ ہی میں خود حضرت والا کو یہ عقبۂ سخت پیش آچکا تھا اس لئے نہایت بصیرت کے ساتھ دیگر اہل ابتلاء کے لئے یہ علاج اکسیر و مجرب تحریر فرما دیا گیا۔ ۱۲

(ب) نقل مضمون (متعلق حدیث ان اللہ تجاوز لامتی عما حدثت بہ انفسہا الخ) ملقب بہ الحصحصہ فی حکم الوسوسہ جزو التشرف جلد سوم زیر عنوان "علاج الوسوسۃ باستحضار العفو عنہا" ۱۲)

حدیث۔ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے لئے اُنکے خیالات سے تجاوز فرما دیا ہے جن کی وہ اپنے جی سے باتیں کرتے ہیں جب تک کہ اُن کو منہ سے نہ نکالیں یا اُن کو عمل میں نہ لاویں۔ عزیزی نے کہا ہے کہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اُن کے سینہ میں جو وسوسہ پیدا ہو۔ حنفی نے کہا ہے کہ (خیال) کے مراتب پانچ ہیں ایک ہاجس دوسرا خاطر تیسرا حدیث النفس چوتھا ہم پانچواں عزم۔ پس جب کوئی بات قلب میں ابتدائً واقع ہوئی اور اُس نے نفس میں کوئی حرکت نہیں کی اُس کو ہاجس کہتے ہیں پھر اگر اُس شخص کو توفیق ہوئی اور اول ہی سے اُس کو دفع کر دیا تو وہ مابعد کے مراتب (کی تحقیق) کا محتاج نہ ہوگا اور اگر وہ نفس میں دورہ کرنے لگے یعنی وقوع ابتدائی کے بعد اُس کے نفس میں اسکی آمدرفت ہونے لگے مگر اُس کے کرنے نہ کرنے کا کوئی منصوبہ نفس نے نہیں باندھا اُس کو خاطر کہا جاتا ہے۔ جب نفس کرنے نہ کرنے کا برابر درجہ میں منصوبہ باندھنے لگا اور ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہوتی اُس کو حدیث نفس کہتے ہیں سو یہ تین درجے ایسے ہیں کہ ان پر نہ عتاب ہو اگر یہ شر میں ہے اور نہ ثواب ہے اگر خیر میں ہے۔ پھر جب اس فعل کو کر لیا تب اُس فعل پر عقاب یا ثواب ہوگا اور

ہاجس اور خاطر اور حدیث النفس پر نہ ہوگا (جیسا بعض علماء اس طرف بھی گئے ہیں) پھر جب نفس میں فعل یا عدم فعل کا منصوبہ ترجیح فعل کے ساتھ ہونے لگا لیکن وہ ترجیح قوی نہیں ہے بلکہ مرجوح ہے جیسا وہم ہوتا ہے اُس کو ہم کہتے ہیں اسپر ثواب بھی ہوتا ہے اگر وہ خیر میں ہے اور عقاب بھی ہوتا ہے اگر شر میں ہے۔ پھر جب فعل کا رجحان قوی ہوگیا یہاں تک کہ جازم مصمم بنگیا کہ ترک پر قابو نہیں رہا اُسکو عزم کہتے ہیں اسپر بھی ثواب ہوتا ہے اگر خیر میں ہے اور عقاب ہوتا ہے اگر شر میں ہے اھ میں کہتا ہوں کہ لفظ وسوسہ تینوں مرتبوں کو عام ہے یعنی ہاجس اور خاطر اور حدیث النفس سو وسوسہ کی ان تینوں قسموں پر مواخذہ نہیں ہے اور دونوں حالتوں میں حکم معافی کا مختلف نہیں ہوتا اور حدیث النفس پر مواخذہ نہ ہونا تو حدیث صحیح سے ہے (جو اوپر مذکور ہوئی) اور بقیہ دو پر (یعنی ہاجس وخاطر پر) عدم مواخذہ بالاولی ہے کیونکہ جب حدیث النفس معاف ہے تو اُس کے ماقبل کے درجات (یعنی ہاجس وخاطر جو کہ اُس سے اَہون واَدون ہیں) بدرجہ اولیٰ معاف ہوں گے اور اگر تمکو یہ خلجان ہو کہ حدیث کی بناء پر حدیث کی معافی کا حکم اسپر موقوف ہے کہ حدیث میں (حدیث النفس کے) اصطلاحی معنی مراد ہوں سو اس کی کیا دلیل ہے پس اس خلجان کو اس طرح دفعہ کرو کہ یہ اصطلاح عین لغت ہے اور نصوص معنی لغویہ ہی پر محمول ہوتے ہیں جب تک معانی لغویہ پر کوئی شرعی اصطلاح طاری نہ ہو جاوے اور یہاں طاری نہیں ہوئی پس لغوی معنی ہی مراد ہوں گے اور لغوی معنی (حدیث النفس کے) وہی ہیں جو ہم نے اوپر ذکر کیا۔ خوب سمجھ لو۔ اور ہاجس پر عدم مواخذہ کا راز یہ ہے کہ یہ اُس کا فعل نہیں صرف اُنپر ایک ایسی شے وارد ہوگئی جسپر اُس کو نہ قدرت ہے نہ اُس کا کوئی تصرف ہے اور خاطر کا درجہ جو اُس کے بعد ہے اگرچہ یہ شخص اُس کے دفع پر اس طرح قادر ہے کہ ہاجس کے اول ہی وارد ہونے کے وقت اُس کو ہٹادے (مثلاً کسی دوسری جانب میں لگ جاوے) لیکن چونکہ یہ خاطر حدیث النفس سے کم ہے اور حدیث النفس حدیث کی رو سے معاف ہے اس لئے یہ خاطر بدرجۂ اولیٰ معاف ہے اور اس (تحقیق) سے ایک سخت اشکال حل ہوگیا اور وہ اشکال یہ ہے کہ کلیات شرعیہ اور قواعد عقلیہ کا مقتضاء یہ ہے کہ اختیاری پر مواخذہ ہو اور غیر اختیاری پر مواخذہ نہ ہو (یہ تو مقدمہ ہے آگے اشکال ہے کہ) پھر امت مرحومہ کا (یہ) اختصاص (کہ وساوس پر مواخذہ نہیں ہوتا) اگر مراتب مذکورہ میں سے غیر اختیاری کے اعتبار سے ہے (کہ غیر اختیاری پر اُنسے مواخذہ نہیں ہوتا اور دوسری امم سے ہوتا تھا) تب تو امم سابقہ کو امور غیر اختیاریہ کے ساتھ مکلف ہونا لازم آتا ہے اور یہ کلیات شرعی کا منافی ہے (جیسے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کہ ظاہراً اس میں نفس عام ہے لاحق اور سابق کو) اور اگر اختیاری کے اعتبار سے ہے تو خود ایک

اختیاری اور دوسری اختیاری میں کیا فرق ہے کہ عزم پر تو مواخذہ ہوتا ہے اور حدیث النفس پر مواخذہ نہیں ہوتا باوجودیکہ اختیاری ہونے میں دونوں شریک ہیں۔ وجہ حل ہونے کی یہ ہے کہ اختصاص مرتبہ اختیاری ہی کے اعتبار سے ہے اور فرق درمیان خاطر و حدیث النفس کے اور درمیان عزم کے یہ ہے کہ خاطر و حدیث النفس کا دفع اگرچہ اختیاری ہے مگر اُس کے لئے قصد کی ضرورت ہے اور اس قصد سے اکثر ذہول ہو جاتا ہے پس ہاجس (اس ذہول کی حالت میں) اکثر خاطر او حدیث النفس کی طرف (بلا قصد) منجر ہو جاتا ہے سواس (خاطر و حدیث النفس) پر مواخذہ ہونا کلیات شرعیہ کے خلاف نہیں (کیونکہ یہ بایں معنی اختیاری ہے کہ اس کا دفع اختیاری تھا جب دفع نہ کیا تو بقاء اختیاری ہوا اور اس بناء پر کسی اُمت کا اس کا مکلّف ہونا کلیات شرعیہ کے خلاف نہ تھا) لیکن رحمت الٰہیہ نے اس اُمت کو یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ اس درجہ کو معاف کر دیا جیسے اصر و اغلال (بوجھ اور اطواق یعنی احکام شدیدہ) کو جو اُمم سابقہ پر تھے اس اُمت سے ہلکا کر دیا پس یہ مرتبہ اختیاری ہے لیکن اس میں شدت تھی اسلئے یہ اصر و اغلال کی ایک فرد تھی باقی رہا عزم تو ہاجس اسکی طرف اس طرح سے مفضی نہیں ہوتا بلکہ وہ قصد مستقل سے پیدا ہوتا ہے پس یہ فرق ہے عزم میں اور حدیث النفس میں تو مدار عفو وہ افضاء ہوا جو ذہول کے سبب سے ہو اور مدار مواخذہ عزم مستقل ہوا (جب یہ بات ہے) تو اگر گناہ کا حدیث النفس بھی عزم مستقل سے ہو اگرچہ عزم معصیت نہ ہو جیسے کسی نامحرم عورت کے تصور سے (قصدًا) لذت حاصل کرنا سو ظاہر یہ ہے کہ اسپر مواخذہ ہوگا اور ایسا التذاذ میرے نزدیک اس حدیث کے عموم میں داخل ہوگا کہ نفس (بھی زنا کرتا ہے اور اُس کا زنا یہ ہے کہ وہ) تمنا کرتا ہے اور اشتہار کرتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ قلب میلان کرتا ہے اور تمنا کرتا ہے (اور ظاہر ہے کہ التذاذ بدون اشتہار و میلان کے ہو نہیں سکتا پس یہ التذاذ بھی زنا ہوا) اور اس حدیث کا مستحضر رکھنا وساوس کا علاج عظیم ہے جس کا مشائخ استعمال کرتے ہیں (اور اسی حیثیت سے اس رسالہ میں یہ حدیث لائی گئی ہے) اور بعض اکابر (جیسے امام غزالیؒ) کا کلام اس مقام پر اور طرح ہے لیکن اصل مقصود نہیں بدلتا (یعنی اختیاری پر مواخذہ اور غیر اختیاری پر عدم مواخذہ خواہ حقیقتًا غیر اختیاری ہو خواہ حکمًا) ویلقب بیان ھذا الحدیث بالحصحصۃ فی حکم الوسوسۃ۔

(۲) ایک طالب کو حق پر ہیبت کا اسقدر غلبہ تھا کہ ضعفِ جسمانی بھی ہو چلا تھا اور لکھا تھا کہ شاید اس ہیبت میں گھل گھل کر مثل برف کے ختم ہو جاؤں گا۔ تحریر فرماتے ہیں۔ یہ ہیبت اور حزن مبارک اور رفیع حالات میں سے ہے اگر اس میں ختم ہو جائے شہادتِ کبریٰ ہے مگر سنت کا مقتضاء یہ ہے کہ

جہانتک اپنا علم اور قدرت کام دے اعتدال اور تعدیل کو اپنا مستقرِ اصلی بنائے۔ہیبت کے ساتھ اُنس اور حزن اور سوءِ ظن بنفسہ کے ساتھ رجاءِ رحمت اور فناء کے ساتھ بقاء اور نیستی کے ساتھ ہستی اور مبالغہ فی التواضع کے ساتھ مشاہدۂ نعمت کا اہتمام واستحضار کرے تاکہ ختم ہونے سے پہلے دوسروں کا خاتمہ درست کر سکے۔کیفیات مذکورۂ بالا سابقہ میں صاحبِ نسبتِ راسخہ کو اضطرار کم ہوتا ہے اکثر سوچنے سے بڑھ جاتی ہیں تو یہ سوچنا طریق میں مضر سمجھا جاتا ہے حدیث کے یہی معنی ہیں۔سددوا وقاربوا واستقیموا ولن تحصوا ومن شاق شاق اللہ علیہ اور حافظ شیرازی رحمۃ نے اسی معنی میں کہا ہے

دوش با من گفت پنہاں رازدانِ تیز ہوش کز شما پنہاں نشاید داشت رازِ میفروش
گفت آساں گیر بر خود کارہا کز روئے طبع سخت میگرد جہاں بر مردمانِ سخت کوش

آپ کو اگر آثارِ ہیبت وسوءِ ظن بنفسہ کا زیادہ غلبہ ہوا کرے تو یہ سوچا کیجئے کہ بیش بریں نیست کہ ہم ہر حالت میں ناقص اور عاصی ہیں تو خدا تعالےٰ کے یہاں جسطرح کاملین کی نجات ہوگی اُسی طرح پر نائبین کی بھی ہوگی اگر صدر نشین نہ ہوں گے تو صفِ نعال ہی میں جگہ مل رہے گی اگر اولیت نہ ہوگی تو جوتیاں لگنے کے بعد ہی سہی بس یہ سمجھ کر اللّٰھم اغفرلی کی کثرت کرنی چاہئے انشاء اللہ تعالیٰ مزاج درست ہوجائے گا اور اگر اسپر بھی قبض مغلوب نہ ہو تو بعد رمضان یہاں فوراً آجانا چاہئے اھ (منقول از بتویب تربیۃ السالک باب پنجم)

نوٹ از مؤلف۔سبحان اللہ کس بصیرت وقوت اور توجہ وشفقت کے ساتھ تدابیر ارشاد فرمائیں اور بصورتِ عدم رفعِ قبض کس جزم واعتماد سے خود اپنے پاس بغرض معالجہ طلب فرمایا یہ سب فیوض وبرکات اس کے ہیں کہ خود حضرت والا پر سخت غلبۂ ہیبت طاری ہوچکا تھا لہٰذا جو کچھ ایسے احوالِ شدیدہ میں فرماتے ہیں وہ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید کا مصداق ہوتا ہے۔اور یہی سبب ہے کہ حضرت والا کو اہل ابتلاء پر غایت درجہ ترحم ہوتا ہے اور بیحد شفقت کے ساتھ توجہ فرماتے ہیں۔

(۳) ایک اور طالب کو جنھوں نے ایک طویل عریضہ لکھا تھا (جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کبھی تو دل میں ایمان کی فرحت اور خوشی ہوتی ہے کبھی اپنے بُرے وجود کا خیال اور خاتمہ کا خوف غالب رہتا ہے) تحریر فرمایا۔جو کچھ مجموعی حالت لکھی ہے اس سب کا حاصل قبض وبسط ہے اور دونوں حالتیں نہایت رفیع ہیں اور دونوں سے قرب حق بڑھتا ہے اسواسطے دونوں کو نعمت سمجھکر شکر کرنا چاہئے قبض کے غلبہ کے وقت اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت میں یا تلاشین ترجمۂ اربعین میں کتاب الرجاء یعنی خدا کی رحمت کی امید کا مضمون باربار دیکھنا چاہئے میں بھی دعا کرتا ہوں (منقول از بتویب تربیۃ السالک باب پنجم)

(۴) ایک طالب کو جو بوجہ حالت قبض سخت پریشانی میں مبتلا تھے تحریر فرمایا - آپ کا حال اچھا خاصہ ہے ۔عبادت کے مختلف طریقے ہیں فکر بھی عبادت ہے ذکر بلا قید عدد بھی عبادت ہے اپنے کو ذلیل وخوار قاصر وناقص سمجھنا بھی عبادت ہے غرض مقصود ہر حال میں حاصل ہے ہاں مذموم حالت دو ہیں ایک معصیت دوسری غفلت سو یہ بفضلہ تعالےٰ نہیں ہے - رہا غلبہ (جوش وخروش) اور شوق یہ حالات عارضہ میں سے ہے اس کا فقدان سالک کو مضر نہیں اور نہ یہ کیفیت بعینہ قائم ودائم رہ سکتی ہے جن حجابات کا آپ کو شبہ ہوگیا ہے وہ محض وہم ہے اور کچھ نہیں ہے آپ بلادلیل محض تقلید سے میری تحریر پر مطمئن رہئے اور اپنے کام میں سہولت اور راحت سے لگے رہئے - پریشانی سے البتہ قلب ضعیف ہو جاتا ہے جس میں مضر ہونے کا احتمال ہے ۔غرض نہ آپ مریض نہ علاج کے محتاج البتہ فن کے نہ جاننے سے اپنی صحت کی خبر نہیں سو یہ بھی کوئی ضرر کی بات نہیں اھ (منقول از تبویب تربیۃ السالک باب پنجم)

(۵) بعض اہل قبض کے مختلف خطوط کے جوابات جنمیں اسباب وتشخیص وعلاج مذکور ہیں ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں ۔

(الف) یہ قبض ہے اسکی طرف التفات نہ کرو ۔کام میں لگے رہو اور استغفار کی کثرت رکھو اس کے منافع بسط سے بھی زیادہ ہیں صبر وتسلیم ورضا وتفویض اس کے آداب میں سے ہے ۔

(ب) یہ حالت جو آپ نے لکھی ہے قبض کہلاتی ہے اس کے اسباب مختلف ہیں اور معالجات بھی مختلف اگر آپ سے کوئی معصیت نہیں ہوئی اور غیر جنس لوگوں سے اختلاط بھی نہیں ہوا تو اس کا سبب امتحان ہے توکل اور صبر سے کام لیجئے اور استغفار کیجئے اور میرے مواعظ و تربیۃ السالک دیکھئے کہ رحمت حق متوجہ ہو ۔

(ج) یہ قبض ہے اس کا سبب کبھی کوئی تغیر طبعی طبّی ہوتا ہو کبھی معصیت کبھی محض امتحان طلب اس لئے جہاں سبب کی تشخیص نہ ہو سکے سب معالجات کو جمع کیا جاوے یعنی طبیب سے نبض وغیرہ دکھلا کر تعدیل مزاج کیجاوے اور بلا التفات وتردد کام میں لگے رہنا چاہئے (منقول از تبویب تربیۃ السالک باب پنجم)

(۶) ایک اہل قبض کو تحریر فرماتے ہیں ۔

صبر کن حافظ بہ تلخی روز و شب عاقبت روزے بیابی کام را

شرح اس صبر کی یہ ہے کہ جتنے کام اختیار میں ہیں کئے جائیں اور جو امر غیر اختیاری پیش آوے اُسمیں

ذرا جنبش نہ کریں نہ کچھ تجویز کریں بس خدا کے سپرد کر کے خاموش رہیں۔ (منقول از تبویب تربیۃ السالک باب پنجم)

(۷) بعض مختلف مبتلایانِ خطرات کو جو قطع خطرات کی بعض تدابیر ارقام فرمائیں وہ ذیل میں نقل کیجاتی ہیں (الف) وساوس کوئی پریشانی کی چیز نہیں۔ پریشانی سے قلب ضعیف ہو جاتا ہے جس سے دونا ہجوم ہو جاتا ہے بجز بے پروائی اور بے التفاتی کے اور کوئی تدبیر نہیں بلکہ بہتر ہے کہ اس پر خوش ہو اس سے قلب کو قوت ہوتی ہے اور وساوس کو قبول نہیں کرتا بہت جلد قطع ہو جاتے ہیں اور حقیقت میں جب اسمیں گناہ نہیں تو پھر پریشانی کیوں ہو۔

نوٹ۔ یہ طالب حضرت حاجی صاحبؒ ہی کے سلسلہ کے ایک شیخ سے بیعت تھے جو اُسوقت مکۂ معظمہ تشریف لیگئے تھے اس جواب کی برکت سے اسقدر نفع ہوا کہ پھر انھیں صاحب کا دوسرا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ الحمدللہ اب نہ وساوس کا ہجوم ہے نہ اوہام ہوا جس کا تلاطم سب قطعی طور نیست و نابود ہو گئے۔ حضور کا کس زبان سے اور کیسے شکریہ ادا کیا جاوے جو اس آڑے وقت میں دستگیری فرمائی ہے الخ۔

(ب) ایک طالب نے لکھا کہ کبھی ایسے وساوس قلب پر آتے ہیں جن سے ایمان کا خطرہ رہتا ہے حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ۔ یہ تو رحمت ہے کیا حدیث میں آپ نے ذالک صریح الایمان نہیں پڑھا اور اس میں بڑی حکمت ایک یہ ہے کہ اس سے عجب کی جڑ کٹجاتی ہے اور عدم تضرر یقینی اور منصوص ہے۔

(ج) اس کی خاص تدبیر اور اس کی کوشش اور اس میں کاوش نہ فرمائیے۔ سرسری توجہ بقصد ذکر کی طرف رکھئے اس سے شدہ شدہ خود سب خطرات قطع ہو جائیں گے (یہ سب تبویب تربیۃ السالک باب ہشتم سے منقول ہیں۔)

(د) اس کا تو سہل علاج یہ ہے کہ جب ایسے تخیلات کا ہجوم ہو اپنے قصد و اختیار سے کسی نیک خیال کی طرف فوراً متوجہ ہو جانا اور متوجہ رہنا چاہئے اس کے بعد بھی اگر تخیلات باقی رہیں یا نئے آویں اُن کا رہنا یا آنا یقیناً غیر اختیاری ہے۔ کیونکہ مختلف قسم کے دو خیال ایک وقت میں اختیاراً جمع نہیں ہو سکتے بس اشتباہ رفع ہو گیا۔ اور اگر بلا اختیار اچھے خیال کی طرف توجہ کرنے میں ذہول ہو جاوے تو جب تنبہ ہو ذہول کا تدارک تو استغفار سے اور پھر اُسی تدبیر استحضار سے کام لیا جاوے۔ یہ طریق عمل اسقدر سہل ہے کہ اس سے سہل کوئی چیز ہی نہیں بس اس کو دستور العمل بنا کر بیفکر ہو جانا چاہئے (منقول از مکتوب مسمّٰی بہ علاج الخیال جزو تربیۃ السالک مطبوعہ النور جلد ۱۵

(نمبر۳ بابتہ ماہ رجب المرجب ۱۳۵۳ھ)

حصۂ دوم تقریرات

(۱) فرمایا کہ سالک کو خطرات منکرہ سے پریشان نہ ہونا چاہئے نہ اُن کی بنا پر اپنے کو مردود سمجھنا چاہئے کیونکہ اُن خطرات کو تو شیطان قلب میں ڈالتا ہے جیسے کوئی بُری بُری باتیں کسی کے کان میں کہے اور سننے والے کو اُس کے روکنے پر قدرت نہ ہو تو باوجود ناگوار ہونیکے اُس کو مجبوراً ایلا قصد و بلا اختیار سننا ہی پڑیگا یعنی وہ سامع ہوگا مستمع نہ ہوگا نہ متکلم ہوگا لہٰذا اُس کا کیا قصور بلکہ اُس کو جو ناگواری کیوجہ سے اذیت ہو رہی ہے اس کا اُسکو اجر ملے گا۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی اپنے محبوب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کیلئے نہایت شوق کے ساتھ جھپٹا ہوا چلا جا رہا تھا کہ راستہ میں اُس کا دشمن ملا اور اُس کو اس ارادہ سے باز رکھنے کے لئے اُس کو سُنا سُنا کر بادشاہ کی شان میں بے ادبی کے کلمات بکنے لگا تو گو ناگوار تو بہت ہوگا لیکن عقل اور طلب کا مقتضا یہی ہے کہ اُس نالائق اور نمک حرام کی بیہودہ بکواس کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے ورنہ اگر ردوکد شروع کردی تو حاضریٔ دربار کے وقت کے گزر جانے کا اندیشہ ہے۔ بس اُس کو چاہئے کہ صبر کئے ہوئے خاموشی کے ساتھ چلتا چلا جائے پھر جب دربار میں رسائی ہو جائے گی تو اول تو وہ کم بخت آپ ہی پیچھا چھوڑ دے گا ورنہ کان پکڑ کر نکلوا دیا جائے گا چنانچہ اکثر عادۃ اللہ یہی ہے کہ بعدِ وصول تمام خطرات فنا ہو جاتے ہیں اور اگر بمقتضائے اسباب و مصالح خاصہ پھر بھی فنا نہ ہوں تب بھی کچھ غم نہ کرے کیونکہ خطراتِ غیر اختیاریہ پر مطلق مواخذہ نہیں نہ وہ معصیت ہیں البتہ اذیت و کلفت ضرور ہوتی ہے مگر اُس پر بھی اجر ملتا ہے اور درجے بڑھتے ہیں۔

(۲) فرمایا کہ خطرات کی خاصیت بجلی کے تار کی سی ہے کہ اگر اُس کو اپنی طرف کھینچنے کی نیت سے ہاتھ لگایا جائے تب بھی وہ لپٹتا ہے اور اگر ہٹانے کی نیت سے ہاتھ لگایا جائے تب بھی وہ لپٹتا ہی ہے بس خیریت اسی میں ہے کہ اُسکو ہاتھ ہی نہ لگایا جائے نہ جلبًا نہ سلبًا اسی طرح خطرات و وساوس سے امن کی صورت یہی ہے کہ اُن طرف التفات ہی نہ کیا جائے نہ جلبًا نہ سلبًا۔

(۳) فرمایا کہ قلب کی مثال شاہی سڑک کی سی ہے جس پر امیر غریب شریف رذیل سب ہی چلتے ہیں کسی کو یہ حق نہیں کہ ایک دوسرے کو روکے اگر چمار اور بھنگی بھی چل رہے ہیں تو حرج ہی کیا ہے وہ اپنے راستے جا رہے ہیں یہ اپنے راستے چلتا رہے۔ اسی طرح قلب کی ساخت ہی منجانب اللہ اس طرح کی

واقع ہوئی ہے کہ اُس میں اچھے بُرے سبھی قسم کے خیالات کا وُرُود ہوتا رہتا ہے۔ کسی کو اس مطالبہ کا حق نہیں کہ میرے قلب میں اچھے ہی اچھے خیالات آیا کریں بُرے خیالات بالکل آویں ہی نہیں۔ اگر بلا اختیار بُرے خیالات آتے ہیں تو کیا ڈر ہے ہاں قصداً بُرے خیالات نہ لائے نہ قصداً انکو باقی رکھے اور پھر اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہے خطراتِ منکرہ کی طرف التفات ہی نہ کرے

(۴) فرمایا کہ۔ سالک یہ سمجھ کر پریشان ہوتا ہے کہ خطرات قلب کے اندر سے پیدا ہو رہے ہیں حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ شیطان خارج سے اُن خطرات کو قلب میں ڈالتا ہے جیسے کسی کوٹھری میں غلہ بھرا ہو تو یہ بات نہیں ہے کہ وہ غلہ کوٹھری کے اندر سے پیدا ہوا ہو بلکہ وہ پیدا تو کھیت میں ہوا ہے وہاں سے لاکر کوٹھری میں بھر دیا گیا ہے اھ۔ یہ تو حضرت والا نے خطرات کے وارد علی القلب ہونے کے متعلق تحقیق بیان فرمائی اور بعد وُرود اُن کے واقع فی داخل القلب ہونے کے متعلق فرمایا کہ اگرچہ بادی النظر میں ایسا متوہم ہوتا ہے کہ خطرات قلب کی تہ میں گھسے ہوئے ہیں لیکن درحقیقت یہ بات نہیں ہوتی۔ خطرات داخل قلب میں واقع نہیں ہوتے بلکہ حوالی قلب میں رہتے ہیں اور جو چیز داخل قلب میں متوہم ہوتی ہے وہ خطرات نہیں ہوتے بلکہ اُن کا اثر اور محض انعکاس ہوتا ہے کیونکہ داخل قلب میں واقع ہونے والی چیز تو صرف عقیدۂ راسخہ ہوا کرتا ہے (کما یفھم من قولہ تعالےٰ ولما یدخل الایمانُ فی قُلُوبِکُم) نہ کہ خطرہ جو ایک محض وہمی اور سطحی چیز ہے اور کچھ بھی نہیں (کما یفھم من قولہ علیہ السلام ان الشیطان جاثم علےٰ قلب ابن اٰدم فاذا ذکر اللہ خنس واذا غفل وسوس الحدیث والنظر فے التفاوت بین کلمۃ فی وکلمۃ علیٰ) پھر فرمایا کہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی آئینہ پر مکھی بیٹھی ہو تو بوجہ اس کے کہ اُس کا عکس آئینہ کے اندر پڑ رہا ہے وہ آئینہ کے اندر بیٹھی ہوئی معلوم ہوتی ہے حالانکہ وہ ہوتی ہے آئینہ کے اوپر اور جو چیز آئینہ کے اندر نظر آرہی ہے وہ مکھی نہیں ہے بلکہ مکھی کا محض عکس ہے جس سے آئینہ میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔

(۵) فرمایا کہ۔ شیطان اُسی قلب میں وسوسے ڈالتا ہے جس میں ایمان ہوتا ہے جیسے چور اُسی گھر میں نقب لگاتا ہے جس میں دولت ہوتی ہے لہذا خطرات پر بجائے مغموم ہونیکے عقلاً خوش ہونا چاہئیے کیونکہ شیطان کا قلب میں وسوسے ڈالنا قلب کے اندر دولتِ ایمان ہونے کی علامت ہے چنانچہ حدیث شریف میں بشارت وارد ہے ذالک صریح الایمان جب سالک خوش ہوگا تو شیطان مایوس ہو کر وسوسے ڈالنا ہی چھوڑ دے گا کیونکہ مؤمن کا خوش ہونا بھلا اُس کو کب گوارا ہے اُس نے تو مغموم کرنے کے لئے وسوسے ڈالے تھے جب وہ اُس کو خطرات سے خوش ہوتا دیکھے گا تو پھر خطرات

ڈالنا ہی چھوڑ دے گا۔ علاوہ بریں خطرات پر عقلاً خوش ہونے سے قلب میں قوت پیدا ہوگی اور پھر یہ قوت بھی خود معین ہو جائے گی دفع خطرات میں۔ اور جب خطرات دفع ہو جائیں گے تو پھر طبعی غم بھی جاتا رہے گا۔ اس طرح عقلی مسرت طبعی مسرت کا بھی سبب ہو جائے گی۔

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ اس کا مجکو بھی ذاتی تجربہ ہو چکا ہے کہ خطرات پر مغموم ہونے سے قلب میں سخت ضعف عارض ہو جاتا ہے جس سے خطرات کا اور زیادہ ہجوم ہوتا ہے اور سخت اذیت پہونچتی ہے اور اس امر کا عقلی اطمینان ہو جانے کے بعد کہ یہ خطرات نعوذ باللہ سوء اعتقاد سے ناشی نہیں ہیں بفضلہ تعالیٰ فوراً سکون طبعی بھی حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ اس اطمینان کے بعد پھر اُن خطرات کا پورا اندفاع ورنہ کم از کم تقلیل ضرور ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حال ہی میں بوجہ تبخیر احقر کے قلب و دماغ میں خطرات داہیہ کا سخت ہجوم تھا جس سے شدید غم و حزن طاری رہتا تھا۔ میرے اُستاد مکرم جناب مولانا سراج احمد صاحب سے بہ سلسلۂ گفتگو جو ذکر آیا تو اُنھوں نے خود اپنے تجربہ کی بنا پر میرے احتمال تبخیر کی بہت قوت کے ساتھ تائید کی اور فرمایا کہ یہ حالت یقیناً تبخیر ہی کی وجہ سے ہے اور اس کی طبی اُصول پر اس طرح تقریر فرمائی کہ مجکو اُس وقت کامل یقین ہو گیا کہ ان خطرات کا سبب واقعی تبخیر ہی ہے نعوذ باللہ سوء اعتقاد نہیں بس اس کا یقین ہونا تھا کہ قلب کی تشویش فوراً دفع ہو گئی اور اُسیوقت سے انقباض طبعی مبدل بہ انشراح و انبساط ہو گیا پھر اس انبساط سے قلب کو قوت پہونچی جس نے تبخیر ہی کو دفع کر دیا کیونکہ غم بھی اکثر موجب تبخیر ہو جایا کرتا ہے۔

غرض کبھی عوارض طبیہ سے بھی خطرات کا ہجوم ہونے لگتا ہے بالخصوص ضعف قلب و دماغ اور اس تبخیر سے جس کو اصطلاحِ طب میں دُخانِ مراق سے تعبیر کرتے ہیں جس سے فساد تخیلہ عارض ہو کر انسان اوہامِ باطلہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کبھی خطرات کے غم سے بھی عوارض طبیہ لاحق ہو جاتے ہیں جو موجب ہو جاتے ہیں ازدیاد خطرات کے خلاصہ یہ ہے کہ کبھی عوارض سبب ہوتے ہیں اور خطرات مسبب اور کبھی خطرات سبب ہوتے ہیں اور عوارض طبیہ مسبب ایسی حالتوں میں طبیب جسمانی سے بھی رجوع کرنا چاہیئے چنانچہ حضرت والا اکثر اہل ابتلاء کو یہ بھی مشورہ دیا کرتے ہیں لیکن فرمایا کرتے ہیں کہ خطراتِ غیر اختیاریہ خواہ کسی سبب سے ہوں نہ موجب مواخذہ ہیں نہ قابل اندیشۂ و غم۔ گو طبعی حزن و غم مذموم نہیں بلکہ یہ ایمان کی علامت ہے لیکن عقلاً بے فکری کو بہرحال غالب رکھنا چاہیئے تاکہ وہ حزن طبعی مضمحل ہو جائے اور موجب پریشانی نہ ہو

احقر کے واقعۂ مذکورہ بالا سے یہ بھی تجربہ ہوا کہ خیال کے بدل جانے سے بھی خطرات دفع ہو جاتے

ہیں۔ چنانچہ حضرت والا سالک کے لئے اس مراقبہ کا کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے بیحد نافع ہونا بتاکید فرمایا کرتے ہیں بلکہ پیلنگ دیا کرتے ہیں کہ اگر اپنی حالت اللہ تعالیٰ کی محبت کے قابل نہ بھی ہو تب بھی حسب بشارت انا عند ظن عبدی بی یہی نیک گمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے اھ اور محبت حق کے آثار بھی موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان بنایا اور دین کی فکر عطا فرمائی۔ اور خطرات منکرہ پر طبعی غم نصیب فرمایا جو صریح علامت ہے ایمان کی اس مراقبہ محبت میں علاوہ اور منافع باطنیہ کے جن کے بیان کا یہ موقع نہیں یہ بھی بڑا نفع ہے کہ یہ مراقبہ خطرات کے دفع کا نہایت قوی الاثر اور مجرب بلکہ ضروری علاج ہے کیونکہ خطرات منکرہ کی بناء پر سالک کو بوجہ غایت خشیت و ناواقفی اس حالت پر بُعد کا اور اپنے او پر مبغوض عنداللہ ہونے کا وہم ہو جاتا ہے جو در حقیقت خلاف واقع ہوتا ہے لہذا بقاعدۂ العلاج بالضد اس وہم کا علاج محبوب عنداللہ ہونے کا مراقبہ ہے جو ایسی حالت میں مطابق حقیقت کے بھی ہے کیونکہ خطرات مؤمنین و مقبولین ہی کو پیش آتے ہیں۔ کافرین و مردودین کو پیش نہیں آتے جس کا سبب یہ ہے کہ شیطان کافرین و مردودین کی جانب سے تو مطمئن رہتا ہے کیونکہ وہ تو گمراہی میں اُس کا کامل اتباع کر ہی رہے ہیں۔ اور جب ایسے ضرر عظیم میں اُن کو مبتلا کر رکھا ہے تو اُس کو ضرورت ہی کیا ہے کہ پھر خطرات میں جو مطلق مضر دین نہیں اُن کو مبتلا کرے (اور یہی مضمون اختصار کے ساتھ عنقریب جزو سوم میں بسلسلۂ احادیث بضمن شرح حدیث ذاک صریح الایمان امام نووی رح سے عبارت وقیل معناہ الخ میں منقول ہوگا) البتہ مؤمنین و مقبولین کے در پے رہتا ہے کہ اگر ہو سکے تو اُن کو خطرات کے ذریعہ سے گمراہ کرے ورنہ کم از کم پریشان ہی کرے۔ لہذا اُس کی خواہش کو ہرگز پورا نہ ہونے دیا جائے یعنی خطرات منکرہ کو عقلاً منکر سمجھا جائے اور اپنے اختیار کو اُن سے ہرگز متعلق نہ ہونے دیا جائے نہ حدوثاً نہ بقاءً نہ اُن کے مقتضاء پر عمل کی نوبت آنے دی جائے اور بجائے مغموم ہونے کے خطرات کو علامت ایمان سمجھ کر اسپر عقلاً مطمئن اور مسرور رہے کہ بحمد اللہ میرے عقائد تو صحیح ہیں اور اسی جزو دوم کے حصۂ اول کے فقرہ (د) میں جو حضرت والا کا ارقام فرمایا ہوا دستور العمل ہے اُسکو اپنا معمول بنا کر بیفکری اور اطمینان کے ساتھ اپنے کو ذکر و طاعۃ اور ضروریات دینیہ و دنیویہ میں بلا لحاظ دلچسپی و عدم دلچسپی مشغول رکھا جائے بلکہ حسب تحقیق حضرت والا امور مباحہ کا بھی قدرے شغل رکھا جائے کہ وہ بھی وقایہ ہو جاتے ہیں خطرات منکرہ کا۔

(۶) فرمایا کہ خطرات کو دفع کرنے کے ہرگز درپے نہ ہونا چاہئے ورنہ وہ اور زیادہ ہجوم کرنے لگتے ہیں۔ شیطان کی خاصیت کتے کی سی ہے کہ جتنا اُس سے ڈر کر بھاگا جائے اُتنا ہی وہ اور زیادہ بھونکتا

اور پیچھا کرتا ہے اور اگر اُس کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے نہ ڈرا جائے نہ بھاگا جائے تو آپ ہی خاموش ہو کر واپس چلا جاتا ہے لہٰذا خطرات کا بہترین علاج یہی ہے کہ اُن کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے اور خوض تو ہرگز ہرگز نہ کیا جائے کیونکہ خطرات کے اندر بس خوض کرنا ہی غضب ہے اس سے بجائے شفا ہونیکے اور زیادہ پریشانی بڑھتی ہے اور خطرات کا بہت زیادہ ہجوم ہونے لگتا ہے اور گو اُنکا ہجوم دین کے لئے مطلقاً مضر نہیں کیونکہ بوجہ غیر اختیاری ہونے کے معصیت نہیں لیکن اُن سے اذیت بے حد ہوتی ہے۔ اور اُن سے نجات پانے کی جو تدابیر بتائی جاتی ہیں وہ بھی دفع اذیت ہی کے لئے بتائی جاتی ہیں نہ کہ معصیت ہونے کی بناء پر کیونکہ اپنے آپ کو بلا ضرورت مشقت اور پریشانی میں ڈالنا بھی تو مناسب نہیں۔

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ کبھی خطرات کا سبب لطافت طبع اور ذکاوت حس ہوتی ہے جس پر یہ مصرعہ صادق آتا ہے ع اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی۔ کبھی عوارض طبیہ کبھی رذائل نفسانیہ کبھی تصرفات شیطانیہ کبھی معاصی اور کبھی حق تعالیٰ کی جانب سے طلب کا امتحان ہوتا ہے اور کبھی ان اسباب میں سے ایک سے زائد اسباب بھی جمع ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں جب سبب کی تشخیص نہ ہو سکے تو سب معالجات کو جمع کر لیا جائے لیکن ہر صورت میں علاوہ معالجات خاصہ کے سب کا مشترک علاج یہی ہے کہ التفات نہ کرے اور خوض نہ کرے نہ خطرات میں نہ اُن کے اسباب میں نیز حضرت والا رذائل نفسانیہ کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ ملکات رذیلہ پر مواخذہ نہیں کہ وہ غیر اختیاری ہیں۔ افعال پر مواخذہ ہے جو اختیاری ہیں۔ ملکات رذیلہ کے مقتضاء پر بس عمل نہ ہونے دے باقی اس فکر میں نہ پڑے کہ ملکات رذیلہ زائل ہو جائیں کیونکہ وہ زائل نہیں ہوا کرتے البتہ مجاہدات اور تکرار مخالفتِ نفس سے مضمحل ہو جاتے ہیں وجہ یہ ہے کہ وہ جبلی ہیں اور جبلت بدلا نہیں کرتی البتہ افعال جبلی نہیں اُنپر اختیار ہے اُن کا صدور نہ ہونے دے اور نہ اس غم میں پڑے کہ میری جبلت ہی کیوں ایسی ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ خالق بھی ہیں اور حکیم بھی ہیں اُن کی اس میں سیکڑوں حکمتیں ہیں نیز رذائل نفس سے کون خالی ہے کم و بیش سب میں موجود ہیں الا ماشاء اللہ۔ کیونکہ نفس کی ساخت ہی ایسی رکھی گئی ہے لیکن جب تک وہ رذائل قوت سے فعل میں نہ لائے جاویں اور اُن کا ظہور بذریعہ صدور اعمال نہ ہو کوئی مواخذہ نہیں۔ جیسے دیا سلائی میں سب مادے جل اُٹھنے اور بھڑک اُٹھنے کے موجود ہیں لیکن اگر اُس کو رگڑا نہ جائے تو چاہے جیب میں لئے پھرے کوئی اندیشہ نہیں ہاں اس کی ہر وقت سخت احتیاط رکھنی ضروری ہے کہ رگڑ نہ لگنے پائے۔

(۷) فرمایا کہ۔ حضرت حاجی صاحب رحہ نے خطرات کا عجیب وغریب علاج ارشاد فرمایا تھا وہ یہ کہ یوں سوچا کرے کہ اللہ اکبر اللہ تعالے نے قلب کو بھی کیسا بحر مواج بنایا ہے کہ خطرات موجوں کی طرح اُمڈے ہی چلے آتے ہیں۔ کسی طرح روکے رُکتے ہی نہیں کیا خدا کی قدرت ہے کیا خدا کی صنعت ہے اس کو نقل فرماکر حضرت والا نے فرمایا کہ سبحان اللہ کیا لطیف معالجہ ہے کہ جن خطرات کو سالک آکر بُعد سمجھ رہا تھا انھیں کو مرآۃ جمالِ خداوندی بناکر موجب قرب ومشاہدہ بنا دیا اھ احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحہ کا ایک اور بھی لطیف معالجہ جو خود حضرت والا کے لئے حضرت والا کی حالت رفیعہ اور شان عالی کے مناسب تحریر فرمایا تھا اس جگہ نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مکتوب نمبر ۴۵ مورخہ ۱۹ ر رجب ۱۳۱۶ھ میں جس کی نقل نقول مکتوبات امدادیہ میں نمبر ۴ پر پہلے اپنے موقع پر پیش بھی کی جا چکی ہے تحریر فرماتے ہیں کہ جو کچھ قلب پر وارد ہو منجانب اللہ خیال کرو۔ جو واردات مضر ہوں گے اس مراقبہ سے سب دفع ہو جائیں گے اھ۔

ضروری تنبیہ - بعون اللہ تعالیٰ وبفضلہ حضرت والا کے ارشاد فرمودہ تحریری وتقریری معالجات خطرات کی نقل سے فراغت ہوئی۔ اب آخر میں ان سب معالجات کے متعلق حضرت والا ہی کی ارشاد فرمائی ہوئی ایک نہایت ضروری تنبیہ نقل کی جاتی ہے جس کو حضرت والا نے اس حصہ کو سنکر نہایت اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ اسقدر ضروری بات ہے کہ بغیر اسکے یہ سارا مضمون ہی معالجات خطرات کا نامکمل رہا جاتا ہے وہ تنبیہ یہ ہے کہ ان سب مذکورہ بالا معالجوں کی شرط نفع یہ ہے کہ ان معالجوں کو معالجہ سمجھ کر اور دفع خطرات کی نیت سے ہرگز نہ کیا جائے بلکہ مستقل اعمال مفیدہ سمجھکر اختیار کیا جائے اور نتیجہ خاص یعنی اندفاع خطرات کا بھی انتظار نہ کیا جائے ورنہ اس انتظار سے تعجیل اور تعجیل سے تقاضا اور تقاضے سے تشویش پیدا ہوگی اور بھلا تشویش کے ہوتے ہوئے خطرات کیونکر دفع ہو سکتے ہیں بلکہ بجائے انتظارِ اندفاعِ خطرات کے اپنی طرف سے اسپر بالکل آمادہ رہا جائے کہ اگر ساری عمر بھی خطرات سے نجات نہ ملے تب بھی کچھ پرواہ نہیں جو کام ہم کو بتایا گیا ہے بس وہ ہم کر رہے ہیں اس سے زیادہ کے ہم مکلف ہی نہیں اور رہر حال میں اس امر واقعی اور عقیدۂ واجبہ کا استحضار رکھا جائے کہ اللہ تعالے حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی۔ حاکم ہونے کی بناء پر تو اُن کو اپنی مخلوق کے اندر ہر قسم کے تصرفات کرنے کا پورا حق اور کامل اختیار حاصل ہے وہ اپنے بندوں کے اندر جو چاہیں تصرف فرمائیں کسی کو مجال چون وچرا نہیں اور حکیم ہونے کی بنار پر بندہ کو اُن کے ہر تصرف کے متعلق اجمالاً یہ اعتقاد رکھکر بالکل مطمئن رہنا چاہیے کہ یہ تصرف میرے حق میں سراسر حکمت ہے گو اُسکی

تفصیلی حکمتیں معلوم نہ ہوں اھ۔

الحمد للہ معالجہ قبض و ہیبت کے جزو دوم سے بھی فراغت حاصل ہوئی اب اُسکا جزو سوم ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

جزو سوم

مراقبہ و استحضارِ بعض آیات و احادیث و تکرارِ بعضِ اشعارِ اہلِ استبصار بہ تفکر و اعتبار جو ذیل میں مذکور ہیں۔

آیات

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ وتکرار مناجاتِ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ونیز تکرار مناجات ہذا رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ونیز تکرار مناجات ہذا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ ضروری تفسیر آیت لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

از بیان القرآن توضیح مضمون وان تبدوا لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت (یعنی ہم نے جو پہلی آیت میں کہا ہے کہ نفوس کی پوشیدہ باتوں پر بھی محاسبہ ہوگا اُس سے مراد امور غیر اختیاری نہیں بلکہ صرف امور اختیاریہ ہیں کیونکہ) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو (احکام شرعیہ میں) مکلف نہیں بناتا (یعنی اُن اُمور کو واجب یا حرام نہیں فرماتا) مگر اُسی کا جو اُس کی طاقت (اور اختیار) میں ہو اُس کو ثواب بھی اُسی کا ہوتا ہے جو ارادہ سے کرے اور اُسپر عذاب بھی اُسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے (اور جو وسعت سے باہر ہے اُس کا مکلف نہیں کیا گیا اور جس کے ساتھ قصد اور ارادہ متعلق نہیں اُس کا نہ ثواب ہے نہ عذاب اور وساوس طاقت سے خارج ہیں۔ تو اُن کے آنے کو حرام اور اُن کے نہ آنے دینے کو واجب نہیں کیا اور نہ اُنپر عذاب رکھا)

نوٹ۔ اگر کسی صاحب کو مزید تفصیل و تحقیق کا شوق ہو تو وہ سورۂ بقر کے آخری رکوع کی پوری تفسیر کو بیان القرآن مصنفہ حضرت والا میں ملاحظہ فرمالیں ۱۲۔

احادیث

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تجاوز عن امتی ما وسوست به صدورھا مالم تعمل بہ (ای مادام لم یتعلق به العمل ان کان فعلیا) او تتکلم (ان کان قولیا) متفق علیہ وعنہ قال جاء ناس من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسألوہ انا نجد فی انفسنا ما یتعاظم احدنا ان نتکلم بہ قال اوقد وجدتموہ قالوا نعم قال ذاك صریح الایمان رواہ مسلم

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاءہ رجل فقال انی احدث نفسی بالشئ لان اکون حممۃ احب الی من ان اتکلم بہ قال الحمد للہ الذی رد امرہ الی الوسوسۃ رواہ ابوداؤد۔

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاتی الشیطان احدکم فیقول من خلق کذا من خلق کذا حتیٰ یقول من خلق ربك فاذا بلغہ فلیستعذ باللہ ولینتہ متفق علیہ وعنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فی مثل ھذا) فمن وجد من ذلك شیئا فلیقل اٰمنت باللہ ورسلہ متفق علیہ وعنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فی مثل ھذا) فاذا قالوا ذلك فقولوا اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد ثم لیتفل عن یسارہ ثلثا ولیستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم رواہ ابوداؤد (مشکوۃ باب الوسوسۃ)

قال النووی فقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ذاك صریح الایمان معناہ استعظامکم الکلام بہ ھو صریح الایمان فان استعظام ھٰذا وشدۃ الخوف منہ ومن النطق بہ فضلا عن اعتقادہ انما یکون ممن استکمل الایمان ایمانا محققا وانتفت عنہ الریبۃ والشکوك الی قولہ وقیل معناہ ان الشیطٰن انما یوسوس لمن ایس من اغوائہ فینکد علیہ بالوسوسۃ لعجزہ عن اغوائہ واما الکافر فانہ یاتیہ من حیث شاء ولا یقتصر فی حقہ علی الوسوسۃ بل یتلاعب بہ کیف اراد فعلی ھذا معنی الحدیث سبب الوسوسۃ محض الایمان او الوسوسۃ علامۃ محض الایمان وھذا القول اختیار القاضی عیاض ۔ واما قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فمن وجد ذلك فلیقل اٰمنت باللہ وفی الروایۃ الاخریٰ فلیستعذ باللہ ولینتہ فمعناہ الاعراض عن ھذا الخاطر الباطل والالتجاء الی اللہ فی اذھابہ ونقل عن الامام المازری قال

ظاهر الحديث انه صلى الله عليه وسلم امرهم ان يدفعوا الخواطر بالاعراض عنها والرد لها من غير استدلال و لا نظر فى ابطالها الى قوله لما كان امر الطارى بغير اصل دفع بغير نظر فى دليل اذ لا اصل له ينظر فيه وقال فى معناه اذا عرض له هذا الوسواس فليلجأ الى الله تعالى فى دفع شره عنه و ليعرض عن الفكر فى ذلك وليعلم ان هذا الخاطر من وسوسة الشيطان وهو انما يسعى بالفساد والاغواء فليعرض عن الاصغاء الى وسوسته وليبادر الى قطعها بالاشتغال بغيرها۔

اشعار اہل استبصار

از حضرت عارف رومی رح

رنج راحت شد چو مطلب شد بزرگ (۱) گرد گلہ توتیاے چشم گرگ
بس زبون وسوسہ باشی دلا (۲) گر طرب را باز دانی از بلا
گر مرادت را مذاق شکر است (۳) بے مرادی نے مراد دلبر است
ناخوش او خوش بود بر جان من (۴) دل فدائے یار دل رنجان من
عاشقم بر لطف و بر قہرش بجد (۵) اے عجب من عاشقم بر ہر دو ضد

غم چو بینی زود استغفار کن (۶) غم بامر خالق آمد کار کن
در بلیّات جہاں صبار باش (۷) گاہ نعمت شاکر جبار باش
صنع حق را بین و مکر خود بہل (۸) اے ز صنعش مکر مکاراں خجل
چونکہ کثرت شد فنائے صنع رب (۹) بر کشائی یک کمینے بوالعجب
کہ کمینہ این کمیں باشد بقا (۱۰) تا ابد اندر عروج و ارتقا
از برائے ایں کمیں سعی بکن (۱۱) تا بری بوئے ز علم من لدن
چونکہ بر میخت بہ بندد بستہ باش (۱۲) چوں کشاید چابک و برجستہ باش
کوئے نومیدی مرو کامیدہاست (۱۳) سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

از حضرت عارف شیرازی رح

دعا

اے بادشہِ خوباں داد از غمِ تنہائی (۱۴) دل بے تو بجاں آمد وقت است کہ باز آئی
اے دردِ توام درماں بر بسترِ ناکامی (۱۵) وے یادِ توام مونس در گوشۂ تنہائی
در دائرۂ قسمت ما نقطۂ پرکاریم (۱۶) لطف آنچہ تو اندیشی حکم آنچہ تو فرمائی
زیں دائرۂ مینا خونیں جگرم مے دہ (۱۷) تا حل کنم ایں مشکل زیں ساغرِ مینائی

ایضاً

جز آستانِ توام در جہان پناہے نیست (۱۸) سرِ مرا بجز ایں در حوالہ گاہے نیست

ایضاً

در تیرہ شبِ ہجرِ تو جانم بہ لب آمد (۱۹) وقت است کہ ہمچوں مہِ تاباں بدر آئی
جاں میدہم از حسرت دیدارِ تو چوں صبح (۲۰) باشد کہ چو خورشیدِ درخشاں بدر آئی
برخاکِ درت بستہ ام از دیدہ دو صد جوئی (۲۱) باشد کہ تو چوں سروِ خراماں بدر آئی

برائے تسلی (غزل)

یوسفِ گم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور (۲۲) کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور
ایں دلِ غمدیدہ حالش بہ شود دل بد مکن (۲۳) ویں سرِ شوریدہ باز آید بہ ساماں غم مخور
دورِ گردوں گر دو روزے بر مرادِ ما نگشت (۲۴) دائما یکساں نماند کارِ دوراں غم مخور
ہاں مشو نومید چوں واقف نۂ از سرِ غیب (۲۵) باشد اندر پردہ بازیہائے پنہاں غم مخور
ہر کہ سرگرداں بعالم گشت و غمخوارے نیافت (۲۶) آخر الامر او بہ غمخوارے رسد ہاں غم مخور
در بیاباں گر بہ شوقِ کعبہ خواہی زد قدم (۲۷) سرزنشہا گر کند خارِ مغیلاں غم مخور
گرچہ منزل بس خطرناک است و مقصد ناپدید (۲۸) ہیچ راہے نیست کو را نیست پایاں غم مخور
اے دل ار سیلِ فنا بنیادِ ہستی ہر کند (۲۹) چوں ترا نوح ست کشتیباں ز طوفاں غم مخور
گر بہارِ عمر باشد باز بر طرفِ چمن (۳۰) چترِ گل بر سر کشی اے مرغِ خوشخواں غم مخور
حافظا در کنجِ فقر و خلوتِ شبہائے تار (۳۱) تا بود وردت دعا و درسِ قرآں غم مخور

دیگر

رسید مژدہ کہ ایام غم نخواہد ماند (۳۲) چناں نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند
چہ جائے شکر و شکایت ز نقشِ نیک و بد ست (۳۳) کہ کس ہمیشہ گرفتارِ غم نخواہد ماند

ابیات

اے دل صبور باش مخور غم کہ عاقبت (۳۴) از شام صبح گردد و از شب سحر شود
حافظ مکن اندیشہ کہ آں یوسفِ مصری (۳۵) باز آید و از کلبۂ احزاں بدر آئی
از غم وجد مکن نالہ و فریاد کہ دوشش (۳۶) زدہ ام فالے و فریاد رسے می آید
صبر کن حافظ بہ تلخی روز و شب (۳۷) عاقبت روزے بیابی کام را
در طریقت ہر چہ پیشِ سالک آید خیر اوست (۳۸) بر صراطِ مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست
روزے برسی بہ وصل حافظ (۳۹) گر طاقتِ انتظار داری

نصیحت (غزل)

عاشقاں را بر سرِ خود حکم نیست (۴۰) ہر چہ فرمانِ تو باشد آں کنند
خوش برآ از غصہ اے دل کاہل راز (۴۱) عیشِ خوش در بوتۂ ہجراں کنند

دیگر

میان عاشق و معشوق فرق بسیار است (۴۲) چو یار ناز نماید شما نیاز کنید
بجانِ دوست کہ غم پردۂ شما ندرد (۴۳) گر اعتماد بر الطافِ کارساز کنید

دیگر

از حشمت اہل جہل بکیواں رسیدہ اند (۴۴) جز آہ اہلِ فضل بکیواں نمی رسد
حافظ صبور باش کہ در راہ عاشقی (۴۵) ہر کس کہ جاں نداد بجاناں نمی رسد

دیگر

باغباں گر پنج روزے صحبتِ گل بایدش (۴۶) بر جفائے خار ہجراں صبرِ بلبل بایدش
اے دل اندر بندِ زلفش از پریشانی منال (۴۷) مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش
نازہا زیں نرگسِ مستانہ می باید کشید (۴۸) ایں دلِ شوریدہ گر آں زلف و کاکل بایدش
با چنیں زلف و رخے بادش نظر بازی حرام (۴۹) ہر کہ روئے یاسمین و جعدِ سنبل بایدش
تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافریست (۵۰) راہ رو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

دیگر

روزے اگر غمے رسدت تنگدل مباش (۵۱) رو شکر کن مبادا کہ از بد بتر شود
گویند سنگ لعل شود در مقامِ صبر (۵۲) آرے شود ولیک بخونِ جگر شود

خواہم شدن بمیکدہ گریاں و داد خواہ (۵۳) کز دستِ غم خلاصِ دل آنجا مگر شود

ابیات

عاشق مخور غم گر وصل خواہی (۵۴) خوں بایدت خورد درگاہ و بیگاہ

جام مئے و خونِ دل ہر یک بہ کسے دادند (۵۵) در دائرۂ قسمت اوضاع چنیں باشد

از خلافِ آمدِ عادت بطلب کام کہ من (۵۶) کسبِ جمعیت ازاں زلفِ پریشاں کردم

تو بندہ گلہ از بادشہ مکن اے دل (۵۷) کہ شرطِ عشق نباشد شکایت از کم و بیش

بہ دُرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش (۵۸) کہ انچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

مشو فریفتۂ رنگ و بو قدح درکش (۵۹) کہ زنگِ غم زدلت جز مئے مغاں نبرد

بہ دردِ عشق بساز و خموش شو حافظ (۶۰) رموزِ عشق مکن فاش پیش اہل عقول

حافظ از بادِ خزاں در چمنِ دہر مرنج (۶۱) فکرِ معقول بہ فرما گُلِ بے خار کجاست

بر آستانۂ تسلیم سر بنہ حافظ (۶۲) کہ گر ستیزہ کنی روزگار بستیزد

صحبتِ عافیت گرچہ خوش افتاد اے دل (۶۳) جانبِ عشق عزیز است فرو مگذارش

بہ پائے شوق گر ایں رہ بسر شدے حافظ (۶۴) بدستِ ہجر ندادے کسے عنانِ فراق

طبیبِ عشق منم بادہ خور کہ ایں معجون (۶۵) فراغت آرد و اندیشۂ بلا ببرد

جز بآبِ آتشیں یعنی شراب (۶۶) حل نمیگردد مرا ایں مشکلات

ہمت افزائی (غزل)

روزگاریست کہ سودائے بُتی دینِ من است (۶۷) غمِ ایں کار نشاطِ دلِ غمگینِ من است

یارب ایں کعبۂ مقصود زیارتگہِ کیست (۶۸) کہ مغیلانِ طریقش گل و نسرینِ من است

ابیات

مرا گدائے تو بودن ز سلطنت خوشتر (۶۹) کہ ذُلِ جور و جفائے تو عز و جاہ من است

عالم از نالۂ عشاق مبادا خالی (۷۰) کہ خوش آہنگ و فرح بخش نوائے دارد

ناز پروردۂ تنعم نبرد راہ بدوست (۷۱) عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

خام را طاقتِ پروانۂ پرسوختہ نیست (۷۲) نازکاں را نہ رسد شیوۂ جاں افشانی

عشق بازی کارِ بازی نیست اے دل سر بباز (۷۳) زانکہ گوئے عشق نتواں زد بچوگانِ ہوس
میل من سوئے وصال و قصدِ او سوئے فراق (۷۴) ترک کامِ خود گرفتم تا بر آید کام دوست
با دلِ خونیں لبِ خنداں بیاور ہمچو جام (۷۵) نے گرت زخمے رسد آئی چو نے اندر خروش
فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب (۷۶) کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے
فراز و شیب بیابانِ عشق دامِ بلاست (۷۷) کجاست شیر دلے کز بلا نہ پرہیزد
گر موج خیز حادثہ سر بر فلک زند (۷۸) عارف بآب تر نکند رختِ بخت خویش
زیرِ شمشیرِ غمش رقص کناں باید رفت (۷۹) کانکہ شد کشتۂ او نیک سر انجام افتاد
حافظا شاید اگر در طلبِ گوہرِ وصل (۸۰) دیدہ دریا کنم از اشک و در و غوطہ خورم

از حضرت شیخ شیرازیؒ

طلبگار باید صبور و حمول (۸۱) کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول
اگر مردِ عشقی کم خویش گیر (۸۲) وگرنہ رہِ عافیت پیش گیر
مترس از محبت کہ خاکت کند (۸۳) کہ باقی شوی چوں ہلاکت کند
خوشا وقت شوریدگان غمش (۸۴) اگر ریش بینند وگر مرہمش
دما دم شراب الم درکشند (۸۵) وگر تلخ بینند دم درکشند
اسیرش نخواہد رہائی زبند (۸۶) شکارش نجوید خلاص از کمند
صبوری ترا کامگاری دہد (۸۷) ز رنج و بلا رستگاری دہد

از حضرت عطارؒ

گر ہمی داری فرح را انتظار (۸۸) در بلا جز صبر نبود ہیچ کار

(از نواب مصطفےٰ خاں صاحب شیفتہ تخلص حسرتی در فارسی)

ابیات

خواہی کہ دمے چند بہ آرام بر آری (۸۹) خونیں جگر و خستہ دل و سوختہ جاں باش
اے عندلیب جائے تو در خاطرِ گل است (۹۰) گو برق سوز و باد ببر آشیانہ را
ریزند گلِ وصل بہ دامانِ محبت (۹۱) یک نالہ بہ شب درکش و صد خندہ سحر کن
حسرتی دل شاہدِ عدل است ہاں محزوں مباش (۹۲) میت عشرت بازایں بیت الحزن خواہد شدن

منتظر باش و مکن شکوہ و از دیر مرنج (۹۳) وعدۂ وصل سزاوار تقاضا نبود

(متفرقات)

قطعہ

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن (۹۴) دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن
سوئے زلفش نظرے کردن و رویش دیدن (۹۵) گاہ شاداں شدن و گاہ پریشاں بودن

غزل

بہ تیغ ادائے تو سر می فروشم (۹۶) بہ نوک سنانت جگر می فروشم
اسیری ز پرواز گلزار بہتر (۹۷) بکنج قفس بال و پر می فروشم

ابیات

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو (۹۸) دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو
اگرچہ دور افتادم باین امید خورسندم (۹۹) کہ شاید دست من بار دگر جانان من گیرد
گاہ شادی گاہ غمگینی ولے (۱۰۰) می ندانی شادی و غم از کجا

نوٹ - یہ سو اشعار ہیں اس عدد کی مصلحت بیان حکمت حالت قبض و ہیبت کے آخر میں جو اشعار درج کئے گئے ہیں اُنکے ختم پر جو نوٹ ہے اس میں ظاہر کی جا چکی ہے ۱۲
بعون اللہ تعالےٰ و بفضلہ معالجۂ قبض و ہیبت کا جزو سوم بھی جو اُس کا آخری جزو تھا ختم ہو گیا اور بحمد اللہ تعالےٰ اُس کے ساتھ ہی گراسۂ حاضرہ مسمی بہ الغیبہ فی الہیبہ بھی بوجہ اسکے کہ اُس کے متعلق تقریباً سب مضامین ضروریہ بعون اللہ تعالےٰ معرض تحریر میں آگئے ختم ہو گیا۔
اب اس رسالۂ الغیبہ فی الہیبہ میں سے واقعات و دلائل کو حذف کر کے صرف مہمات مسائل علمیہ و عملیہ متعلقہ حالت قبض و ہیبت کا خلاصہ مسمّٰی بہ "طیب الطیبہ لشیب الہیبہ" بغرض تسہیل استفادہ اور ایک ضروری انتباہ بغرض رفع اشتباہ مسمّٰی بہ "الانتباہ لرفع الاشتباہ" ہدیۂ ناظرین کر کے اور پھر معذرت تطویل پیش کر کے شکر نعمت اختتام و دعائے رحمت رب الانام پر اس عجالۂ نافعہ کو انشاء اللہ تعالیٰ ختم کر دیا جائیگا۔

طیب الطیبہ لشیب الہیبہ
ملقب بہ اربعین للمجروحین

یعنی

خلاصۂ مہمات مسائل علمیہ و عملیہ متعلقۂ حالتِ قبض وہیبت

ملتقط از رسالۂ "التعیبہ فی الہیبہ" بحذف واقعات ودلائل

(اس خلاصہ میں بلالحاظِ ترتیب رسالہ کی اصل عبارات جابجا سے نقل کیگئی ہیں بجز چند الفاظ زائدہ کے جو کہیں کہیں ربط ظاہر کرنے کے لئے بڑھائے گئے ہیں لیکن امتیاز کیلئے اُن الفاظ کو بین القوسین محصور کردیا گیا ہے ۱۲)

(۱) اکثر احوال میں نزول بلا عادۃً لوازم سلوک سے ہے۔

(۲) — اکثر و بیشتر سالکین کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا یہی معاملہ رہتا ہے کہ قبض وبسط یا خوف و رجا ریا ہیبت و اُنس یا عروج و نزول کم و بیش عمر بھر پیش آتے رہتے ہیں اور اُس کے قلب پر جو کہ جلوہ گاہ محبوب حقیقی ہے کبھی تجلّیِ جمال اور کبھی تجلّیِ جلال کا ورود ہوتا رہتا ہے۔

(۳) **تدابیر انسدادِ اشتدادِ خطرات** اول یہ کہ سالک حتیٰ الوسع اپنے قلب کی تقویت اور تفریح کے لئے مقویات و مفرحات کا استعمال اور اسبابِ مشوشۂ قلب سے حتی الامکان اجتناب رکھے تاکہ قلب میں قوت رہے اور ایسے احوال کا تحمل کر سکے اور منجملہ اسباب قویۂ مشوشۂ قلب کے کسی ایسے واقعۂ حزن کا جس کی تدبیر اختیار سے خارج ہو (مثلاً کسی کی موت) خواہ اُس حزن کا منشاء اپنا درد ہو یا دوسرے کی ہمدردی مع اُس کے آثار و نتائج متیقنہ یا محتملہ کا ذہن میں استمرارِ استحضار یا زبان سے اُسکا تکرار ہے یعنی بقصد اُس کو سوچنا اور اُس میں خوض و فکر کرنا یا اُس کا بکثرت تذکرہ کرنا کہ اس سے قلب ایک معتد بہ درجہ میں متاثر ہو کر مشوش اور مضمحل ہوجاتا ہے اور واقعۂ حزن سے حزن طبعی ہونا گو غیر اختیاری ہے جو مضر بھی نہیں ہے لیکن اسکا بار بار یاد کرنا ذکر کرنا اختیاری ہے اور مضر بھی ہے اور جسطرح اسکا احداث یا ابقاء اختیاری ہے اُسی طرح اسکا ازالہ بھی اختیاری ہے جس کا طریق تجربہ سے تائید بالنص سے یہ ہے کہ کسی اہم واجب مباح یا طاعت میں قلب کو مشغول کردیا جاوے اور واقعۂ غم کی یاد کی مذکورہ بالا ممانعت میں جو کثرت کی قید لگائی اسکی

وجہ یہ ہے کہ بالکل تذکرہ نہ کرنا اور ضبط میں مبالغہ کرنا بھی تجربہ سے مضر ثابت ہوا ہے کہ سب غبار اندر ہی اندر رہنے سے طبیعت گھٹ جاتی ہے اور اس کی قوتِ دافعۂ غم گھٹ جاتی ہے اسلئے مصلحت یہ ہے کہ شروع شروع میں گاہ گاہ اپنے کسی دیندار ہمدرد سے اعتدال کے ساتھ حدود شرعیہ میں رہ کر اس واقعۂ غم کا کسی قدر تذکرہ بھی کر لیا کرے۔ اس کی بھی تائید نص سے ہوتی ہے۔ (دونوں جزوں کی نصوص تائیدیہ اصل میں مذکور ہیں) اور دوسرے کے ساتھ اپنی ہمدردی کو بھی حد کے اندر رکھے اور وہ حد یہ ہے کہ دوسرے کو نفع تو پہونچ جائے لیکن اپنے کو ضرر نہ پہونچے اس کے لئے بس عقلی ہمدردی کافی ہے اور طبعی ہمدردی کو صرف اُسی حد تک رہنے دیا جائے جس حد تک عقلی ہمدردی کے مؤثر ہونے کے لئے ضروری ہو اس سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے ورنہ تجربہ سے یہ بھی مضر ثابت ہوا ہے۔ زیادہ ہمدردی اور ترحم سے قلب کو تو تکلیف ہوتی ہی ہے بعض اوقات خلافِ تسلیم و تفویض خیالات پیدا ہونے لگتے ہیں جو سخت اندیشہ کی بات ہے۔

دوسرے ترک مشاغل مباحہ میں مبالغہ نہ کرے اور بالکلیہ یکسوئی اختیار نہ کرلے تاکہ قلب میں ایسی چیزیں بھی مہیا رہیں جو اس قسم کے خطرات کو آنے سے روکیں لیکن ان مشاغل مباحہ میں تعلقات جتنی کا بڑھانا داخل نہیں کہ وہ بھی مضر ہیں صرف تعلقات انتظامی و تفریحی کافی ہیں مثلاً انتظامات معاش۔ سیر و تفریح۔ مطالعۂ تواریخ وغیرہ۔

تیسرے خطرات کی طرف التفات ہی نہ کرے یہاں تک کہ بقصدِ دفع بھی التفات نہ کرے بلکہ ذکر میں توجہ کے ساتھ مشغول ہو جائے لیکن توجہ میں بھی مبالغہ اور تندہی نہ کرے ورنہ کاوش کرنے سے طبیعت تھک کر ملول ہو جائے گی اور پھر خطرات کا اثر ہونے لگے گا۔

(۴) (ارشادات حضرت حاجی صاحب رح) (الف) جو کچھ قلب پر وارد ہو منجانب اللہ خیال کرو۔ جو واردات مضر ہوں گے اس مراقبہ سے سب دفع ہو جائیں گے۔ (ب) یوں سوچا کرے کہ اللہ اکبر اللہ تعالٰے نے قلب کو بھی کیسا بحرِ مواج بنایا ہے کہ خطرات موجوں کی طرح اُمڈے ہی چلے آتے ہیں کسی طرح روکے رکتے ہی نہیں۔ کیا خدا کی قدرت ہے۔ کیا خدا کی صنعت ہے (ختم ہوئے ارشادات حضرت حاجی صاحب رح کے۔)

(۵) (تدبیر فرمودۂ حاجی سید محمد عابد صاحب دیوبندی رح) یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ خطرات قلب میں داخل نہیں ہو رہے بلکہ خارج ہو رہے ہیں جیسے اگر چور گھر کے اندر چوری کرنے کے لئے گھسے تب بھی دروازہ پر نظر آتا ہے اور اگر گھر والوں کے جاگ پڑنے کے بعد بھاگنے لگے تب بھی دروازہ ہی سے

گذرتا ہوا نظر آتا ہے (ختم ہوا ارشاد حاجی محمد عابد صاحب دیوبندی رح کا)

(۶) کاملین پر بھی کبھی کبھی غلبۂ حال ہو جاتا ہے لیکن وہ منافی کمال نہیں ہوتا۔

(۷) صاحب مقام پر جو غلبۂ حال ہوتا ہے اُس میں وہ حدود سے خارج نہیں ہوتا بخلاف صاحب حال کے کہ وہ کبھی حدود سے بھی خارج ہو جاتا ہے گو اُسکو گناہ نہیں ہوتا کیونکہ بوجہ مغلوبیت وہ اُسوقت مرفوع القلم ہوتا ہے

(۸) صاحب مقام پر بھی کیفیات کا ورود ہوتا ہے لیکن اُن کیفیات میں لطافت ہوتی ہے کیونکہ وہ روحانی ہوتی ہیں برخلاف اسکے صاحب حال کی کیفیات نفسانی ہوتی ہیں جن میں ثقل ہوتا ہے۔

(۹) مبتلائے قبض و ہیبت کو تکلیف تو بیشک سخت ہوتی ہے لیکن قطع طریق میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا

(۱۰) وساوس و بعض اقسام قبض میں چند خفی الطافِ رحمانیہ ہیں (الف) اُس شخص کو کبھی عُجب نہیں ہوتا سمجھتا ہے کہ میں بدحال ہوں (ب) ہمیشہ ترساں رہتا ہے اپنے علم و عمل پر ناز نہیں ہوتا۔ سمجھتا ہے کہ میرا علم و عمل و حال کیا چیز ہے اسکی حقیقت دیکھ چکا ہوں (ج) اگر یہ عقبہ پیش آچکتا ہے شیطان کے مقابلہ میں اُس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے اُس سے ڈرتا نہیں کہ بس اس سے زیادہ کیا کریگا اور بدون اسکے گندے ہوئے لطیف الطبع کو ہر ضر صحبت تک سے اندیشہ رہتا ہے (د) مرتے وقت اگر دفعۃً یہ حالت پیش آتی تو پریشان ہو کر خدا جانے کس کس خیال میں مرتا اگر یہ عقبہ گذر جائے تو اُس کے تحمل کی قوت ہو جاتی ہے اگر اُس وقت بھی ایسا ہوا پریشان تو حقتعالیٰ پر بدگمان نہ ہوگا اطمینان و محبت حق میں جان دیگا (ہ) یہ شخص محقق ہو جاتا ہے دوسرے مبتلا کی دستگیری آسانی سے کرسکتا ہے (و) ہر وقت اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھتا ہے کہ ایسے نالائق کو ایسی نعمتیں عطا فرماتے ہیں (ز) اس حدیث کے معنی برائے العین دیکھ لیتا ہے کہ مغفرت عبد کی عمل سے نہوگی رحمتِ حق سے ہوگی وغیر ذلک مما لا یحصیٰ۔

(۱۱) قبض کے اسباب مختلف ہوتے ہیں چنانچہ ایک سبب یہ بھی ہے کہ تحمل سے زیادہ کام کیا جائے۔

(۱۲) محققین نے اسکو (یعنی قبض کو) بسط سے ارفع کہا ہے کہ اس سے اخلاق رذیلہ کا معالجہ زیادہ ہوتا ہے۔ تمام ذاکرین کو قریب قریب یہ حالت پیش آتی ہے پھر اس سے نجات بھی ہو جاتی ہے اور اُسکے بعد اور ترقی ہوتی ہے

(۱۳) جس شوق و ذوق سوز و گداز کو آپ کمال سمجھتے ہیں نہ وہ کمال ہے اور جس خشکی اور وسوسہ کو آپ نقصان سمجھتے ہیں نہ وہ نقصان ہے۔ (نوٹ) یہ ایک خط کی عبارت ہے ۱۲)

(۱۴) کلیہ سمجھ لیجئے کہ جو افعال اختیاری ہیں اُنہیں اللہ و رسول کے خلاف نہ کیا جاوے تو پھر احوال خواہ کچھ ہی ہوں وہ چونکہ غیر اختیاری ہیں انکی کچھ پرواہ نہ کرنا چاہئے آپ محروم نہیں ہیں ایک وقت میں یہ امر حقیقتاً بھی معلوم ہو جاویگا اب

تقلید گمان کیجئے (نوٹ یہ بھی ایک خط کی عبارت ہے ۱۲)

(۱۵) میری (یعنی حضرت والا کی ۱۲) تمنا دل سے اپنے متعلقین کے لئے اسکے (یعنی حالت قبض کے) طاری ہونیکی بشرط البصیرت و الاستقلال ہوا کرتی ہے اور اسکے منافع اسقدر ہیں کہ احصار میں نہیں آتے جن سب کا خلاصہ فنار تام ہے اور اس کے بعد جو بسط ہوتا ہے وہ بھی بے نظیر ہوتا ہے۔

(۱۶) عین قبض کے وقت گو (اُس کے) منافع معلوم نہ ہوں مگر بعد میں اکثر معلوم بھی ہو جاتے ہیں اور اگر معلوم بھی نہ ہوں تب بھی حاصل تو ہوتے ہیں اور حصول ہی مقصود ہے نہ کہ اس حصول کا علم ہرگز پریشان نہ ہوں ذکر جسقدر ہو سکے کر لیا کیجئے اگرچہ کسی قدر تکلف ہی کرنا پڑے اور اگرچہ اُس میں دلچسپی بھی نہ ہو اور جس میں زیادہ کلفت ہو اُسکو تخفیف کر دیجئے اور استغفار کی قدرے کثرت رکھیں جبتک یہ حالت رہے ہفتہ میں ایکبار دو بار اطلاع دیتے رہئے۔ سبکو یہ حالت پیش آتی ہے۔ میں تو اس سے خوش ہوا کہ علامت ہے راہ قطع ہونیکی یہ سب رستہ ہی کی گھاٹیاں ہیں (نوٹ یہ بھی ایک خط کی عبارت ہے ۱۲)

(۱۷) یہ تغیرات (یعنی تغیراتِ احوال) طبعی و نفسانی ہیں نہ کہ روحانی و قلبی سو ایسے تغیرات مضر تو کیا نافع ہوتے ہیں۔ عبدیت کی حقیقت کا اسمیں مشاہدہ ہوتا ہے فنار و تہیدستی رائے العین ہو جاتی ہے اختیاری کام کی پابندی ایسے ہی وقت دیکھنے کے قابل اور محل امتحان ہے اگر اس امتحان میں پاس ہو گیا اعلیٰ درجہ کے نمبر کا مستحق ہوگا۔

(۱۸) اس حالت میں (یعنی حالت قبض و ہیبت میں) سالک یہ دیکھ کر پریشان ہوتا ہے کہ میرے لئے چاروں طرف سے راستے بند کر دئے گئے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی اس میں یہ مصلحت ہوتی ہے کہ سب طرف سے مایوس ہو کر میری ہی طرف رجوع ہو اور اس سدِ باب سے مقصود اپنے سے محجوب کرنا نہیں ہوتا بلکہ شیطان سے بچا کر خود اپنی پناہ میں لینا مقصود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سالک کو اس تنگی میں اسلئے مبتلا کرتے ہیں کہ وہ مہلکات باطنی عُجب و کبر سے محفوظ رہے اور اگر اُس کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا جاتا تو رذائلِ نفس کے پنجہ میں جا پھنستا اور ہلاک ہو جاتا۔

(۱۹) **مطالعہ کتب ذیل مصنفہ حضرت والا**

رسالہ خاتمہ بالخیر و رسالہ الابتلا، لاہل الاصطفار و رسالہ خیر الاخبار فی خیر الاختیار (جو کتاب کمالات اشرفیہ کے آخر میں طبع ہو کر شائع ہوا ہے) و تبویب تربیۃ السالک باب ہشتم۔

(۲۰) خطرہ کی حقیقت بلا اختیار نفس کا کسی بُری چیز کی طرف متوجہ ہو جانا ہے۔

(۲۱) ہیبت اور حزن مبارک اور رفیع حالات میں سے ہیں اگر اسمیں ختم ہو جائے شہادت کبریٰ ہے مگر

سنت کا مقتضاء یہ ہے کہ جہاں تک اپنا علم و قدرت کام دے اعتدال و تعدیل کو اپنا مستقر اصلی بنائے ہیبت کے ساتھ اُنس اور حزن و سوءِ ظن بنفسہ کے ساتھ رجاءِ رحمت اور فناء کے ساتھ بقا اور نیستی کے ساتھ ہستی اور مبالغہ فی التواضع کے ساتھ مشاہدۂ نعمت کا اہتمام و استحضار کرے۔

(۲۲) اگر آپ کو آثارِ ہیبت و سوءِ ظن بنفسہ کا زیادہ غلبہ ہوا کرے تو یہ سوچا کیجئے کہ بیش برین نیست کہ ہم ہر حالت میں ناقص اور عاصی ہیں تو خدا تعالیٰ کے یہاں جس طرح کاملین کی نجات ہوگی اسی طرح پر تائبین کی بھی ہوگی اگر صدر نشین نہ ہوں گے تو صفِ نعال ہی میں جگہ مل رہیگی اگر اولیت نہ ہوگی تو جوتیاں لگنے کے بعد ہی سہی۔ بس یہ سمجھکر اللّٰھم اغفرلی کی کثرت کرنی چاہئے (نوٹ۔ یہ ایک خط کی عبارت ہے ۱۲)

(۲۳) قبض کے غلبہ کے وقت اکسیر ہدایت ترجمۂ کیمیائے سعادت میں یا تبلیغ ترجمۂ اربعین میں کتاب الرجاء یعنی خدا کی رحمت کی امید کا مضمون بار بار دیکھنا چاہیئے۔

(۲۴) مذموم حالت دو ہیں ایک معصیت دوسری غفلت۔ رہا غلبہ (جوش و خروش) اور شوق یہ حالت عارضہ میں سے ہے اسکا فقدان سالک کو مضر نہیں اور نہ یہ کیفیت بعینہٖ قائم و دائم رہ سکتی ہے حجابات کا آپ کو شبہ ہو گیا ہے وہ محض وہم ہے اور کچھ نہیں اپنے کام میں سہولت اور راحت سے لگے رہئے۔ پریشانی سے البتہ قلب ضعیف ہو جاتا ہے جس میں مضر ہونیکا احتمال ہے (یہ ایک خط کی عبارت ہے ۱۲)

(۲۵) نہ آپ مریض نہ علاج کے محتاج البتہ فن کے نہ جاننے سے (اپنی) صحت کی خبر نہیں۔ سو یہ بھی کوئی ضرر کی بات نہیں (یہ بھی ایک خط کی عبارت ہے ۱۲)

(۲۶) اس کے اسباب (یعنی قبض کے) مختلف ہیں اور معالجات بھی مختلف اگر آپ سے کوئی معصیت نہیں ہوئی اور غیر جنس لوگوں سے اختلاط بھی نہیں ہوا تو اس کا سبب امتحان ہے توکل اور صبر سے کام لیجئے اور استغفار کیجئے اور میرے مواعظ (یعنی حضرت والا کے ۱۲) و تربیۃ السالک دیکھئے کہ رحمت حق متوجہ ہو۔ (یہ بھی ایک خط کی عبارت ہے ۱۲)

(۲۷) جتنے کام اختیار میں ہیں کئے جائیں اور جو امر غیر اختیاری پیش آوے اُس میں ذرا جنبش نہ کریں نہ کچھ تجویز کریں بس خدا کے سپرد کر کے خاموش رہیں۔

(۲۸) وساوس کوئی پریشانی کی چیز نہیں۔ پریشانی سے قلب ضعیف ہو جاتا ہے جس سے دونا ہجوم ہو جاتا ہے بجز بے پروائی اور بے التفاتی کے اور کوئی تدبیر نہیں بلکہ بہتر ہے کہ اسپر خوش ہو اس سے قلب کو قوت ہوتی ہے اور وساوس کو قبول نہیں کرتا بہت جلد قطع ہو جاتے ہیں اور حقیقت میں جب اس میں گناہ نہیں تو پھر پریشانی کیوں ہو۔ گو طبعی حزن و غم مذموم نہیں بلکہ یہ ایمان کی علامت ہے لیکن عقلاً بے فکری کو

بہر حال غالب رکھنا چاہئے تاکہ وہ حزنِ طبعی مضمحل ہو جائے اور موجب پریشانی نہ ہو۔

(۲۹) اسکا (یعنی تخیلاتِ فاسدہ کا) تو سہل علاج یہ ہے کہ جب ایسے تخیلات کا ہجوم ہو اپنے قصد و اختیار سے کسی نیک خیال کی طرف فوراً متوجہ ہو جانا اور متوجہ رہنا چاہیئے اس کے بعد بھی اگر تخیلات باقی رہیں یا نئے آویں اُنکا رہنا یا آنا یقیناً غیر اختیاری ہے کیونکہ مختلف قسم کے دو خیال ایک وقت میں اختیاراً جمع نہیں ہو سکتے بس اشتباہ رفع ہو گیا اور اگر بالاختیار اچھے خیال کی طرف توجہ کرنے میں ذہول ہو جاوے تو جب تنبہ ہو ذہول کا تدارک تو استغفار سے اور پھر اُسی تدبیر استحضار سے کام لیا جاوے یہ طریقِ عمل اسقدر سہل ہے کہ اس سے سہل کوئی چیز ہی نہیں بس اسکو دستور العمل بنا کر بیفکر ہو جانا چاہیئے

(۳۰) سالک کو خطرات منکرہ کی بنار پر اپنے کو مردود نہ سمجھنا چاہئے کیونکہ اون خطرات کو تو شیطان قلب میں ڈالتا ہے لہٰذا اُسکا (یعنی سالک کا) کیا قصور بلکہ اُسکو جو ناگواری کی وجہ سے اذیت ہو رہی ہے اسکا اُسکو اجر ملیگا۔

(۳۱) غالب عادۃ الٰہیہ یہی ہے کہ بعدِ وصولِ تام خطرات فنا ہو جاتے ہیں اور اگر بمقتضائے اسباب و مصالح خاصہ پھر بھی فنا نہ ہوں تب بھی کچھ غم نہ کرے کیونکہ خطرات غیر اختیاریہ پر مطلق مواخذہ نہیں۔

(۳۲) قلب کی ساخت ہی منجانب اللہ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اُس میں اچھے بُرے سبھی قسم کے خیالات کا ورود ہوتا رہتا ہے کسی کو اس مطالبہ کا حق نہیں کہ میرے قلب میں اچھے ہی اچھے خیالات آیا کریں بُرے خیالات بالکل آویں ہی نہیں۔

(۳۳) خطرات داخل قلب میں واقع نہیں ہوتے بلکہ حوالیٔ قلب میں رہتے ہیں اور جو چیز داخلِ قلب میں متوہم ہوتی ہے وہ خطرات نہیں ہوتے بلکہ اُنکا اثر اور محض انعکاس ہوتا ہے کیونکہ داخل قلب میں واقع ہونے والی چیز تو صرف عقیدۂ راسخہ ہوا کرتا ہے نہ کہ خطرہ جو ایک محض وہمی اور سطحی چیز ہے اور کچھ بھی نہیں۔

(۳۴) شیطان اُسی قلب میں وسوسے ڈالتا ہے جس میں ایمان ہوتا ہے۔

(۳۵) حضرت والا سالک کے لئے اس مراقبہ کا کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے بیحد نافع ہونا بتاکید فرمایا کرتے ہیں بلکہ یہاں تک فرمایا کرتے ہیں کہ اگر اپنی حالت اللہ تعالیٰ کی محبت کے قابل نہ بھی ہو تب بھی حسب بشارت انا عند ظن عبدی بی یہی نیک گمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے

(۳۶) خطرات مومنین و مقبولین ہی کو پیش آتے ہیں کافرین و مردودین کو پیش نہیں آتے۔

(۳۷) خطرات منکرہ کو عقلاً منکر سمجھا جائے اور اپنے اختیار کو اُن سے ہرگز متعلق نہ ہونے دیا جائے

نہ حدوث تا نہ بقائے نہ اُن کے مقتضا پر عمل کی نوبت آنے دیجائے اور بجائے مغموم ہونیکے خطرات کو علامت ایمان سمجھ کر (جیسا نمبر ۳۶ سے ظاہر ہے) اسپر مطمئن اور مسرور رہے کہ بحمد اللہ میرے عقائد تو صحیح ہیں اور دستور العمل مرقومہ نمبر ۲۹ کو معمول بنا کر بیفکری اور اطمینان کے ساتھ اپنے کو ذکر و طاعۃ اور ضروریات دینیہ و دنیویہ میں بلا لحاظ دلچسپی و عدم دلچسپی مشغول رکھا جائے بلکہ (جیسا نمبر ۳۰ میں تجویز کیا گیا ہے) امور مباحہ کا بھی قدرے شغل رکھا جائے کہ وہ بھی وقایہ ہو جاتے ہیں خطرات منکرہ کا۔

(۳۸) کبھی خطرات کا سبب لطافتِ طبع اور ذکاوت حس ہوتی ہے۔ کبھی عوارضِ طبیہ کبھی رذائل نفسانیہ کبھی تصرفات شیطانیہ کبھی معاصی اور کبھی حقتعالیٰ کیجانب سے طلب کا امتحان ہوتا ہے اور کبھی ان اسباب میں سے ایک سے زائد اسباب بھی جمع ہو جاتے ہیں اس صورت میں جب سبب کی تشخیص نہ ہو سکے تو سب معالجات کو جمع کر لیا جائے۔ لیکن ہر صورت میں علاوہ معالجاتِ خاصہ کے سبکا مشترک علاج یہی ہے کہ التفات نہ کرے اور خوض نکرے نہ خطرات میں نہ اُن کے اسباب میں۔

(۳۹) وساوس سے ایک گونہ ظلمتِ طبعی ہوتی ہے مگر ہر تاریکی مانع قطعِ مسافت نہیں جبکہ سالک صحیح ہو۔ چنانچہ ریل کبھی تاریکی میں بھی چلتی ہے اس طرح کہ اُسکی کھڑکیاں بند ہوتی ہیں (بس) ڈرائیور کا صاحبِ نور ہونا کافی ہوتا ہے اور ریل کا لائن پر ہونا۔

(۴۰) ان سب مذکورۂ بالا معالجوں کی شرطِ نفع یہ ہے کہ ان معالجوں کو معالجہ سمجھکر اور دفع خطرات کی نیت سے ہرگز نہ کیا جائے بلکہ مستقل اعمال مفیدہ سمجھکر اختیار کیا جائے اور نتیجہ خاص یعنی اندفاع خطرات کا بھی انتظار نہ کیا جائے بلکہ بجائے انتظار اندفاع خطرات کے اپنی طرف سے اسپر بالکل آمادہ رہا جائے کہ اگر ساری عمر بھی خطرات سے نجات نہ ملے تب بھی کچھ پرواہ نہیں۔ جو کام ہمکو بتایا گیا ہے بس وہ ہم کر رہے ہیں اس سے زیادہ کے ہم مکلف ہی نہیں اور ہر حال میں اس امر واقعی اور عقیدۂ واجبہ کا استحضار رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی۔ حاکم ہونے کی بنا پر تو اُن کو اپنی مخلوق کے اندر ہر قسم کے تصرفات کرنے کا پورا حق اور کامل اختیار حاصل ہے وہ اپنے بندوں کے اندر جو چاہیں تصرف فرمائیں کسیکو مجال چون و چرا نہیں اور حکیم ہونیکی بنا پر بندہ کو اُن کے ہر تصرف کے متعلق اجمالاً یہ اعتقاد رکھکر بالکل مطمئن رہنا چاہئے کہ یہ تصرف میرے حق میں سراسر حکمت ہے گو اُس کی تفصیلی حکمتیں معلوم نہ ہوں اھ

تمت الخلاصہ

نوٹ

اس مختصر مگر جامع مانع خلاصہ کو اصل رسالہ یعنی الغیبہ فی الھیبہ کا عطر کہنا زیبا ہے اسکی خاصیت و خصوصیت اور نافعیت و اہمیت کی بناء پر حضرت صاحب سوانح ہذا نے اسکا ایک نہایت لطیف نام بھی تجویز فرما دیا ہے جو زیب عنوان ہے یعنی "طیب الطیبہ لتشیب الھیبہ" وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کا ہر مسئلہ تعلیمات نبویہ علیٰ صاحبہا السلام والتحیۃ ہی سے مستفاد ہے جن کی تدوین زیادہ تر مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ اور مجموعۂ ہذا سالکین محزونین کے لئے جن کو حالتِ قبض و ہیبت نے سخت مضمحل اور مارے غم کے گویا بوڑھا کر رکھا ہو مثل خوشبو کے فرحت بخش اور نشاط انگیز ہے نیز چونکہ اس کے اجزاء کا عدد حُسن اتفاق سے چالیسؔ ہوا اور یہ گویا اہل ابتلاء کے مجروح قلوب کے لئے ایک مرہم ہے جو مرکب ہے چالیس اجزاء سے لہٰذا اس کا ایک نہایت موزوں لقب بھی تجویز فرما دیا ہے یعنی "الاربعین للمجروحین" چنانچہ یہ لقب بھی زیب عنوان کر دیا گیا ہے۔ حسب ارشادِ حضرتِ والا اس خلاصہ کو مرتب کرنے میں اختصار کو بہت زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ مبتلائے پریشانی سہولت سے مطالعہ کر کے اور ذہن میں مستحضر رکھکر منتفع ہو سکے اور کثرت مضامین سے خلجان میں نہ پڑ جائے۔

حضرت والا نے اس مجموعہ کی غایت نافعیت کی بناء پر اس کی تعجیل اشاعت کا بھی ایماء فرمایا کیونکہ سوانح ہذا کی تکمیل و اشاعت میں تو ابھی کچھ دیر تھی اللہ تعالےٰ اس کو مقبول و نافع اور ہر طرح اسم بامسمیٰ فرمائے یعنی سالکیں محزونین و مجروحین کے لئے مفرح قلب ہو اور مرہم زخم دل بنے۔ بحرمۃ سید المرسلین و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ واتباعہ اجمعین

الانتباہ لرفع الاشتباہ

اس کراسہ حاضرہ مسمی بہ "النفیسہ فی الہیبہ" میں جتنے مضامین حضرت والا کی تحریرات و تقریرات سے نقل کئے گئے ہیں وہ گو حضرت والا کی مجتہدانہ تحقیقات ہیں جیسا کہ اس فن میں مصلح کے لئے اجتہاد شرط ہے لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت والا اس اجتہاد میں متفرد ہیں بلکہ متقدمین ائمۂ فن کے اجتہادات بھی حضرت والا کی ان تحقیقات اجتہادیہ کی تائید میں مصرح ہیں۔ چنانچہ امام قشیری رح متوفی ۴۶۵ھ کا کلام تینوں مقاصد یعنی بیان واقعات و بیانِ حکمت و بیانِ معالجات کے متعلق بطور نمونہ کے نقل کیا جاتا ہے وہو ہذا۔

لزوم ابتلاء عادةً واعلمان فی هذه الحالة قلّما یخلو المرید فی اوان خلوته فی ابتداء ارادته من الوساوس۔

حکمت ابتلاء وهذا من الامتحانات التی تستقبل المریدین۔

اشتداد ابتلاء۔ واعلم انه یکونُ للمریدین علی الخصوص بلایا من هذا الباب وذالك انهم اذا خلوا فی مواضع ذکرهم او کانوا فی مجالسِ سماعٍ او غیر ذلك یهجس فی نفوسهم ویخطر ببالهم اشیاء منکرة یتحققون ان الله سبحانه منزه عن ذلك ولیس یعتریهم شبهة فی ان ذلك باطل ولکن یدوم ذلك فیشتد تأذیهم به حتی یبلغ ذلك حدا یکون اصعب شتم واقبح قول واشنع خاطر بحیث لا یمکن المرید اجراء ذلك علی اللسان وابداؤه لاحد وهذا اشد شیء یقع لهم۔

علاج ابتلاء۔ فالواجب عند هذا ترك مبالاتهم بتلك الخواطر واستدامة الذکر والابتهال الی الله عز وجل باستدفاع ذلك وتلك الخواطر لیست من وساوس الشیطان وانما هی من هواجس النفس فاذا قابلها العبد بترك المبالاة بها ینقطع ذلك عنه۔ اھ ختم ہوئی عبارت قشیریہ کی گو اختصار و بسط کا تفاوت ہو جس کا مبنیٰ تفاوتِ افہام مخاطبین پر متکلم کی نظر ہے اور خلف کے اجتہاد کا توافق سلف کے اجتہاد کے ساتھ مسلم دلیل ہے اس کی صحت و مقبولیت کی وللہ الحمد۔

معذرت

چونکہ "التغیبہ فی الغیبہ" کا موضوع بہت مہتم بالشان تھا اور اس کے متعلق بہت سے مباحث قابل تحقیق تھے جیساکہ ناظرین کو مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا اس لئے اضطراراً تطویل ہو گئی اور باوجود کوششِ اختصار اختصار نہ ہو سکا حالانکہ حضرتِ والا ہر موقع پر بار بار سخت تاکید فرماتے رہے بلکہ بہت سے مضامین مفیدہ کو جن کا موضوع اصلی سے بے تکلف تعلق نہ تھا حذف بھی کرا دیا۔ لیکن پھر بھی تطویل ہو ہی گئی اور کیوں نہ ہوتی جبکہ حضرت حافظ شیرازی رح کا یہ شعر ہو بہو بلکہ برعایت الفاظ یوں کہا جائے کہ مو بمو صادق آرہا تھا ؎

شرحِ شکنِ زلف خم اندر خمِ جاناں کوتہ نتواں کرد کہ ایں قصہ دراز است

بہر حال اس سلسلہ میں بفضلہ تعالےٰ بہت سے حقائق و دقائقِ طریق معرض تحریر میں آ گئے۔ الحمد للہ علی ذالک

اس عجالۂ نافعہ کی نافعیت و اہمیت کا اسی امر سے اندازہ فرما لیا جائے کہ اسکے مرتب ہو جانے کے بعد خود حضرت والا نے نہایت مسرت کے ساتھ فرمایا کہ الحمد للہ یہ رسالہ اس موضوع میں بے نظیر مرتب ہو گیا نیز اسکی مستقل اشاعت کی تمنا کا بھی اظہار فرمایا۔ اور واقعی چونکہ یہ عجالہ بحمد اللہ تعالیٰ۔ حالت قبض و بسط اور وُرود خطرات و وساوس کے متعلق تحقیقات نادرہ و نکاتِ دقیقہ نیز معالجات عجیبہ علمیہ و عملیہ سے مملو ہے اور اس موضوع کے سارے پہلوؤں کو حاوی اس لئے اگر یہ مستقلاً بھی شائع ہو جائے تو طالبین و سالکین طریق کے لئے جنھیں اکثر ایسے احوال پیش آتے رہتے ہیں اور بالخصوص مبتلایانِ خطرات و وساوس کے لئے انشاء اللہ تعالےٰ ایک نہایت ہی کار آمد اور حرز جان بنانے کے قابل چیز ہو گی۔

چنانچہ اسکے غایت درجہ نافع ہونے کا خود احقر کو بھی ذاتی تجربہ ہو چکا ہے جس کی صورت یہ ہوئی کہ اتفاق سے اسکے دوران تحریر میں برابر خود احقر پر بھی بوجہ ہجوم خطراتِ واہیہ شدید کیفیت انقباضیہ طاری رہی جس کو حضرت والا نے مصلحت آمیز حسن اتفاق پر محمول فرمایا کیونکہ اس سے بھی اس مضمون کے لکھنے میں ایک گونہ اعانت و سہولت ہوئی پھر حضرت والا کے ارشاد فرمودہ معالجات کو یاد کر کے اور سوچ سوچ کر خود اپنے قلم سے معرض تحریر میں لانے اور حسب ضرورت انپر عمل پیرا ہونیکی برکت سے وہ کیفیت انقباضیہ بفضلہ تعالےٰ و بحمدہ تقریباً بلکہ فی الحال بالکلیہ زائل بھی ہو گئی اور اس قسم کے حالات کے متعلق ایسے ایسے مفید و زرّیں اصول علمی و عملی ذہن نشین ہو گئے کہ انکو ہمیشہ پیش نظر اور زیر عمل رکھنے سے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اس درجہ پریشانی کی کبھی نوبت بھی نہ آئیگی والامر بید اللہ تعالیٰ۔ بالخصوص حضرت حکیم الامت

دامت برکاتہم کے ارشاد فرمودہ دو معالجات یعنی مراقبۂ حسنِ ظن باللہ اور استحضار صحت اعتقاد عقلی نے تو اکسیر کا کام کیا اور یہ دونوں معالجے گویا تریاق ثابت ہوئے فالحمد للہ حمداً کثیراً۔ اللہ تعالیٰ بہ برکت حضرتِ صاحبِ سوانح استقامت بخشے اور ہمیشہ راہ مستقیم پر ثابت قدم رکھے آمین ثم آمین یا مُقَلِّبَ القُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِی عَلٰی دِیْنِکَ۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِنِی وَسَدِّدْنِی اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِی اِیْمَانًا لَا یَرْتَدُّ وَیَقِیْنًا لَیْسَ بَعْدَہٗ کُفْرٌ وَرَحْمَۃً اَنَالُ بِھَا شَرَفَ کَرَامَتِکَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ رَبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الشَّکِّ فِی الْحَقِّ بَعْدَ الْیَقِیْنِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ یَوْمِ الدِّیْنِ اٰمِیْن ثُمَّ اٰمِیْن یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

یہ ادنیٰ نمونہ ہے حضرت والا کے ارشاداتِ حقہ کی نافعیت اور برکت کا اللہ تعالیٰ سایۂ عاطفت کو بایں فیوض و برکاتِ روز افزوں مسلمانوں کے سروں پر مدتِ مدید تک بعافیت تمام سلامت باکرامت رکھے آمین ثم آمین یارب العالمین۔

اسی مجالہ کے دورانِ تحریر میں الحمدللہ یہ برکت بھی ظاہر ہوئی کہ اس احقرِ ناکارہ کو حضرت مولانا شاہ فضل رحمان صاحب گنج مرادآبادی قدس اللہ سرہ کی زیارتِ منامی کا شرف حاصل ہوا۔ جس میں احقر نے بحضور شاہ صاحب عرض کیا کہ مجھے وساوس شیطانیہ کی بہت کثرت رہتی ہے دعا فرمائیے کہ ایمان کامل نصیب ہو۔ فرمایا کہ تمہارا پیر تو بڑا بھاری شیخ ہے تم تو مولوی اشرف علی کے مرید ہو پھر وساوس کے متعلق فرمایا کہ ریل کبھی تاریکی میں بھی چلتی ہے اس طرح کہ اس کی کھڑکیاں بند ہوتی ہیں الخ

اس خواب کی تعبیر ظاہر ہے اس میں ریل کی جو مثال ہے اس کی حضرت والا نے احقر کے عریضہ پر جس میں یہ خواب پیش کیا گیا تھا خواب کی عبارت کے ختم پر منقولہ ذیل توضیح تحریر فرمائی "یعنی وساوس سے ایک گونہ ظلمت طبعی ہوتی ہے مگر یہ تاریکی مانعِ قطعِ مسافت نہیں جبکہ وسائط صحیح ہوں چنانچہ ڈرائیور کا صاحبِ نور ہونا کافی ہوتا ہے اور ریل کا لین پر ہونا انتہیٰ کلامہ بالفاظہٖ۔ حضرت والا کی یہ توضیح بھی خطرات کے متعلق ایک مستقل تحقیقِ لطیف ہے اور استقلالاً قابلِ استحضار فقط

شکرِ نعمتِ اختتام
و
دعائے رحمتِ رب الانام

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ محض اُس کے فضل و کرم سے حضرت والا کی خاص الخاص حالتِ باطنیۂ رفیعہ یعنی غلبۂ ہیبت کا مفصل بیان ببرکتِ دعوات و توجہات و اصلاحات و ہدایاتِ حضرت والا اس نااہل و نابلد کے ہاتھوں بہمہ وجوہ سرانجام پاکر اختتام کو پہونچا اور اس کے ساتھ ہی باب شرفِ بیعت و استفاضۂ باطنی بھی بفضلہ تعالیٰ ختم ہوگیا۔ اور خلاف توقع بحسن و خوبی ختم ہوا یہانتک کہ خود صاحب واقعات مندرجۂ باب ہذا یعنی حضرت والا نے بعد ملاحظہ بغایت شفقت و تحسین اس نااہل و ناکارہ کو مخاطب فرماکر فرمایا کہ آپ نے تو ماشاء اللہ ان حالات کو اس طرح لکھا ہے جیسے آپ ہر موقع پر میرے ساتھ ساتھ رہے ہوں۔ فالحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ وما توفیقی الا باللہ۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس ناکارہ و آوارہ کو بھی اچھے ٹھکانے لگائے اور انجام بخیر فرمائے نیز اسکے لکھنے میں جو ظاہری و باطنی فروگذاشتیں اس احقر سے ہوئی ہیں اُن کو اپنے فضل و کرم سے معاف فرماکر اسکو شرف قبولیت بخشے اور طالبین و سالکین کے لئے موجب خیرات و برکات اور اس بداعمال و بداحوال کے لئے کفارۂ سیئات و ذریعۂ نجات فرمائے آمین ثم آمین یارب العالمین بحرمت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین

تمت الرسالۃ المسمّاۃ بالغیبۃ فی الھیبۃ" مع باب البیعۃ والاستفاضۃ فالحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات۔

الحاق متضمن طریقۂ اشاعتِ مستقلۂ الغیبہ فی الہیبہ

اگر اس عجالۂ نافعہ مسمیٰ بہ الغیبہ فی الہیبہ کی نافعیت خاصہ کی بنا پر جس کا ذکر زیر عنوان "معذرت" ابھی کیا جاچکا ہے کوئی صاحبِ خیر اس کو سوانح ہذا سے جس کا یہ ایک جزو ہے لیکر مستقلاً شائع کرنا چاہیں تو اُن کی سہولت کے لئے اس کی ابتداء اور انتہا نیز پیشانی کی عبارت اور ہیئت عرض کیجاتی ہے۔

ابتداء۔ کتاب اشرف السوانح میں جس مقام پر عنوان "الغیبہ فی الہیبہ" شروع ہوا ہے اُس سے ذرا قبل ایک سرخی ہے جسکی یہ عبارت ہے "تمہیدِ مضمونِ قبض و ہیبت معنون بہ الغیبہ فی الہیبہ"

اس سرخی کے بعد کی عبارت جو اس طرح شروع ہوتی ہے "غرض بعد ترک تعلق مدرسی الخ" بس وہی عبارت ابتدا ہے۔

انتہاء۔ رسالہ کے ختم پر ایک عربی عبارت ہے جو ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے "بنعمتہ تتم الصالحات" بس وہی انتہا ہے لیکن اس عربی عبارت میں سے صرف یہ الفاظ نہ لکھے جائیں "مع باب البیعۃ والاستفاضۃ"

پیشانی اور اُسکی ہیئت۔ جس مضمون کی ابتداء اور انتہاء ابھی عرض کی گئی ہے اُسکے اوپر بہ ہیئت ذیل یہ پیشانی لکھ دی جائے

رسالہ الغیبہ فی الہیبہ

(ملتقط از اشرف السوانح یعنی سوانح عمری حضرت اقدس حکیم الامۃ مجدد الملۃ اشرف العلماء افضل الفضلاء قطب الاقطاب شیخ المشائخ واقف اسرار خفی وجلی حافظ قاری حاجی مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی حنفی چشتی امدادی مدت فیوضہم العالی)

حامداً ومصلیاً

تمہید رسالہ

(اس تمہید کے قبل اشرف السوانح میں حضرت صاحبِ سوانح کی خلوت گزینی اور اُنس مع اللہ کے حالات مبارکہ کا سلسلہ اوپر سے چلا آرہا ہے۔ عبارت مابعد اسی سے مرتبط ہے)

غرض بعد ترکِ تعلق مدرسی (یہاں سے ختم رسالہ تک جس کا پتہ اشرف السوانح کی سرخی "الحاق متضمن طریقۂ اشاعۃ الخ کے تحت میں بہ عنوان انتہاء بتلایا گیا ہے نقل کرتے چلے جائیں ۱۲)

اطلاع مفید

الحمد للہ "اشرف السوانح کے حصہ اول" کے مطالعہ سے تو ناظرین کرام اچھی طرح مستفیض و محظوظ ہو چکے اب انشاء اللہ تعالیٰ اسکا حصہ دوم بھی عنقریب شائع ہو کر ہدیۂ ناظرین ہوگا۔ اُس کے اندر جو مضامین ہوں گے اُنکی فہرست اور اُسکے متعلق ضروری اطلاع اس حصۂ اول کے شروع ہی میں فہرست مضامین کے ختم پر بلاحظہ سے گذر چکی ہے مکرر ملاحظہ فرمالیا جائے اور دعا کیجائے کہ اللہ تعالےٰ "حصۂ دوم" کی بھی مع الخیر جلد تکمیل و اشاعت فرمائے ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔ فقط

احقر مؤلف

(ٹیچنگ کردہ ...... محمد عفران کھوڈوی)

مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر

جس کا مقصد حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کی اُن نایاب تالیفات کو دوبارہ شائع کرنا ہے جو ایک مرتبہ شائع ہو کر نایاب ہو گئیں

بہت کم حضرات کو معلوم ہے کہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کی مجددانہ اور اصلاحی تصانیف جن کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے اور امت کی اصلاح کے لئے اس پُرفتن زمانہ میں اُن کا مطالعہ نہایت ضروری ہے لیکن اس وقت ان تصانیف کی کثیر تعداد ایسی نایاب ہے کہ نئی اُمت اُن کے نام اور فوائد سے بھی ناآشنا ہو گئی ہے نہ تاجروں کو ان کی دوبارہ طباعت کی طرف توجہ ہے۔

لہٰذا یہ ادارہ ایسی نایاب کتب کی اِشاعت کو نہایت ضروری سمجھ کر قسط وار طباعت کے لئے کمربستہ ہو گیا لیکن اتنی بڑی تعداد کی طباعت و اشاعت تنہا کسی معمولی ایک اِدارہ کے بس کا کام نہیں تاوقتیکہ پوری اُمت اپنے تعاون سے اس کا ہاتھ نہ بٹائے۔

اُمت کو اس کے ساتھ تعاون کیوں کرنا چاہیے؟

اِس لئے کہ یہ تصانیف ایک مجددِ وقت کے قلم سے نکلے ہوئے اصلاحِ اُمت کے لئے مفید نسخے ہیں آج جن جن دینی، اخلاقی، معاشرتی کمزوریوں میں امت مبتلا ہے یہ ان کی نشان دہی کر کے صحیح علاج اور نسخۂ شفا بتاتی ہے۔

اشاعت میں تعاون کی کیا کیا صورتیں ہو سکتی ہیں؟

(۱) جن حضرات کو ان تصانیف کی ضرورت اور فوائد معلوم ہیں وہ ناآشنا اُمت سے ان کا تعارف کرائیں، زبانی بھی اور کتابیں سُنا کر بھی اور عاریۃً مطالعہ کے لئے دے کر بھی۔

(۲) اس ادارہ کے خود بھی ممبر بنیں اور دوسروں کو بھی ممبر بنائیں جس کا قاعدہ ادارہ سے معلوم کیجئے۔

(۳) جن کے پاس یہ کتابیں نہیں ہیں اُن کو خریداری کی ترغیب دی جائے اگر وہ ابھی خریدنے اور روپیہ خرچ کرنے کے لئے تیار نہ ہوں یا نادار ہوں تو بہ نیت تبلیغ کتابیں خرید کر ان کو عاریۃً دیتے رہیں یا الگ بٹھا کر یا خود پڑھ کر سنائیں۔

(۴) اگر بطور خود اس تقسیم کی خدمت کو انجام نہ دے سکیں تو ادارہ کو تبلیغی مد میں رقوم روانہ کر کے اس کے ذریعے سے اہلِ ضرورت تک پہنچانے کی ہدایت کریں۔ یقیناً جو حضرات ان کی طباعت و اشاعت میں حصہ لیں گے مصنف کے ساتھ تبلیغِ دین کے ثواب سے سرفراز ہوں گے۔